بھارت کے فرعون
کمانڈو آپریشن
اے حمید
50

پستول خفیہ پولیس والے کے ہاتھ میں تھا۔

پستول کی نالی کا رخ میری طرف تھا۔ میں پلنگ سے اٹھ کر ہاتھ اوپر اٹھائے اس کی طرف بڑھا تو وہ دو قدم پیچھے ہٹ کر دروازے کی ایک طرف ہوگیا۔ وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ میں کوئی عام قسم کا پاکستانی جاسوس ہوں جو خفیہ معلومات حاصل کرنے کے لئے راجستھان کا بارڈر کراس کر کے ہندوستان میں داخل ہوگیا ہے۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ میں ایک تربیت یافتہ کمانڈو بھی ہوں۔ مجھے اس کے قریب سے گذرتے ہوئے صرف دو سیکنڈ چاہئے تھے۔ صرف دو سیکنڈوں میں مجھے اس ہندو خفیہ پولیس والے کا کام تمام کر دینا تھا۔ مجھے اگر کوئی خطرہ تھا تو صرف اس بات کا کہ گھبراہٹ میں کہیں اس کا پستول نہ چل جائے۔ کیونکہ پستول چل جانے سے جو دھماکہ ہو گا وہ ہوٹل والوں کو خبردار کر سکتا تھا اور میں چاہتا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ میں نے جس زاویے سے اس پر اٹیک کرنا تھا وہ میں نے سوچ لیا تھا۔ وہ مجھے پستول کی نوک پر نیچے لے جانا چاہتا تھا جہاں اس کے بقول بیکانیر پولیس کی گارد موجود تھی۔ جیسے ہی میں اس کے قریب سے گذرا ایک بجلی سی چمکی اور دوسرے لمحے خفیہ پولیس افسر کا پستول نیچے فرش پر گر چکا تھا اور اس کی گردن میرے دائیں بازو کے آہنی شکنجے میں تھی۔ صرف ایک جھٹکا ہی کافی تھا۔ میری کمانڈو ٹریننگ کے تینوں استادوں نے مجھے انسانی جسم کی ہڈیوں خاص طور پر گردن کی ہڈی کے

بارے میں تفصیل سے بتایا ہوا تھا کس طرح دشمن کی گردن کو شکنجے میں جکڑ کر کس سمت کو جھٹکا دینا ہے۔ میں نے بالکل اپنی ٹریننگ کے مطابق جھٹکا دیا تھا۔ خفیہ پولیس کا ہندو سپاہی بڑا آسان شکار تھا۔ ایک جھٹکا اس کے لئے بہت زیادہ تھا۔ جب میں نے اسے فرش پر گرا کر اس کی گردن کو ٹٹولا تو اس کی گردن کی ہڈی دو تین جگہوں سے ٹوٹ چکی تھی۔

سب سے پہلا کام میں نے یہ کیا کہ صدری کی جیب سے رومال نکال کر اس کی گردن پر پڑے ہوئے اپنی انگلیوں کے نشان اچھی طرح رگڑ کر مٹا دیئے۔ پھر اس کی لاش کو اس طرح گھسیٹ کر پلنگ کے نیچے چھپا دیا کہ میرا ہاتھ اس کے جسم کے کسی حصے کو نہ چھوئے۔ پستول کو میں نے رومال سے پکڑ کر خفیہ پولیس افسر کی لاش کے قریب ہی پلنگ کے نیچے رکھ دیا۔ پلنگ کے اوپر جو چادر پڑی تھی وہ پلنگ کی پٹی پر نیچے تک لٹکی ہوئی تھی اور کمرے میں کوئی داخل ہو تو اسے لاش نظر نہیں آسکتی تھی۔ اب مجھے اس بات کی تصدیق کرنی تھی کہ یہ شخص اپنے ساتھ پولیس کے سپاہی لایا تھا یا نہیں۔ میرا کمرہ اس معمولی سے ہوٹل کی دوسری منزل پر تھا اور اس کی ایک کھڑکی بازار میں ہوٹل کے سامنے کھلتی تھی۔ میں نے کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا کر نیچے دیکھا۔ اس خفیہ پولیس والے نے میرے ساتھ بلف چال چلی تھی۔ نیچے پولیس نہیں تھی۔ وہ اکیلا ہی مجھے گرفتار کرنے آیا تھا۔ اس نے ٹھیک سوچا تھا پستول اس کے پاس تھا اور میں ایک عام قسم کا بقول اس کے پاکستانی جاسوس تھا۔ وہ پستول دکھا کر آسانی سے مجھے آگے لگا سکتا تھا۔ اگر اسے کسی طرح بھی یہ پتہ چل جاتا کہ میں ایک زبردست تربیت یافتہ سرفروش قسم کا کمانڈو ہوں تو وہ یہ حماقت کبھی نہ کرتا اور اپنے ساتھ پولیس کی پوری گارد لاتا۔ لیکن اس کا وقت پورا ہو چکا تھا۔

اس کے باوجود میں نے سامنے سے نیچے اترنے کا خطرہ مول نہ لیا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ پولیس کے سپاہی آس پاس چھپے ہوئے ہوں۔ ہوٹل کے ملازم لڑکے کو میں نے کہہ دیا ہوا تھا کہ میں رات کا کھانا نہیں کھاؤں گا اور ابھی آرام کر رہا ہوں۔ میں نے پچھلی کھڑکی کھول کر نیچے دیکھا۔ شام کا دھندلا دھندلا اندھیرا ہو رہا تھا۔ صحراؤں میں شام کا وقت دیر

تک برقرار رہتا ہے۔ یعنی شام دیر تک چھائی رہتی ہے۔ باہر جو درخت تھا اس کی دو چار بڑی بڑی شاخیں ہوٹل کی کھڑکی کے ساتھ تو نہیں لگی ہوئی تھیں مگر قریب سے ہو کر اوپر چلی گئی تھیں۔ کمانڈو ٹریننگ کے دوران اگر مجھے چیتے کی ہوشیاری اور گھوڑے کی طرح مسلسل دوڑتے بھاگتے رہنا سکھایا گیا تھا تو بندر کی طرح درخت پر چڑھنے اترنے کی ٹریننگ بھی دی گئی تھی۔

میں نے کمرے کی بتی جلتی رہنے دی۔ کھڑکی پر چڑھ کر درخت کی بڑی شاخ پر چھلانگ لگا دی۔ میں جھول کر دوسری شاخ پر جا کر ٹک گیا۔ نیچے نگاہ ڈالی۔ اس طرف کوئی باقاعدہ سڑک نہیں تھی۔ کھلی جگہ تھی' سامنے بھی ایک درخت تھا جہاں ایک گائے اور بکری بندھی تھی۔ میں بڑے اطمینان سے نیچے اترا اور ایک طرف چل پڑا۔ تھوڑی دور چلنے کے بعد بیکانیر شہر کی ایک بڑی سڑک پر آگیا۔ یہاں معمولی سی ٹریفک تھی۔ یہ پاکستان بننے کے گیارہ بارہ سال بعد کا زمانہ تھا۔ اس شہر میں ابھی اتنی آبادی نہیں ہوئی تھی۔ مجھے اتنا اندازہ تھا کہ کم از کم دو تین گھنٹے تک میرے کمرے میں خفیہ پولیس والے کی لاش کا کسی کو پتہ نہیں چلے گا۔ مجھ سے ایک غلطی ضرور ہوئی تھی کہ میں ہوٹل کے ملازم لڑکے سے پوچھ بیٹھا تھا کہ جودھپور جانے والی گاڑی بیکانیر کے اسٹیشن سے کس وقت چلتی ہے۔ گاڑی کے چلنے میں ابھی سات آٹھ گھنٹے باقی تھے۔ ہوٹل والے کو جیسے ہی لاش کا پتہ چلا وہ فوراً پولیس کو خبر کر دے گا۔ پولیس نے اپنے آدمی کی لاش دیکھی تو فوراً حرکت میں آجائے گی۔ جب پولیس کو پتہ چلے گا کہ جس کمرے سے لاش ملی ہے اس کمرے میں جو [illegible] جودھپور جانا تھا تو پولیس فوراً اسٹیشن پر پہنچ جائے گی۔ اگرچہ پولیس کو میری شکل کا علم نہیں تھا لیکن ممکن ہے پولیس ہوٹل کے ملازم لڑکے کو ساتھ لے آئے جو میری شکل پہچانتا تھا اور جس کو میں نے بتایا تھا کہ میں رات کی گاڑی سے جودھپور جاؤں گا۔ اس طرح میرے پکڑے جانے کا خطرہ تھا۔

چنانچہ میں نے ایک طریقہ سوچ لیا۔ میں سیدھا لاری اڈے چلا گیا۔ جودھپور سے بیکانیر آتے ہوئے درمیان میں ناگور نام کا ایک بڑا شہر آیا تھا۔ میں نے لاری کے اڈے سے

معلوم کیا کہ ناگور کو کوئی لاری جاتی ہے۔ پتہ چلا کہ رات کو کوئی لاری نہیں جاتی صبح جائے گی۔ میں انتظار کرنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ میرے لئے اس شہر میں رہنا شدید خطرے کا باعث بن سکتا تھا۔ جیسے جیسے وقت گذرتا جا رہا تھا وہ نازک گھڑی قریب آتی جا رہی تھی جب بیکانیر پولیس کی ساری فوج نے میری تلاش میں نکل کھڑا ہونا تھا اور پورے شہر لاریوں کے اڈے اور ریلوے اسٹیشن کی ناکہ بندی کر لینی تھی۔ میں جس خفیہ پولیس افسر کو قتل کر کے اس کی لاش ہوٹل کے کمرے میں پلنگ کے نیچے چھپا آیا تھا اس کا راز زیادہ سے زیادہ دو ڈھائی گھنٹے تک ہی چھپا رہ سکتا تھا۔

میری پرابلم اور میرا مسئلہ یہ تھا کہ میں صرف ایک کمانڈو ہی نہیں تھا میں ایک جاسوس بھی تھا۔ اگر کمانڈو ہوتا اور پکڑا جاتا تو میں ٹارچر برداشت کر سکتا تھا اور اپنی جان پر کھیل کر جیل سے یا حوالات سے یا پولیس کی حراست سے فرار بھی ہو سکتا تھا۔ اصل مسئلہ یہ تھا کہ میرے سامنے ایک انتہائی اہم اور طویل مشن تھا اور اس کے لئے ضروری تھا کہ انڈیا کی پولیس کے ریکارڈ پر میرا نام میری شکل اور میری انگلیوں کے نشان نہ آئیں۔ اس طرح میرا مشن اپنے آغاز ہی میں تباہ ہو سکتا تھا۔ اس لئے میرا پولیس کی نگاہوں سے روپوش ہو جانا بے حد ضروری تھا۔ ٹرین کے ذریعے جودھپور جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ لاری کوئی نہیں اس طرف جاتی تھی۔ اب ایک ہی طریقہ رہ گیا تھا کہ میں پیدل ہی جودھپور ناگور جانے والی سڑک پر چل پڑوں اور صبح ہونے تک بیکانیر سے جتنی دور نکل سکتا ہوں نکل جاؤں۔ لیکن اس میں بھی یہ خطرہ موجود تھا کہ پولیس میری تلاش میں ناگور جودھپور شاہراہ پر آ سکتی تھی۔ میں لاری اڈے سے نکل کر شہر سے تھوڑا باہر ایک مندر کے پاس تالاب کے کنارے بیٹھا تھا۔

مندر میں مورتی پوجا ہو رہی تھی اور گھنٹیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ شہر کی جانب مکانوں میں روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ ایک دن پہلے صبح کے وقت میں نے بیکانیر سے جودھپور کو جاتی بڑی سڑک دیکھ لی تھی۔ اس سڑک پر ہندی میں ایک تختی بھی لگی ہوئی تھی میں نے سوچا کہ یہاں بیٹھے رہنا اپنے آپ کو مزید خطرے میں ڈالنے کے برابر ہے۔

بہتر یہی ہے کہ میں بڑی سڑک پر جاتا ہوں۔ شاید وہاں کوئی تدبیر بن جائے کیونکہ ابھی لاش کا راز کھلنے میں ڈیڑھ گھنٹہ یقیناً باقی تھا۔ ڈیڑھ گھنٹے سے پہلے ہوٹل کے لڑکے کا میرے کمرے میں جانے کا امکان نہیں تھا۔ میں تالاب کے کنارے سے اٹھا اور اندازے سے ہائی وے یعنی بیکانیر جودھپور شاہراہ کی طرف چل پڑا۔ ایک جگہ سے مجھے پوچھنا بھی پڑا۔ آخر میں بڑی سڑک پر آگیا۔ یہ سڑک اتنی کشادہ نہیں تھی مگر پکی تھی۔ محصول چنگی پر ایک دو ٹرک کھڑے تھے۔ ایک ٹرک بیکانیر شہر میں داخل ہونے والا تھا اور ایک ٹرک کا رخ جودھپور ناگور کی طرف تھا۔ مجھے خیال آیا کہ اس ٹرک ڈرائیور سے بات کرنی چاہئے۔ اگر میں ٹرک پر سوار ہو جاؤں تو گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں اس خطرناک شہر سے کافی دور نکل جاؤں گا۔

یہ سوچ کر میں اس ٹرک کی طرف بڑھا جس کا رخ جودھپور ناگور کی طرف تھا۔ محصول چونگی پر ایک بڑا سا بلب روشن تھا۔ لکڑی کے کھوکھے کے اندر ایک آدمی بیٹھا کاپی پر کچھ لکھ رہا تھا۔ ایک پگڑی اور داڑھی والا آدمی اس کے پاس جھک کر کھڑا تھا۔ یہ سکھ معلوم ہوتا تھا۔ میں ٹرک کے قریب آگیا۔ ڈرائیور کی سیٹ خالی تھی۔ ایک دبلا پتلا آدمی ٹرک کے قریب ہی اینٹوں پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا۔ یہ ٹرک کا کلینر لگتا تھا۔ میں نے اس کے پاس جا کر نمستے کہا اور پوچھا کہ یہ ٹرک کس طرف جا رہا ہے۔ اس آدمی نے مجھے غور سے اوپر نیچے دیکھا اور پوچھا۔

”کیا بات ہے مہاراج۔ تم کیوں پوچھ رہے ہو؟“

میں نے کہا۔

”رانا بھائی مجھے ناگور بڑا ضروری جانا ہے گاڑی چھوٹ گئی ہے۔ اگر یہ ٹرک ناگور جا رہا ہے تو مجھے بٹھا لو۔ میں پیسے دے دوں گا“

مجھے معلوم تھا کہ راجستھان میں رانا کا لفظ بڑا عزت و تکریم کا لفظ ہے۔ میں نے جان بوجھ کر کلینر کو رانا بھائی کہا تھا۔ وہ بڑا خوش ہوا اور اٹھ کر میرے قریب ہو کر کہنے لگا۔

”سردار جی چونگی بابو کے پاس گئے ہیں تم اس سے بات کر لو۔ ہے تو وہ ڈرائیور

مگر بڑا اچھا آدمی ہے۔ تمہیں بٹھا لے گا۔ ہم مال لے کر ناگور ہی جا رہے ہیں۔"

اتنے میں سکھ ڈرائیور بھی چونگی والے کھوکھے سے نکل کر آگیا۔ اس نے مجھے کلینر کے ساتھ باتیں کرتے دیکھا تو جھومتے ہوئے پوچھا۔ "کیوں بھئی کیا بات ہے؟"

کلینر نے اسے بتایا کہ مہاشہ جی کو ناگور جانا ہے۔ میں نے سکھ ڈرائیور کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"سردار جی! ناگور میں میری ماتا جی کی بیماری کا تار آیا ہے۔ اس وقت کوئی ریل گاڑی یا لاری بھی نہیں جاتی۔ آپ مجھے بٹھا لیں تو بڑی کرپا ہو گی۔ میں کرایہ دے دوں گا۔"

سکھ ڈرائیور نے تھوڑی پی رکھی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ کی کھڑکی کھولتے ہوئے بولا۔

"کرایہ ورایہ رہنے دو جی۔ بیٹھ جاؤ پیچھے"

پھر اس نے کلینر سے کہا۔

"چل اوئے ان کو پیچھے بٹھا دے"

ٹرک میں بوریاں لدی ہوئی تھیں۔ بیچ میں بیٹھنے کے لئے کافی جگہ تھی۔ کلینر نے مجھے بوریوں کے درمیان بٹھا دیا اور تختہ لگا دیا۔ یہ تختہ ٹرک کے پیچھے آدھے دروازے تک لگا تھا اور میں بوریوں کے پیچھے بیٹھا سڑک کو بخوبی دیکھ سکتا تھا۔ تھوڑی دیر بعد ٹرک چل پڑا۔ سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ کبھی کبھی کوئی ٹرک گذر جاتا تھا۔ شہر سے نکلنے کے بعد ٹرک نے رفتار پکڑ لی۔ سڑک ریت کے اور اونچے نیچے ٹیلوں کے درمیان گذر رہی تھی۔ آسمان پر تارے کہیں کہیں چمکتے نظر آرہے تھے۔ ریت کے ٹیلے اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ صرف ان کی چوٹیاں نیلگوں ستاروں والے آسمان کے پس منظر میں نظر آرہی تھیں۔ ٹرک کے پیچھے بیٹھنے سے ہوا کے تھپیڑے مجھ پر پڑ رہے تھے اور ان میں ریت کے ذرے بھی تھے۔ میں نے اپنے آپ کو بوریوں کے پیچھے چھپا لیا۔ ہوا ٹھنڈی بھی ہو گئی تھی۔ اچانک مجھے چندریکا بدروح یا ہوائی مخلوق کا خیال آگیا جو مجھے اپنے

کسی پہلے جنم کا خاوند سمجھتی تھی اور جو بیکانیر والے ہوٹل کی کھڑکی کے باہر بھی ظاہر ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ مجھے کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس بلا سے بھی پیچھا چھوٹا اور بیکانیر کی بدروح بیکانیر ہی میں رہ گئی۔ ٹرک صحرائی رات میں سڑک پر ایک خاص رفتار کے ساتھ دوڑتا جا رہا تھا۔ مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ ٹرک ناگور کس وقت پہنچے گا۔ اتنا ضرور معلوم تھا کہ یہ کافی لمبا سفر ہے۔

ایک دو دفعہ میں نے بوریوں سے ٹیک لگا کر سونے کی کوشش بھی کی مگر ٹرک کے پیچھے سے جو ہوا کے تھپیڑے پڑ رہے تھے۔ وہ سونے نہیں دیتے تھے۔ رات گہری ہوتی جا رہی تھی۔ کوئی ڈھائی تین گھنٹے کے بعد کسی قصبے کی روشنیاں آگئیں۔ ٹرک سڑک کے کنارے ایک جگہ رک گیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ جلدی سے نیچے اتر کر کپڑوں پر پڑی ہوئی ریت جھاڑنے لگا۔ سکھ ڈرائیور بھی نیچے اتر رہا تھا۔ یہاں چائے کی دو تین دکانیں تھیں جہاں فلمی گیتوں کی ریکارڈنگ ہو رہی تھی۔ سکھ ڈرائیور نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"آجاؤ مہاراج آجاؤ۔ چائے پانی چھک لیں"

میں ہندوؤں کی طرح عاجزی سے مسکراتا ہوا ہاتھ سینے پر باندھے سکھ ڈرائیور کی طرف بڑھا۔

"پیچھے ریت مٹی تو بڑی بڑی ہو گی۔ خیر کوئی بات نہیں بادشاہو۔ ناگور اب زیادہ دور نہیں۔"

ہم نے چائے کی دکان کے باہر لوہے کی کرسیوں پر بیٹھ کر چائے پی۔ اس دوران سکھ ڈرائیور نے جیب سے چھوٹی بوتل نکال کر اس میں سے دو تین گھونٹ بھی لگا لئے۔ اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں ناگور میں کہاں رہتا ہوں۔ کیا کرتا ہوں۔ مجھے ناگور کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ میں نے یونہی کہہ دیا۔

"ہمارا گھر بڑے مندر کے پیچھے گلی میں ہے۔ میں دھرم ویر ہائی سکول میں ٹیچر ہوں۔"

سکھ ڈرائیور کو تھوڑی تھوڑی چڑھی ہوئی تھی۔ اس نے میری بات پر کوئی زیادہ دھیان نہ دیا۔ ہوٹل والے کا نام لے کر اسے ایک گالی دی اور کہا کہ سوڈے واٹر کی بوتل بھیجے۔

کوئی پون گھنٹہ وہاں رکنے کے بعد ٹرک پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ اتنا مجھے پتہ چل گیا تھا کہ ہم ناگور پو پھٹے پہنچیں گے۔ اس وقت مجھے جودھپور جانے والی کوئی نہ کوئی گاڑی مل سکتی تھی۔ اگر ریل گاڑی نہ ملی تو میں کسی بس میں سوار ہو سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ اس وقت تک ہوٹل میں پولیس افسر کی لاش مل گئی ہوگی۔ اور بیکانیر کی پولس نے میری تلاش میں شہر کی ناکہ بندی کر لی ہوگی۔ یہ بھی ممکن تھا کہ جودھپور پولیس کو بھی قتل کی اطلاع کر دی گئی ہو۔ اور اسے میرا حلیہ بتا دیا گیا ہو۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مجھے اب بڑی احتیاط سے کام لینا ہوگا۔ میں ایک خطرے سے نکل کر دوسرے خطرے کی حدود میں داخل ہونے والا تھا۔ اس حساب سے مجھے ناگور پہنچ کر ہرگز ریلوے اسٹیشن کا رخ نہیں کرنا چاہئے۔ میرے لئے یہی بہتر تھا کہ میں ناگور سے بھی جودھپور جانے والی کوئی لاری پکڑ لوں۔ لاری میں چیکنگ کا اتنا امکان نہیں تھا۔ یہ خیال سوچتے سوچتے نہ جانے کس وقت مجھے نیند آئی میں گہری نیند سو گیا۔ آنکھ کھلی تو پو پھٹ رہی تھی اور ٹرک ایک بڑے شہر کی روشنیوں والی سڑک پر سے گذر رہا تھا۔ ہم ناگور پہنچ گئے تھے۔

ٹرک اڈے میں جا کر رک گیا۔ میں نے اتر کر سکھ ڈرائیور کا شکریہ ادا کیا اور کچھ پیسے دینے چاہے مگر سکھ ڈرائیور نے لینے سے انکار کر دیا۔ میں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔

”سردار جی! میں آپ کا دھنوادی ہوں“

ابھی صبح نہیں ہوئی تھی۔ رات کا اندھیرا باقی تھا۔ ناگور کوئی اتنا بڑا شہر نہیں تھا۔ میں نے ٹرکوں کے اڈے پر ہی ایک مزدور سے جودھپور کے لاری اڈے کا پتہ معلوم کیا اور اڈے پر آگیا۔ یہاں ایک لاری آ کر رکی تھی۔ اس میں سے سواریاں اتر رہی تھیں۔ دو تین لاریاں قریب ہی کھڑی تھیں۔ معلوم ہوا کہ جودھپور جانے والی لاری آدھے گھنٹے بعد چلے گی۔ میں وہیں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ سامنے چائے کی دکان تھی میں وہاں

آیا رات کو کچھ نہیں کھایا تھا۔ میرے ایسے تربیت یافتہ کمانڈو کو بھوک لگتی ضرور ہے مگر بھوک تنگ کبھی نہیں کر سکتی۔ بہرحال مجھے بھی بھوک لگی تھی۔ دکان میں بیٹھ کر جو کچھ کھا سکتا تھا سیر ہو کر کھایا۔ چائے پی۔ اتنے میں جودھپور جانے والی لاری تیار ہو گئی تھی۔ ٹکٹ لے کر دوسرے راجستھانی مسافروں کے درمیان آ کر بیٹھ گیا۔ لاری جودھپور کی طرف روانہ ہو گئی۔

یہ بھی ریتلے ٹیلوں میدانوں کا سفر تھا۔ کہیں کہیں کوئی ہرا بھرا کھیت آجاتا تھا۔ سڑک زیادہ چوڑی نہیں تھی اور شکستہ بھی تھی۔ لاری زیادہ تیز نہیں چل رہی تھی۔ دوپہر کے وقت لاری نے جودھپور پہنچا دیا۔ یہاں میں بے حد محتاط ہو گیا۔ لاری میں سفر کے دوران میں نے ایک مسافر سے ساری معلومات حاصل کر لی تھیں۔ میرا پروگرام جودھپور سے مارواڑ کے ایک شہر پالی تک بذریعہ بس سفر کرنے کا تھا۔ اس کے بعد مجھے کوئی ٹرین پکڑ کر حالات کے مطابق احمد آباد کی طرف کوچ کر جانا تھا۔ چنانچہ جودھپور کے اڈے پر اترنے کے فوراً بعد میں نے وہیں سے پالی جانے والی لاری کا پتہ کیا۔ ایک گھنٹے بعد مجھے مارواڑ کے شہر پالی جانے والی لاری مل گئی۔ مگر یہ ایک گھنٹے کا عرصہ میں نے جودھپور کے لاری اڈے پر انتہائی پریشانی میں گذارا۔ کیونکہ یہاں کی پولیس کو میرے اندازے اور میرے خیال کے مطابق یہ اطلاع خود مل گئی تھی کہ اس حلیے اس لباس کا نوجوان بیکانیر میں پولیس افسر کو قتل کر کے اس طرف آ رہا ہے۔ میں نے یہ سارا وقت لاری اڈے میں ایک بہت بڑے درخت کے پیچھے چھوٹی سی چائے کی دکان میں بیٹھ کر گذارا۔ لاری تیار ہوئی تو اس میں اس وقت سوار ہوا جب وہ چلنے لگی تھی۔ پالی تک کوئی ڈیڑھ گھنٹے کا سفر تھا۔ یہاں پہنچ کر پتہ چلا کہ احمد آباد جانے والی گاڑی جونا نے ریلوے اسٹیشن سے ملے گی جو پالی سے پون گھنٹے کا لاری کا سفر تھا۔ میں فوراً وہاں سے دوسری لاری میں بیٹھ کر جونا آگیا۔ یہ اسٹیشن جودھپور احمد آباد مین لائن کا اسٹیشن تھا۔ یہاں سے مجھے اجمیر شریف سے آنے والی گاڑی مل گئی جو سیدھی احمد آباد جا رہی تھی۔

یہ کافی لمبا سفر تھا۔ شام ہو رہی تھی جب گاڑی چلی۔ یہ کوئی ایکسپریس گاڑی نہیں

تھی۔ جگہ جگہ کھڑی ہوتی تھی۔ خدا خدا کر کے میرا سفر کٹا اور میں اگلے دن احمد آباد پہنچ گیا۔ پلیٹ فارم پر اترتے ہی میں نے کریم بھائی کو اس کے دیئے ہوئے نمبر پر ٹیلی فون کیا اور اسے بتایا کہ میں آگیا ہوں۔ اس نے کہا۔

"اسٹیشن کے پیچھے جو ریلوے پل ہے اس کے پاس آجاؤ۔ میں تمہیں لینے آرہا ہوں"

احمد آباد ریلوے اسٹیشن پر مسافروں کا کافی رش تھا۔ پولیس کے سپاہی بھی ادھر ادھر کھڑے اپنی ڈیوٹی دے رہے تھے۔ مگر میری طرف کسی نے دھیان نہ دیا۔ میں اسٹیشن سے نکل کر ریلوے پل کی ایک طرف ہو کر کھڑا ہو گیا۔ پل کافی بڑا تھا۔ گاڑیاں' بیل گاڑیاں' سکوٹر آجا رہے تھے۔ میرا حلیہ بالکل ہندوؤں والا تھا۔ ماتھے پر تلک لگا تھا۔ کلائی میں منگل سوتر بندھا تھا۔ احمد آباد میں مسلمان بھی بھاری تعداد میں رہتے تھے۔ مگر مجھے یہاں جینی ہندو بن کر ہی رہنا تھا۔ اتنے میں دور سے مجھے کریم بھائی کی پرانی مورس کار آتی دکھائی دی۔ کریم بھائی نے بھی مجھے دیکھ لیا تھا۔ گاڑی میرے قریب آکر رکی۔ کریم بھائی نے پیچھے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ گیا اور گاڑی ایک طرف چل پڑی۔

کریم بھائی نے مجھ سے منگل سوتر کے بارے میں پوچھا۔ میں نے اسے بتایا کہ منگل سوتر مجھے مل گیا ہے۔

"کوئی پریشانی تو نہیں اٹھانی پڑی؟"

میں نے کہا۔

"ایک خفیہ پولیس والے کو قتل کرنا پڑا ہے"

کریم بھائی نے کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔ گاڑی شہر کی مصروف سڑکوں پر سے نکل کر نسبتاً ویران علاقے میں داخل ہو گئی تھی۔ اس نے کافی دیر خاموش رہنے کے بعد مجھ سے سوال کیا۔

"لاش پر انگلیوں کے نشان تو نہیں چھوڑ آئے؟"

میں نے کہا

"نشان پڑے تھے۔ میں نے رومال سے اچھی طرح صاف کر دیئے تھے"

"تمہیں پولیس نے دیکھا تو نہیں؟"

میں نے جواب دیا۔

"صرف اسی خفیہ پولیس افسر نے دیکھا تھا جسے میں نے ٹھکانے لگا دیا"

"اچھا کیا"

میں نے کریم بھائی کو ہوائی مخلوق چندریکا کے بارے میں یہ سوچ کر کچھ نہ بتایا کہ اسے اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے اور پھر اس ہوائی مخلوق کا ہمارے مشن سے کوئی تعلق بھی نہیں تھا۔ کریم بھائی مجھے شہر سے باہر والے اپنے پرانے گودام نما کوارٹر میں چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ جاتی دفعہ کہہ گیا کہ میں رات کو آؤں گا۔ یہ وقت میں نے کچن میں کھانا تیار کرنے' کافی بنانے اور کمرے میں کھڑکی کے پاس اکیلا بیٹھ کر اپنے مشن کے بارے میں سوچ بچار کرتے گذار دیا۔ رات ہو گئی تھی کمرے میں کریم بھائی نے مجھے بجلی کی بتی جلانے سے منع کر رکھا تھا۔ صرف کونے میں ایک موم بتی روشن کی ہوئی تھی۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ دور سے کسی کو کوارٹر میں روشنی نظر آئے۔

آدھی رات کے وقت کریم بھائی اپنی گاڑی لے کر آگیا۔

گاڑی کی ڈگی میں سے اس نے اٹیچی کیس نکالا اور اسے کمرے میں لے آیا۔ کہنے لگا۔

"تمہیں یہ کپڑے بدل کر نئے کپڑے پہننے ہوں گے میں تمہارے لئے دو نئے جوڑے لے آیا ہوں"

یہ سفید کھدر کے کرتے پاجامے اور بادامی رنگ کی واسکٹ تھی اس نے کپڑے اٹیچی کیس سے نکال کر چارپائی پر ایک طرف رکھ دیئے اور یہ کہہ کر کچن کی طرف چلا گیا کہ میں کافی بنا کر لاتا ہوں۔ میں چارپائی پر دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کریم بھائی کافی کے دو مگ بنا کر لے آیا۔ ہم کافی پیتے ہوئے باتیں کرنے لگے۔ اس نے میرے منگل سوتر کو غور سے دیکھا۔ کہنے لگا۔

"اب تم جین مت کے پکے ودوان ہو گئے ہو۔ یہ اس بات کی نشانی ہے کہ تم کٹڑ جینی شاستری ہو۔ اب کل سے تمہیں اپنے مشن کا آغاز کرنا ہے۔ تم نے اچھا کیا کہ اپنے بال نہیں کٹوائے۔ اپنے بالوں کو گردن تک جتنا لمبا کر سکتے ہو لمبا کر لو۔ اس سے تمہارا حلیہ جینی پروفیسروں والا ہو جائے گا۔ ایک بات یاد رکھنا۔ تم گجراتی زبان روانی سے نہیں بول سکتے۔ تمہارا اردو بولنے کا لہجہ بھی پنجابیوں والا ہے۔ سب کو یہی بتانا کہ تم پنجاب کے کسی شہر میں ہندو برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے تمہارے ماں باپ بچپن میں ہی فوت ہو گئے۔ تمہارے کسی رشتے دار نے تمہاری پرورش کی۔ پھر تم امریکہ چلے گئے وہاں سے واپس ہندوستان آئے تو جین دھرم کا مطالعہ کیا۔ اس دھرم نے تمہیں بے حد متاثر کیا اور تم نے اپنی ساری زندگی جین دھرم کے مطالعے اور پرچار کے لئے وقف کر دی۔ اب تم گجرات کاٹھیاواڑ میں رہ کر جین دھرم کی خدمت اور پرچار کرنا چاہتے ہو کیونکہ یہ جین مت کے بانی مہاویر وردھمان کی جنم بھومی ہے۔ بس اس بیان کو رٹ لینا۔ اور اسی پر قائم رہنا۔"

میں نے اسے بتایا کہ میں نے بھی پہلے ہی سے یہ سوچ رکھا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"کیا را کے ڈائریکٹر جی ڈی پانڈے تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اس کی بیٹی میناکشی کا سہارا لینا ضروری ہے؟"

کریم بھائی نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔

"اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے اور یہ جی ڈی پانڈے تک رسائی حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ بھی ہے۔ کیونکہ پانڈے اپنی اکلوتی اولاد میناکشی سے بہت محبت کرتا ہے۔ اور میناکشی بھی جین دھرم کو جیون کی نجات کا واحد ذریعہ سمجھتی ہے۔ تم چاہے کتنے دولت مند نوجوان بن کر بھی اس کے پاس جاؤ گے اسے متاثر نہ کر سکو گے۔ احمد آباد بمبئی وغیرہ میں میناکشی کے کئی

دولت مند رشتے دار نوجوان موجود ہیں۔ اس کے دل ودماغ پر قبضہ کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ کسی طرح اس کے مذہبی جذبات پر اتنا گہرا اثر ڈالو کہ وہ تمہاری گرویدہ ہو جائے۔ وہ بڑی پڑھی لکھی لڑکی ہے اور جین دھرم اور برہمن مت کے بارے میں بہت علم رکھتی ہے۔ اور جین دھرم کی ودوانوں اور جوگی سادھوؤں کی بڑی عزت کرتی ہے"

میں چپ بیٹھا تھا۔ کریم بھائی بھی خاموش ہو گیا۔ پھر میری طرف دیکھ کر کہنے لگا۔

"کیا تم میناکشی پر اتنا اثر ڈال سکو گے' تم تربیت یافتہ کمانڈو ہو۔ دشمن کو پلک جھپکتے میں ٹھکانے لگا سکتے ہو۔ تم ہائی ایکسپلوسوز کے بھی ماہر ہو۔ ڈائنامیٹ لگا کر بڑے سے بڑے پل کو ایک سیکنڈ میں اڑا سکتے ہو۔ لیکن کیا تم ایک نوجوان خوبصورت لڑکی کے دل کو اس طرح سے اپنی مٹھی میں لے سکتے ہو کہ وہ تمہاری گرویدہ ہو جائے اور تمہیں اپنے باپ جی ڈی پانڈے سے ملوانے بھی لے جائے؟"

میں نے کہا۔

"میں کوشش کروں گا"

حقیقت یہ ہے کہ یہ کام مجھے بھی مشکل نظر آرہا تھا۔ مشکل ان معنوں میں کہ میں مذہبی بحث مباحثے سے تو میناکشی پر اپنا بھرپور اثر ڈال سکتا تھا۔ لیکن اسے اپنا گرویدہ بنانے اور اس کے دل ودماغ پر قبضہ جمانے والی بات مجھے مشکوک لگ رہی تھی اس کے لئے کسی کرامت کی ضرورت تھی۔ کوئی شعبدہ دکھانے کی ضرورت تھی اور شعبدہ اور کرامت میرے پاس نہیں تھی۔

کریم بھائی کہنے لگا۔

"تم اب سو جاؤ۔ میں بھی اسی مسئلے پر مزید غور کرتا ہوں۔ کیونکہ ہمیں پکا قدم اٹھانا ہو گا۔ شروع میں ہی اگر پاؤں جم کر نہ پڑا تو خطرہ ہے کہ سارا مشن کہیں دھرے کا دھرا نہ رہ جائے"

میں نے کریم بھائی سے سوال کیا۔

"کیا ہمیں کسی دوسرے طریقے سے را کے ہیڈ کوارٹر کی کشمیر کے بارے میں حکمت عملی اور کشمیر میں فوجی یونٹوں کی نقل و حرکت اور پاکستان میں را کے ایجنٹوں کی ابتدائی سرگرمیوں کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہو سکتیں؟"

کریم بھائی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"احمد آباد میں را کا جو خفیہ ہیڈ کوارٹر ہے اور جس کا ڈائریکٹر میناکشی کا باپ گوگل داس پانڈے ہے ساری حکمت عملی اسی دفتر میں طے کی جاتی ہے۔ یہی محکمہ سری لنکا میں تامل ٹائیگرز کی مدد کرتا ہے اور یہی محکمہ پاکستان میں تخریب کار بھیجنے کی پالیسی وضع کر چکا ہے اور وہ ابتدائی بلیو پرنٹ بھی اسی محکمے میں جی ڈی پانڈے کی نگرانی میں تیار ہوتے ہیں جن پر عمل کرتے ہوئے کشمیر میں مجاہدین آزادی کی تحریک جہاد کو کچلنے کے لئے مختلف ہتھکنڈے تیار کئے جاتے ہیں۔ اس لئے جی ڈی پانڈے کے ہیڈ کوارٹر میں گھس کر بیٹھنا اور اس شخص کا اعتماد حاصل کرنا بے حد ضروری ہے۔ اور اس عیار اور تجربہ کار بیوروکریٹ کا اعتماد تم میناکشی کے ذریعے ہی حاصل کر سکتے ہو۔ اسی کے لئے تو تمہیں شعبدہ دکھانا ہو گا۔

کریم بھائی میری طرف دیکھنے لگا۔

"کیا تم کوئی شعبدہ دکھا سکتے ہو؟"

پھر خود ہی اس نے اپنے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں یہ کام کوئی شعبدہ باز ہی کر سکتا ہے۔ کمانڈو نہیں کر سکتا۔ اچھا۔ ایک دن مزید غور کر لیتے ہیں۔ میں کل رات کو پھر آؤں گا تم بھی کچھ سوچ رکھو۔ میں بھی کچھ سوچوں گا ہو سکتا ہے کوئی کارگر تدبیر ہمارے دماغوں میں آجائے۔

کریم بھائی چلا گیا۔ اس شخص کی باتیں حقیقت پسندانہ تھیں۔ را (RAW) کے کشمیر افیئرز والے ہیڈ کوارٹر کے چیف جی ڈی پانڈے تک پہنچنے کا راستہ اس کی اکلوتی

میناکشی کو درمیان سے نکال دیا جائے تو پھر اندھے کنوئیں میں چھلانگ لگانے والی بات تھی۔ پھر مجھے ایک طویل اور دشوار گذار راستے سے گذر کر مسٹر پانڈے تک پہنچنا پڑتا تھا۔ اور اس میں بھی کامیابی کی امید پانچ فی صد سے زیادہ نہیں تھی۔ اگر اس شخص کی بیٹی نہ ہوتی تو لامحالہ مجھے یہی طویل اور دشوار گذار راستہ اختیار کرنا پڑتا یعنی میں ایک ہندو جین بھگت کے روپ میں جی ڈی پانڈے تک رسائی حاصل کرتا۔ پھر اس پر اپنا اثر جماتا۔ پھر اس کا اعتماد حاصل کرتا۔ جو بگلے کے سر پر موم رکھ کر اس کو پکڑنے والی ترکیب تھی۔ اب جب کہ اس کی اکلوتی اور چہیتی بیٹی موجود تھی تو میں یہ راستہ شارٹ کٹ سے بڑی آسانی سے طے کر سکتا تھا اور پہلے ہی اٹیک میں را کے خفیہ شعبے کی فائلوں تک پہنچ جاتا۔

مگر کریم بھائی نے ٹھیک کہا تھا کہ میناکشی کمپیوٹر سائنس کے ماڈرن زمانے کی پڑھی لکھی لڑکی تھی اس کے روشن اور ترقی پسند دماغ کو اپنے قابو میں کرنے کے لئے جین دھرم کی باتیں ایک کارگر رول ادا ضرور کر سکتی تھیں۔ لیکن اس کے باوجود مجھے کوئی شعبدہ دکھانے کی بھی اشد ضرورت تھی۔ سوال یہ تھا کہ میں شعبدہ کیسے دکھا سکتا تھا؟ ان خیالوں میں گم سم میں دیر تک کوارٹر کے بند کمرے میں بیٹھا رہا۔ نیند بالکل غائب تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ میرے پاس اتنا وقت بھی نہیں تھا۔ کشمیر میں کشمیری حریت پرست بے سروسامانی کے عالم میں تربیت یافتہ فوجوں کا بے جگری سے مقابلہ کر رہے تھے بھارتی فوج کے پاس بے پناہ اسلحہ اور جنگی سازو سامان تھا۔ ان کی نفری بھی زیادہ تھی۔ جب کہ کشمیری حریت پرستوں کے پاس وہی بندوقیں اور اسلحہ تھا جو وہ بھارتی فوجیوں سے چھین کر لے جاتے تھے۔ ان کی نفری بھی کم تھی۔ وہ صرف اپنے جذبے اور اللہ اور رسولؐ کے نام پر آزادی اور اسلام کی جنگ لڑ رہے تھے اور شہید ہو رہے تھے۔ مجھے جتنی جلدی ہو سکے بھارتی فوجی ہائی کمان کی خفیہ سکیموں کی رپورٹیں حاصل کر کے انڈین فوجی یونٹوں کی نقل و حرکت پر کاری ضرب لگانی تھی۔ ان کی ہر نئی فوجی حکمت عملی کو تباہ کرنا تھا اور ان پر یہ لرزا دینے والی حقیقت کا انکشاف کرنا تھا کہ کشمیری حریت پرست دشمن کے گھر تک پہنچ گئے ہیں۔ اس سے صرف جہاد کشمیر کی تحریک کو زبردست تقویت

ہی نہیں ملتی تھی بلکہ کشمیر کے محاذ پر کشمیریوں پر ظلم و ستم توڑنے والی بھارتی فوجی یونٹوں کا مورال بھی ختم ہو جاتا تھا۔

میرے پاس کریم بھائی سگریٹ کا ایک پیکٹ اور ماچس چھوڑ گیا تھا۔ یہ تو آپ کو میں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ میں کبھی کبھی سگریٹ پی لیا کرتا تھا۔ کریم بھائی مصلحتاً سگریٹ چھوڑ گیا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے مجھے ایک ایسا سگریٹ کیس دیا ہوا تھا جس کے ساتھ ہی لائٹر لگا ہوا تھا۔ اسی لائٹر کے اندر بہت ہی چھوٹے سائز کا بڑا طاقتور ٹرانسمیٹر فٹ تھا۔ اس ٹرانسمیٹر کے ذریعے میں بھارت کے اندر رہ کر کشمیر سے لے کر نیچے راس کماری تک اپنے ساتھی کے ریسیونگ سیٹ پر سیکریٹ پیغام کے سگنل بھیج سکتا تھا۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ میں یہ ظاہر کروں کہ میں سگریٹ پیتا ہوں۔ یہ طاقتور ٹرانسمیٹر والا سگریٹ لائٹر کریم بھائی نے میرے اسپرو ٹیبلٹ بم کی پندرہ ٹکیوں کے ساتھ ہی اسی کوارٹر کے تہہ خانے کی الماری میں رکھ دیا تھا۔ جہاں وائرلیس سیٹ مائیکرو فلم ڈیویلپمنٹ کا دوسرا سامان بھی رکھا ہوا تھا۔ یہ سگریٹ لائٹر اور اسپرو ٹیبلٹ بم کی ٹکیاں آگے چل کر دشمن کو موقع بہ موقع ختم کرنے میں میرے کام آنے والی تھیں۔ اسپرو ٹیبلٹ بم کے بارے میں میں اپنے قارئین کو ایک بار پھر بتانا چاہتا ہوں کہ یہ کس قسم کے بم تھے۔ میری کمانڈو ٹریننگ کے دوران یہ بم اور ان کو تیار کرنے کا نسخہ مجھے میرے دلی کے مجاہد کمانڈو انسٹرکٹر گل خان نے دیا تھا۔ دیکھنے میں یہ سر درد دور کرنے کی اسپرو کی ٹکیاں لگتی تھیں۔ مگر یہ انتہائی دھماکہ خیز بم تھے۔ مجاہد کمانڈو انسٹرکٹر اور ہائی ایکسپلوسیوز کے ماہر گل خان نے ہر ٹکیہ کے اندر خاص کیمیکلز کا مرکب تیار کر کے ڈالا رکھا تھا۔ جب اس ٹکیہ کو اسپرو کی گولی سمجھ کر کوئی پانی کے ساتھ نگل لیتا تھا تو تین اور چار منٹ کے اندر اندر معدے میں جا کر اسپرو کی گولی کے ساتھ اس کے اندر چھپا ہوا کیمیائی مرکب بھی حل ہو جاتا اور پھر معدے کے تیزاب سے حل ہو کر وہ کیمیائی مرکب ایک دھماکے کے ساتھ پھٹ جاتا تھا اور ساتھ ہی دشمن کے جسم کے پرزے اڑ جاتے تے اس کا تجربہ گل خان نے دلی شہر سے باہر ایک کتے پر کیا تھا۔ اس نے میرے سامنے ایک آوارہ کتے کو پکڑ کر درخت کے ساتھ باندھا۔ اس

کے منہ میں زبردستی اسپرو ٹیبلٹ بم کی گولی ڈال دی۔ ہم گھڑی کی سوئیوں کو تکنے لگے۔ گل خان مجھے ساتھ لے کر کتے سے کوئی پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا تھا۔ ساڑھے چار منٹ کے بعد کتا جو زور زور سے بھونک رہا تھا۔ سر ڈال کر بیٹھ گیا اس کا جسم اینٹھنے لگا۔ اور پھر ایک دھماکہ ہوا اور دوسرے لمحے کتے کے جسم کے پرزے ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے۔ گل خان نے کہا تھا کہ یہ کمانڈو جاسوسی کی دنیا میں میری ایک بالکل نئی ایجاد ہے۔ وہ ہنس کر بولا تھا۔

"اگر میں جرمنی میں ہوتا تو ہٹلر کا گسٹاپو کا محکمہ مجھے سر آنکھوں پر اٹھا لیتا۔ لیکن مجھے خوشی ہے کہ یہ بم اسلام کے دشمنوں' پاکستان اور کشمیریوں کے دشمنوں کو ختم کرنے کے لئے استعمال ہو گا"

میری ایکسپلوسیوز کی کمانڈو ٹریننگ کے دوران گل خان نے مجھے اس اسپرو ٹیبلٹ بم کا پورا فارمولا سمجھا بھی دیا تھا اور لکھ کر بھی دے دیا تھا۔ یہ فارمولا ایک کاغذ پر کوڈ الفاظ میں لکھا ہوا تھا۔ یعنی کاغذ پر دار چینی' بادام' کالی مرچ اور سونف کی مقدار لکھی تھی۔ ایک نظر دیکھنے سے یہی لگتا تھا کہ یہ بڑی اعلیٰ قسم کی بریانی تیار کرنے کا نسخہ ہے مگر ان الفاظ کو ڈی کوڈ کرنے سے ان کیمیکلز کی صحیح مقدار اور ان کے امتزاج کا فارمولا سامنے آجاتا تھا۔ یہ فارمولا بھی کریم بھائی نے طاقتور ٹرانسمیٹر والے سگریٹ کیس کے ساتھ ہی تہہ خانے کی الماری میں سنبھال کر رکھ لیا تھا۔

تمام تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں۔ توپوں میں گولے لوڈ ہو چکے تھے۔ صرف پہلے فائر آرڈر کی ضرورت تھی۔ پھر میری اور انڈین فوجی ہائی کمانڈ کی سیکریٹ جنگ شروع ہو جاتی تھی۔ انتظار صرف اس بات کا تھا کہ پہلا گولہ کس محاذ سے فائر کیا جائے۔ اس کے لئے ہم نے جی ڈی پانڈے کی بیٹی میناکشی والا محاذ چنا تھا مگر یہاں ضرورت اس بات کی تھی کہ پہلا گولہ ہی صحیح ٹارگٹ پر جا کر لگے۔ اگر نشانہ خطا چلا گیا تو اس بات کا خدشہ تھا کہ ہمیں شدید نقصان اٹھانا پڑے۔

میں یہی سوچتا ہوا اٹھا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔ کمرے میں صرف ایک موم بتی ہی

جل رہی تھی ۔ میں نے کھڑکی کھول دی۔ باہر رات کی گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ آسمان پر ایک جانب درختوں کے پیچھے چاند طلوع ہو چکا تھا جس کی پھیکی پھیکی زرد چاندنی رات کے اندھیرے کو دور کرنے کی ناکام کوشش کررہی تھی۔ جس جگہ پر کریم بھائی کا یہ گودام نما کوارٹر تھا وہاں سے کچھ فاصلے پر ریلوے لائن گذرتی تھی۔ مجھے دور سے ریل کے انجن کی سیٹی کی آواز سنائی دی۔ ریل گاڑی کے گذرنے کی آواز کچھ دیر تک آتی رہی پھر غائب ہو گئی۔

کھڑکی میں سے ٹھنڈی ہوا آرہی تھی۔ میں کمرے سے نکل کر باہر درختوں کے نیچے آکر ایک جگہ بیٹھ گیا۔ میرا دماغ صرف ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ میناکشی کو اپنے قبضے میں کرنے کے لئے میں کیا کر سکتا ہوں؟ مجھے کیا کرنا چاہئے؟ میرے چاروں طرف گہری خاموشی طاری تھی۔ ریل گاڑی کے گذر جانے کے بعد یہ خاموشی زیادہ گہری ہو گئی تھی۔ بہت دور احمد آباد کے کسی کارخانے کی روشنیاں ستاروں کی طرح جھلملاتی نظر آرہی تھیں۔ رات کے پچھلے پہر کا زرد اور اداس چاند جیسے درختوں کے پیچھے آکر رک گیا تھا۔ سگریٹ میرے ہاتھ میں جل رہا تھا۔ یہ سگریٹ میں نے کریم بھائی کی دی ہوئی ڈبیا میں سے کمرے سے باہر آتے ہوئے سلگا لیا تھا۔ میں نے سگریٹ کا ہلکا کش لگایا اور اسے زمین پر مسل کر بجھا دیا۔

اچانک مجھے پائل کی ہلکی سی جھنکار سنائی دی۔ میں اس جھنکار کو پہچانتا تھا۔ یہ ہوائی مخلوق چندریکا کے پائل کی جھنکار تھی۔ جھنکار کی آواز میرے قریب سے ہو کر گذر گئی۔ مجھے چندریکا نظر نہیں آرہی تھی۔ میں نے دل میں بیزاری کے ساتھ کہا کہ یہ کم بخت مجھے تنگ کرنے پھر آگئی ہے۔ میرا تو خیال تھا کہ یہ بیکانیر کی نندی کنڈ والی مڑھیوں میں ہی رہ گئی ہوگی۔ مگر یہ میرا پیچھا کرتی احمد آباد بھی پہنچ گئی تھی۔ میں چپ چاپ بیٹھا چندریکا کے ظاہر ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ مجھے یقین تھا کہ اگر وہ آئی ہے تو میرے سامنے ظاہر ضرور ہوگی اور ایسا ہی ہوا۔ چند لمحوں کے بعد پائل کی جھنکار دور سے سنائی دی۔ پھر یہ آواز آہستہ آہستہ قریب آنے لگی۔ جیسے کوئی غیبی عورت پاؤں میں پائل باندھے دھیرے

دھیرے چلتی میری طرف بڑھ رہی ہو۔ میں اپنی جگہ پر خاموشی سے بیٹھا رہا۔ جھنکار کی آواز میرے قریب آکر رک گئی۔ چندریکا ابھی تک ظاہر نہیں ہوئی تھی۔ میں دل میں اس بدروح کو برا بھلا کہنے لگا۔ اس کے ساتھ ہی چندریکا ظاہر ہو گئی۔ وہ اسی زعفرانی ساڑھی میں ملبوس تھی۔ ماتھے پر سونے کی زنجیر والا ہیرا چمک رہا تھا۔ کانوں میں بھی قیمتی پتھر تھے۔ اس نے پہلے روز کی طرح ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ میری طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"مجھے برا بھلا کیوں کہتے ہو میرے پتی دیو؟ کبھی میری پائل کی جھنکار سن کر تمہارے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی تھی۔ اب تم میری صورت سے بھی بیزار ہو۔"

میں چپ بیٹھا رہا۔ چندریکا نے ایک سرد آہ بھری اور بولی۔

"آہ میرے پریتم۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم نے اس بار ایک مسلمان کے گھر میں جنم لیا ہے اگر کسی ہندو کے گھر میں جنم لیتے تو تمہیں میرے ساتھ گذارے ہوئے پچھلے جنم کے سارے واقعات' ساری محبت بھری باتیں یاد ہوتیں۔ آہ! بھگوان نے مجھے میرے کسی مہاپاپ کی سزا دی ہے کہ تمہیں کسی مسلمان کے گھر میں جنم دے کر پچھلے جنم کی ساری باتیں بھلا دیں"

مجھے اس بدروح پر غصہ آنے لگا۔ میں نے کہا۔

"چندریکا! تم ایک بدروح ہو۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ جہاں سے آئی ہو وہیں چلی جاؤ اور میرا پیچھا چھوڑ دو۔ مجھ سے تمہیں کچھ نہیں ملے گا۔ مجھے اس بات پر فخر ہے کہ میں الحمد للہ ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہوں اور مسلمان ہوں۔ بت پرست نہیں ہوں بت شکن ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس بار تم جاؤ تو پھر کبھی مجھے اپنی شکل نہ دکھاؤ"

چندریکا نے اسی طرح ہاتھ باندھ رکھے تھے۔ چہرے پر ایک گہری اداسی چھائی تھی۔ چاند اس کے پیچھے خاموش ایک جگہ رکا ہوا تھا۔ اس نے آہ بھر کر کہا۔

"میرے پتی دیو! تم ہر جنم میں میرے خاوند رہے ہو میرے پتی دیو رہے ہو۔

پچھلے جنم میں میں راجستھان کے راجہ کے دربار کی نرتکی تھی اور تم دربار کے
نرتکار تھے۔ ہم دونوں کی راجہ نے خود شادی کرائی تھی۔ اس روز محل کو
چراغوں سے سجایا گیا تھا۔ پھر ہونی ہو کر رہی۔ تم بیمار پڑ گئے اور یم دوت نے
تمہیں مجھ سے چھین لیا۔ تمہاری موت کے ایک مہینہ بعد میں بھی زندہ نہ
رہی۔ نندی کنڈ میں جہاں میں پہلی بار تمہیں ملی تھی پتھر کی چھتری والی میری
مڑھی موجود ہے وہاں میرے پاؤں کے نشان بھی ہیں۔ تمہاری مڑھی بھی
میرے ساتھ ہی بنائی گئی تھی۔ میرے پریتم! مجھے پہچانو اپنی چندریکا کو پہچانو!"

میں نے تنگ آکر اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"دفع ہو جا یہاں سے اور پھر اپنی شکل مجھے کبھی نہ دکھانا۔ نہیں تو میں ایسا عمل
پڑھ کر پھونکوں گا کہ تم جل کر بھسم ہو جاؤ گی۔"

ہوائی مخلوق یا آپ یوں کہہ لیں کہ چندریکا کی بدروح نے اپنا سر جھکا دیا اور آنسوؤں
بھری آواز میں بولی۔

"میرے کنور جی! میری قسمت میں اس جنم میں تمہاری جدائی لکھ دی گئی ہے۔
مجھے اگلے جنم کا انتظار ہے جب تم بھگوان کی کرپا سے کسی برہمن کے گھر میں
جنم لو گے۔ پھر تمہیں میرے ساتھ گذارے ہوئے پچھلے جنموں کے سارے
زمانے یاد آجائیں گے۔ پھر ہم دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر اپنے مانس جنم کا
سارا رستہ طے کریں گے"

میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"خدا کے لئے میرا پیچھا چھوڑ دو"

چندریکا نے عاجزی سے کہا۔

"کنور جی! مجھے اس طرح ڈانٹ کر میرا دل نہ توڑو تم نے تو ہمیشہ مجھ سے پریم
بھرے شبدوں میں پکارا ہے۔ تمہارا پریم تمہاری محبت مجھے تمہارے پیچھے لئے
لئے پھرتی ہے۔ پھر بھی میں اپنے آپ کو تمہارے سامنے نہیں لاتی۔ کیونکہ

مجھے معلوم ہے کہ تم مجھے نہیں پہچانتے اور مجھے پسند نہیں کرتے ہو۔ جب تم
نے بیکانیر کے ہوٹل میں ایک آدمی کو قتل کیا تھا تو میں تمہارے کمرے میں
موجود تھی مگر میں صرف اس خیال سے تمہارے سامنے نہیں آئی کہ تم میری
شکل دیکھنا پسند نہیں کرتے"

میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"اگر اس وقت تم میرے کمرے میں موجود تھیں جب پولیس والے نے میری
طرف پستول تان رکھا تھا تو تم نے خود اسے ختم کیوں نہیں کیا؟ اگر وہ مجھے گولی
مار دیتا اور میں مرجاتا تو تم تو خوش ہوتیں کہ چلو مرنے کے بعد تم میری روح
سے ملاقات کر سکو گی"

چندریکا نے کہا۔

"نہیں میرے کنور جی! ایسی بات نہیں تھی۔ مجھے تمہارے دشمن کے دل کا
حال معلوم تھا۔ اس کے ہاتھ میں پستول ضرور تھا مگر اس کا ارادہ تمہیں قتل
کرنے کا نہیں تھا۔ اس کے دل کا حال مجھ پر کھلا تھا۔ وہ زیادہ سے زیادہ
تمہاری ٹانگ پر گولی چلا کر تمہیں زخمی کرنا چاہتا تھا۔ اس کا بھی اس نے ارادہ
نہیں کیا تھا۔ اگر وہ اس قسم کا کوئی ارادہ کرتا تو میں تو اس کے پاس ہی کھڑی
تھی۔ میں اس کی گردن کو ایک انگلی سے چھو کر اسے ہمیشہ کی نیند سلا سکتی
تھی۔"

میں نے کہا۔

"مگر تمہارا تو کوئی جسم ہی نہیں ہے۔ یاد ہے میں نے نندی کنڈ کی مڑھیوں میں
رات کے وقت تمہاری کلائی پکڑنی چاہی تھی مگر تمہاری کلائی میرے ہاتھ میں
نہیں آئی تھی۔ تم تو ہوا کی لہر کی طرح ہو۔ تمہارے جسم کا کوئی مادی وجود نہیں
ہے۔ پھر تم میرے دشمن کی گردن کو کیسے چھو سکتی تھیں۔ تم جھوٹ بول رہی
ہو"

چندریکا نے گہری آواز میں کہا۔

"میرے کنور! تم یہ سب کچھ اس لئے کہہ رہے ہو کہ تم مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے ہو۔ تم ویدوں اور پرانوں کا سارا علم بھول چکے ہو۔ میرا کوئی مادی وجود نہیں ہے۔ مگر میرا جسم مادے کی توانائی سے بنا ہوا ہے۔ یہ توانائی میرے محبوب کے لئے شبنم کی طرح ٹھنڈی ہے مگر میرے اور میرے محبوب کے دشمن کے لئے کڑکتی ہوئی بجلی ہے جو اسے ایک آن میں جلا کر بھسم کر سکتی ہے"

اچانک میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لہرا سا گیا۔ مجھے خیال آیا کہ یہ عورت میرے مشن میں میری بہت مدد کر سکتی ہے۔ اس کی خفیہ طاقت سے میں بڑا کام لے سکتا ہوں۔ میں اسے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ چندریکا نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میرے کنور! میرے پتی دیو! تم جو سوچ رہے ہو وہ مجھے معلوم ہے۔ میں تمہارے دل کے اندر چھپے ہوئے خیالوں' ارادوں کو پڑھ رہی ہوں۔ سن رہی ہوں۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم بھارت میں ایک خاص مقصد لے کر آئے ہو۔ میں اس مقصد کے حاصل کرنے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔ میں مجبور ہوں۔ ہاں اگر تمہارا کوئی دشمن تمہیں جان سے مار ڈالنے کا ارادہ لے کر تمہاری طرف بڑھے گا تو میں اسے ضرور ختم کر دوں گی۔ اس لئے کہ اگر تم کسی کے ہاتھوں قتل ہو کر مر گئے تو یہ موت غیر طبعی موت ہوگی۔ پھر مجھے ایک لاکھ سال تک تمہارے کسی انسانی روپ میں جنم لینے کا انتظار کرنا ہوگا۔ اس لئے میں ہر قدم پر تمہیں غیر قدرتی موت سے بچاؤں گی۔ لیکن تمہارے کہنے پر اپنے ملک بھارت ورش کے کسی ہندو واسی کو قتل نہیں کروں گی۔ میں بھارت ورش میں ہندو عورت کے روپ میں پیدا ہوئی تھی اور اسی بھارت ورش کی بھومی میں میری خاک مل گئی ہے۔ میں نے اگر اپنی جنم بھومی سے غداری کرتے ہوئے تمہاری مدد کی تو میرا اگلا جنم ایک کروڑ سال کے لئے کتیا

کے روپ میں ظاہر ہوگا۔ جو میں کیسے قبول کر سکتی ہوں"

اس بدروح چندریکا کی باتوں سے صاف ظاہر ہو گیا تھا کہ وہ میرے عزائم سے واقف ہے۔ اور اسے میرے دل کا سارا حال معلوم ہے کہ میں کیا مقصد لے کر انڈیا میں داخل ہوا ہوں۔ مگر چونکہ وہ مجھے اپنا خاوند سمجھ بیٹھی تھی اور مشکل وقت میں میرے کام آ سکتی تھی اسی لئے میں نے سوچا کہ اس عورت کو دھتکارنا نہیں چاہئے۔ وہ کم بخت میرے یہ خیالات جان گئی۔ کہنے لگی۔

"میرے پتی دیو! میرے کنور جی! اگر تم مجھے دھتکار بھی دو گے تو میں تم سے ناراض نہیں ہوں گی۔ مجھے تو تمہارے ساتھ رہ کر تمہاری حفاظت کرنی ہوگی تا کہ تم قدرتی موت مرنے کے بعد دوبارہ میرے ساتھ آ کر مل جاؤ۔"

میں نے سوچا کہ اس عورت کے ساتھ بغیر منافقت کے پوری سچائی کے ساتھ بات کرنی چاہئے۔ میں نے کہا۔

"اگر تم میرے دل کے خفیہ ارادوں سے واقف ہو ہی گئی ہو اگر تمہیں معلوم ہو ہی چکا ہے کہ میں کیا سکیم دل میں لے کر انڈیا میں آیا ہوں تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ تم اپنے ہندو بھائیوں اور میرے دشمنوں کو میرے ارادوں سے خبر نہیں کرو گی۔ تم تو اسی شہر میں مجھے کسی بھی لمحے پولیس کے ہاتھوں گرفتار کروا سکتی ہو"

چندریکا نے کہا۔

"اگر پچھلے جنم میں تم میرے خاوند نہ رہ چکے ہوتے تو میں اب تک تمہیں گرفتار کروا چکی ہوتی۔ بلکہ اس وقت جب بیکانیر کے ہوٹل میں پولیس افسر نے تمہاری طرف پستول تان رکھا تھا تو میں اس کی دل میں خیال ڈال دیتی کہ اسے ہلاک کر دو اور وہ تمہیں اسی وقت گولی چلا کر مار ڈالتا۔ مگر میں ایسا نہیں کر سکتی تھی۔ میں ایسا خیال بھی اپنے دل میں نہیں لا سکتی۔ ہندو عورت کا پتی جس کو تم مسلمان خاوند کہتے ہو اس کے لئے بھگوان کا روپ ہوتا ہے۔ مجھ پر تو

تمہاری حفاظت کی ذمے داری پڑ گئی ہے۔ اگر تم مسلمانوں کے ملک پاکستان سے نکل کر بیکانیر کی مڑھیوں میں نہ آتے تو میری تم سے شاید اس جنم میں کبھی ملاقات نہ ہوتی۔ لیکن یہ شدنی تھی۔ اسے ہو کر ہی رہنا تھا۔ میری قسمت تمہیں پاکستان سے یہاں کھینچ کر میرے پاس لے آئی۔ لیکن بھگوان نے مجھے میرے برے کرموں کی یہ سزا دی کہ تم مسلمان کی حیثیت سے میرے پاس آئے ہو۔ مجھے اس جنم کا پاپ کاٹنا پڑے گا اور اگلے جنم کے لئے تمہاری حفاظت کرنی پڑے گی کہ تم غیر قدرتی موت نہ مارے جاؤ۔ بوڑھے ہو کر قدرتی موت مرو۔ تا کہ مرنے کے بعد ہندو مذہب کے مطابق جوان ہو کر میرے پاس آجاؤ۔

میں نے کہا۔

"اس کا مطلب ہوا کہ تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں را کے احمد آباد والے ہیڈ کوارٹر کے چیف تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اس کی اکلوتی بیٹی میناکشی کو اپنا مطیع اور اپنی مریدنی بنانے کی فکر میں ہوں"

چندریکا ابھی تک میرے سامنے اسی طرح کھڑی تھی۔ چاند درختوں کے کافی اوپر آکر آہستہ آہستہ نیچے جھکنا شروع ہو گیا تھا۔ میں درخت سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ چندریکا نے اس کے جواب میں کہا۔

"مجھے تمہارے دل کا سارا حال معلوم ہے۔ تمہارے سارے ارادوں کا پتہ ہے"

میں نے صاف صاف لفظوں میں اس سے کہا۔

"تو پھر میناکشی کو میری مریدنی بنانے میں میری مدد کرو۔"

چندریکا نے سرد آہ بھری اور کہا۔

"تم جو مقصد لے کر بھارت ورش میں آئے ہو وہ تم جانو اور تمہارا کام۔ مجھے اس میں داخل دینے کی اجازت نہیں ہے۔ میں اس میں دخل دینا بھی نہیں

چاہتی۔ تمہاری جان کی حفاظت کی ضرور ذمے دار ہوں اور وہ ذمے داری میں اس وقت تک نبھاتی رہوں گی جب تک تم بھارت کے ملک میں ہو۔"

وہ بولتے بولتے رک گئی۔ میں نے بھی اس کی بات نہ کاٹی۔ ایک پل خاموش رہنے کے بعد چندریکا نے کہا۔

"ہاں ایک بات میں تمہاری خاطر' اپنے پتی دیو کی خاطر ضرور کر سکتی ہوں۔

میں نے جلدی سے پوچھا۔

"وہ کیا بات ہے؟ جلدی بتاؤ"

چندریکا بولی۔

"اگر تم اپنی کلائی پر بندھے ہوئے منگل سوتر پر ہاتھ رکھ کر میری طرف دیکھتے ہوئے صرف ایک بار یہ کہہ دو کہ چندریکا! تم میری پتنی ہو۔ میں تمہارا پتی ہوں۔ اس جنم میں ہم جدا ہو گئے ہیں۔ اگلے جنم میں ہم پھر مل جائیں گے۔ تو میں تمہیں گوکل داس پانڈے کی اکلوتی بیٹی میناکشی کے بارے میں ایسی راز کی باتیں بتاؤں گی کہ جب تم ان کا ذکر اس کے آگے کرو گے تو وہ تمہاری دیوانی ہو جائے گی۔ تمہاری مریدنی ہو جائے گی۔ پھر تم اسے جو کہو گے وہ وہی کرے گی۔"

پہلے میں نے سوچا کہ مجھے اس قسم کے جملے ادا نہیں کرنے چاہئیں۔ کیا معلوم ان میں کوئی خاص طلسمی منتر ہو اور اس کا مجھ پر اثر ہو جائے اور مجھے بہت گناہ ہو۔ پھر خیال آیا کہ اس قسم کی باتوں سے کیا ہوتا ہے۔ یہ سب ہندوؤں کے بت پرستوں والے توہمات ہیں۔ مسلمان تو بت شکن ہے بت پرست نہیں ہے۔ اور پھر محض یہ دو تین جملے ادا کرنے سے میرے سیکرٹ مشن کی کامیابی کے امکانات روشن ہو جائیں گے۔ میں نے چندریکا سے کہا۔

"ٹھیک ہے میں یہ جملے دہرانے کو تیار ہوں"

پھیکی چاندنی میں میں نے پہلی بار چندریکا کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ دیکھی جیسے اس

کے دل کی کلی کھل اٹھی ہو۔ اس نے بے اختیار ہو کر کہا۔

"میرے پتی دیو! اب زیادہ دیر مجھے نہ تڑپاؤ جو کچھ میں نے تمہیں کہا ہے۔ وہ اپنی میٹھی آواز میں بول کر میرے جنم جنم کے پیاسے کانوں میں امرت رس گھول دو"

میرا کیا جاتا تھا۔ میں نے اسی وقت اپنا ہاتھ بائیں کلائی پر بندھے ہوئے منگل سوتر پر رکھا اور چندریکا کے چہرے کی طرف تکتے ہوئے ذرا سا مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"چندریکا! تم میری پتنی ہو۔ میں تمہارا پتی دیو ہوں۔ اس جنم میں ہم جدا ہو گئے ہیں۔ اگلے جنم میں ہم پھر آن ملیں گے"

چندریکا تو خوشی سے جھوم گئی۔ کہنے لگی۔

"میں جانتی ہوں تم نے دل سے یہ بات نہیں کہی۔ مجھ سے اپنا مطلب نکالنا ہے لیکن اپنا مطلب نکالنے کے لئے بھی تم نے مجھے اپنے ہونٹوں سے امرت رس پلایا ہے۔ میں تمہاری دھنوادی ہوں۔ اس لئے کہ خاوند اگر جھوٹ موٹ بھی اپنی بیوی کی تعریف کرے تو بیوی کو خوشی ضرور ہوتی ہے۔ میں بھی تم سے خوش ہو گئی ہوں۔"

میں نے کہا۔

تو پھر اب تم بھی اپنا وعدہ پورا کرو اور مجھے میناکشی کے متعلق وہ راز کی باتیں بتاؤ جو سوائے میناکشی کے دوسرا کوئی نہیں جانتا"

چندریکا کہنے لگی۔

"پہلی راز کی بات تو میں تمہیں یہ بتاتی ہوں کہ میناکشی ہر روز صبح نہانے کے بعد نیا رنگدار جانگیہ پہنتی ہے۔ جس روز تم اسے ملو گے اس نے سرخ رنگ کا جانگیہ پہنا ہو گا۔ دوسری راز کی بات یہ ہے کہ اس کی ناف کے نیچے پچھلے ایک ہفتے سے اچانک ایک پھوڑے یا پھنسی کا ابھار سا پیدا ہو گیا ہوا ہے۔

جس کے بارے میں اس نے شرم کے مارے ابھی تک اپنی خاص لیڈی ڈاکٹر کو بھی کچھ نہیں بتایا۔ اور وہ ابھی کسی کو اس کے بارے میں کچھ بتائے گی بھی نہیں۔ تیسری راز کی بات یہ ہے کہ میناکشی نے اپنی ایک خفیہ ڈائری بنا رکھی ہے جس کا نام اس نے پریم گرنتھ رکھا ہوا ہے۔ اپنی اس خفیہ ڈائری میں وہ اپنی دل کی باتیں صاف صاف لکھ دیتی ہے۔ اس ڈائری میں اس نے اپنے ایک چاہنے والے چندرکانت کے بارے میں آج صبح ہی لکھا تھا کہ یہ شخص مجھے لنکا کا راون لگتا ہے۔ مجھے اس سے نفرت ہے مگر میں اس کے ساتھ پریم کا ڈرامہ رچا کر اسے بے وقوف بنا رہی ہوں۔ چوتھی خاص بات یہ ہے کہ جس روز تم میناکشی سے ملنے جاؤ گے اس سے ایک رات پہلے میں اس کے خواب میں دیوی درگاہ ماتا کے روپ میں آؤں گی اور اسے کہوں گی کہ میناکشی اگلے جنم میں تیرا جنم لومڑی کے روپ میں ہو گا۔ بس تمہارے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ یہ اشارے بتاؤ گے تو میناکشی تمہاری گرویدہ ہو جائے گی۔ آگے اس سے کام لینا تمہارا کام ہے"

میرے لئے اتنے اشارے ہی کافی تھے۔ چندریکا نے RAW را کے چیف جی ڈی پانڈے تک پہنچنے بلکہ اس کا اعتماد حاصل کرنے کے واسطے میرا راستہ آسان کر دیا تھا اور میری کامیابی کا پہلا دروازہ کھول دیا تھا۔ میں نے چندریکا کا شکریہ ادا کیا تو وہ بولی۔

"اس کے عوض میں تم سے سوائے اس کے اور کچھ نہیں چاہوں گی کہ ہمیشہ مجھے اپنی پتنی یعنی بیوی سمجھنا اور اگر کبھی میں تم سے کسی خواہش کا اظہار کروں تو انکار مت کرنا انکار کرو گے تو مجھ سے تم نے جو جو فائدے حاصل کئے ہوں گے وہ نقصان میں بدل جائیں گے۔"

میری کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ میرے نقصان سے اس کی کیا مراد ہے۔ مگر اس وقت مجھے ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر غور کرنے کی نہ ضرورت تھی اور نہ میں غور کرنا ہی چاہتا تھا۔ میں نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں چندریکا میں ہمیشہ تمہیں اپنی پتنی یعنی بیوی ہی سمجھوں گا۔ میں احسان فراموش نہیں ہوں۔ تم میرے لئے اتنا کچھ کر رہی ہو تو میں بھی ہمیشہ تمہاری خواہش کا خیال رکھوں گا"

میں نے سوچا آخر اس ہوائی مخلوق کو جس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے اپنی بیوی کہ دینے اور سمجھ لینے میں کیا حرج ہے۔ اتنی دیر میں آسمان پر صبح کا ہلکا ہلکا نور پھیلنے لگا۔ وہاں کھڑے کافی دیر سے باتیں کر رہے تھے۔ چاند کو غروب ہوئے بھی کافی دیر ہو گئی تھی۔ میں نے کہا۔

"اچھا چندریکا اب میں جاتا ہوں"

چندریکا دو تین قدم چل کر میرے قریب آگئی وہ ہلکی ہلکی خوشبو جو پہلے مجھے اس کے جسم سے دور سے آ رہی تھی اب قریب سے آنے لگی۔ یہ قدیم مندروں میں لگنے والے لوبان کی خوشبو تھی۔ جو میرے اعصاب کو بوجھل کر رہی تھی۔ وہ میرے اتنا قریب آگئی کہ مجھے اس کے سانس لینے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے جذباتی لہجے میں کہا۔

"سوامی! میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں تھام لو"

میں نے سوچا کہ یہ تو ہوائی جسم والی ہے۔ اس کا کوئی مادی جسم نہیں ہے۔ چلو اس کی خواہش پوری کر دیتے ہیں۔ میں نے اپنا ہاتھ آگے کر دیا۔ اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ میں اپنی جگہ پر ٹھٹھک کر رہ گیا۔ میرے بدن میں بجلی سی دوڑ گئی۔

چندریکا جسم موجود تھا۔ اس کے ہاتھوں میں اس کے بدن کی گرمی اور خون کی حرارت دوڑ رہی تھی۔ میرے خدا کیا یہ عورت زندہ ہو گئی ہے؟ میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ چندریکا نے اسی طرح سانس لیا جیسے وہ لذت و سرور کے انتہائی مقام پر پہنچ چکی ہو۔ اس کے ہونٹوں سے نیم مدہوشی کے عالم میں یہ الفاظ نکلے۔

"آہ! میرے پتی دیو! ایک ہزار برس کے بعد تمہارے جسم کی لذت نصیب ہوئی ہے"

میں نے ڈر کے مارے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچنا چاہا تو چندریکا میرے ساتھ لگ گئی۔ اس کی زعفرانی ساڑھی میں سے خوشبوؤں کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ اس کا جسم تپ رہا تھا۔ جیسے اسے بخار ہو گیا ہو۔ اس کے بدن کی حرارت میرے بدن میں داخل ہو رہی تھی اور مجھے اپنا جسم گرم ہو کر انگارہ بنتا محسوس ہونے لگا تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے اپنا آپ چندریکا سے الگ کر لیا۔ وہ بازو کھولے میرے سامنے کھڑی حسرت و یاس سے مجھے تک رہی تھی۔ سرد آہ بھر کر بولی۔

"میرے پتی دیو! بہت جلد ہم دونوں کا ملاپ ہو گا۔ اب میں جاتی ہوں"

اور وہ دونوں ہاتھوں سے مجھے پرنام کر کے واپس مڑی اور آہستہ آہستہ چلتی درختوں کے نیچے رات کے پچھلے پہر کے اندھیرے میں غائب ہو گئی۔

را کے چیف جی ڈی پانڈے پر اپنا اثر رسوخ جمانے اور اس کے بھرپور اعتماد کو حاصل کرنے کے لئے اس کی اکلوتی بیٹی میناکشی کے ذریعے مجھے جو کرشمہ یا شعبدہ دکھانا تھا اس کی طاقت مجھے چندریکا کے ذریعے حاصل ہو گئی تھی۔ کریم بھائی نے رات کو جاتے وقت کہا تھا کہ میں کل رات آؤں گا۔ تم اس نقطے پر غور کر رکھو کہ میناکشی پر کس طریقے سے اپنا اثر جما سکتے ہو۔ کریم بھائی بھی یہی چاہتا تھا کہ میں میناکشی کے ذریعے اس کے باپ اور را RAW کے کشمیر پاکستان افیئرز کے چیف مسٹر جی ڈی پانڈے تک رسائی حاصل کروں۔ کیونکہ پانڈے کو اپنی اکلوتی بیٹی سے بہت محبت تھی۔

چونکہ اب میناکشی کو اپنے قبضے میں کرنے والا منتر میرے ہاتھ آ چکا تھا تو مزید ایک دن انتظار کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں نے فیصلہ کر لیا کہ دن نکلنے کے بعد کریم بھائی کو اس کے خفیہ نمبر پر فون کر کے اسے یہاں بلاتا ہوں اور کہتا ہوں کہ میں نے میناکشی تک رسائی حاصل کرنے کا ایک طریقہ سوچ لیا ہے۔ اچانک خیال آیا کہ چندریکا نے مجھے اپنے بارے میں کسی کو کچھ بتانے سے سختی سے منع کیا ہوا ہے۔ اس نے شروع ہی میں مجھے خبردار کر دیا تھا کہ اگر میں نے اس کے بارے میں کسی کو کچھ بتایا تو میرے سارے فائدے نقصان میں بدل جائیں گے۔ وہ اپنی اور میری ملاقاتوں کو راز میں رکھنا چاہتی تھی۔ میں نے بھی سوچا کہ مجھے کسی کو چندریکا کے بارے میں کچھ بتا کر خواہ مخواہ اپنا نقصان کرنے کی کیا

ضرورت ہے۔ مجھے تو آم کھانے سے غرض ہے۔ اور آم لا کر چندریکا نے میری جھولی میں ڈال دیئے تھے۔

میں نے کریم بھائی کو صبح ٹیلی فون کر کے بلانے کا خیال دل سے نکال دیا۔ وہ سارا دن میں نے بڑی بے چینی سے گذارا۔ رات ہوئی تو کریم بھائی آگیا۔ اس نے آتے ہی مجھ سے پوچھا کہ میں نے میناکشی پر اثر رسوخ جمانے کا کوئی طریقہ سوچا ہے کیا؟ میں نے یونہی مگر بڑے اعتماد کے ساتھ کہا۔

"کریم بھائی! ایک طریقہ میں نے سوچ لیا ہے۔ طریقہ یہی ہے کہ میں جین دھرم کا سوامی بن کر اس کے پاس کلب میں یا جہاں وہ شام کے وقت اپنی سہیلیوں یا دوستوں کے ساتھ بیٹھتی ہے جا کر اسے ملوں گا اور اپنی باتوں سے اس کے دل کو اپنے قبضے میں کر لوں گا"

کریم بھائی مسکرانے لگا۔

"تم کمانڈو ہو۔ کوئی جادوگر یا نقلی کرامتیں دکھانے والے سادھو جوگی نہیں ہو۔ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔ میناکشی ماڈرن ہندوستان کی اونچی سوسائٹی کی پڑھی لکھی ماڈرن لڑکی ہے۔ اس نے ہر گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ وہ امریکہ میں بھی چار سال گذار چکی ہے۔ وہ اتنی آسانی سے تمہاری باتوں سے متاثر نہیں ہو گی"

لیکن جو مجھے معلوم تھا وہ کریم بھائی کو معلوم نہیں تھا۔ جو منتر مجھے چندریکا سکھا گئی تھی۔ میناکشی کے جو راز مجھے چندریکا بتا گئی تھی ان کی بھی کریم بھائی کو کوئی خبر نہیں تھی۔ اگر میں اسے چندریکا کی باتیں بتا دیتا تو کریم بھائی کہتا کہ ابھی جا کر میناکشی سے ملاقات کرو۔ مگر میں مجبور تھا کریم بھائی کو چندریکا کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا تھا۔

میں نے کہا۔

"کریم بھائی! میں نے ہندو دھرم کے تمام فرقوں کا گہرا مطالعہ کیا ہے۔ میں نے ہندو دھرم کے بارے میں بہت علم حاصل کیا ہوا ہے۔ مجھے چاروں ویدوں اور

اپنشدوں اور سوتروں کا بھی علم ہے۔

اور جین دھرم کے بارے میں تو میں نے گہرا مطالعہ کیا ہوا ہے۔ تم بے فکر رہو۔ میں انشاء اللہ اس مشن میں ناکام نہیں ہوں گا۔ میری یہ پہلی کمانڈو مہم کامیابیوں سے ہمکنار ہوگی۔

کریم بھائی مجھے اس قدر پر اعتماد دیکھ کر حیران سا ضرور ہوا۔ مگر یہ بات تو اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی تھی کہ میرے ہاتھ ایک ایسا خفیہ منتر آگیا ہے کہ جس کے پھونکنے سے میرے انتہائی اہم کمانڈو مشن کا پہلا دروازہ کھل جائے گا۔ کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ اگر تم تیار ہو تو میں بھی تیار ہوں۔ میناکشی کے بارے میں' میں نے اپنے ذرائع سے سب کچھ معلوم کر لیا ہے کہ اس کی مصروفیات کیا کیا ہیں۔ جیسا کہ میں نے تمہیں پہلے بتایا تھا میناکشی کو ڈانس اور میوزک کا بڑا شوق ہے۔ وہ شام کے وقت احمد آباد کے مشہور اور اونچی سوسائٹی کے ڈانس سنٹر سارا بائی ڈانس سنٹر میں کلاسیکل ڈانس کی تعلیم حاصل کرنے جاتی ہے۔ یہ کوئی ڈانس کا صرف سکول نہیں ہے بلکہ اونچی سوسائٹی کی عورتوں اور احمد آباد کے امیر گجراتی سیٹھوں اور سرکاری افسروں کے نوجوان لڑکوں کا ایک طرح سے کلب بھی ہے۔ یہ ڈانس سنٹر سارا بائی مرحوم کی بیٹی رینا لینی چلاتی ہے۔ یہ ڈانس سنٹر احمد آباد کے بادشاہ سلطان احمد شاہ گجراتی کی مشہور تاریخی مسجد کے قریب ہی واقع ہے۔ تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ احمد آباد کا شہر سلطان احمد شاہ گجراتی نے آباد کیا تھا۔ میں چاہوں گا کہ تم صبح سے یہاں نکل کر سیدھے احمد آباد میں سیاحوں کے مشہور ہوٹل ٹرائیڈنٹ ہوٹل میں جا کر اپنے لئے کمرہ لے لو۔ وہاں تم یہی ظاہر کرو گے کہ تم دلی سے جین مندروں اور گاندھی جی کے آشرم کی یاترا کرنے احمد آباد آئے ہو۔ یہ ایک فائیو سٹار ہوٹل ہے مگر تمہارے مشن کا تقاضا ہے کہ تم اسی ہوٹل میں جا کر قیام کرو۔ خواہ دو دن ہی قیام کرو۔ اس کے لئے میں تمہیں کچھ رقم اپنی مسلم کمیٹی کے فنڈ میں سے نکال

کر دے دوں گا۔"

مجھے چونکہ اپنے مشن کی کامیابی پر پورا بھروسہ تھا اس لئے میں نے کریم بھائی سے کہا۔

"کریم بھائی! تم مجھے صرف ایک دن ایک رات کا ہوٹل کا خرچہ دے دینا۔ اس کے بعد سارا انتظام میں خود کر لوں گا۔"

وہ گہرے غور و فکر کے انداز میں آہستہ آہستہ سر ہلاتا رہا۔ پھر بولا۔

"میرا خیال ہے تم اپنا لباس یہی سفید کرتہ پاجامہ اور نہرو جیکٹ ہی رکھنا۔ تم نے میناکشی کو اپنے لباس سے نہیں بلکہ اپنی باتوں اور اپنی جین دھرم کے عالموں والی گفتگو سے متاثر کرنا ہے۔"

"ہاں یہ کپڑے ہی ٹھیک رہیں گے"

"نہیں نہیں۔ میں ایسا ہی ایک نیا جوڑا صبح اپنے ساتھ لیتا آؤں گا"

کچھ دیر باتیں کرنے کے بعد کریم بھائی اگلے روز آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ میں کچھ دیر میناکشی سے ملاقات اور اس کے ساتھ اپنی اہم ترین تاریخی ملاقات کے بارے میں سوچتا رہا۔ پھر سو گیا۔

دوسرے روز کریم بھائی دن کے دس گیارہ بجے کے قریب آگیا۔ اس کے ہاتھ میں شاید بیگ تھا جس میں میرے لئے سفید کھدر کا پاجامہ کرتا اور نئی بادامی رنگ کی واسکٹ تھی۔ میں نہا دھو کر تیار ہو چکا تھا۔ فوراً نیا جوڑا پہن لیا۔ کریم بھائی اپنے ساتھ میناکشی کی ایک پاسپورٹ سائز کی تصویر بھی لایا تھا۔ اس نے مجھے تصویر دکھائی اور کہا۔

"یہ میناکشی کی ایک ماہ پہلے کی اتری ہوئی تصویر ہے۔ مجھے یقین ہے تم سارا بائی ڈانس سنٹر میں اب اسے پہچان لو گے"

پھر اس نے ایک لفافہ مجھے تھماتے ہوئے کہا۔

"اس میں دو ہزار روپے کے نوٹ ہیں۔ ٹرائیڈنٹ ہوٹل کا چوبیس گھنٹے سنگل بیڈ روم کا کرایہ آٹھ نو سو روپے کے قریب ہے۔ باقی روپے تم اپنے پاس

رکھنا۔ تمہارے کام آئیں گے اگر مزید روپوں کی ضرورت پڑے تو مجھے میرے
خفیہ ٹیلی فون نمبر پر ٹیلی فون کر دینا تمہیں روپے پہنچ جائیں گے۔"
میں نے کہا۔

"کریم بھائی! اس کی نوبت نہیں آئے گی۔ تم بے فکر رہو"

کریم بھائی نے حیران سا ہو کر میری طرف دیکھا اور پوچھا۔

"کیا بات ہے۔ تمہارے ہاتھ کوئی خفیہ خزانہ تو نہیں آگیا؟"

میں نے ہنس کر کہا

"کریم بھائی! میرا خفیہ خزانہ تو میرا اپنے اللہ پاک اور اس رسول پاکؐ پر میرا ایمان ہے۔ میری یہ مہم اسلام اور پاکستان کی مہم ہے۔ میں اگر اپنے مشن میں ثابت قدم رہا تو اللہ پاک اپنے حبیب کے صدقے میری ضرور مدد کرے گا"

کریم بھائی بڑا خوش ہوا۔ کہنے لگا۔

"ماشاء اللہ! پاکستان کے ہر نوجوان کا یہی عقیدہ اور یہی عزم ہونا چاہئے۔ ہمارے لئے پاکستان اسلام کا قلعہ ہے۔ اس قلعے کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنا کر قائم رکھنے میں ہی ہم ہندوستان کے مسلمانوں کی بھی بقا ہے۔ اب اللہ کا نام لے کر اٹھو۔ میں تمہیں ٹرائیڈنٹ ہوٹل کے قریب اتار دوں گا"

کریم بھائی کی پرانی موریس گاڑی کوارٹر کے عقب میں درختوں کے نیچے کھڑی تھی۔ ہم گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی شہر کی طرف چل پڑی۔ آسمان پر بادل بھی تھے اور کبھی کبھی دھوپ بھی نکل آتی تھی۔ فضا میں حبس تھا۔ گاڑی شہر کے مضافات میں سے نکل کر شہر کی گنجان آبادی والے علاقے میں آگئی۔ یہاں کافی ٹریفک تھی۔ دکانیں کھلی تھیں زیادہ تر کپڑوں کی دکانیں تھیں۔ احمد آباد میں کپڑا بنانے کے بے شمار کارخانے تھے۔ یہ شہر شروع ہی سے پارچہ سازی کی صنعت کا بہت بڑا مرکز رہا تھا۔ احمد آباد ماڈرن شہر بھی تھا اور پرانا شہر بھی تھا۔ اس کے بازاروں میں ماڈرن اور قدیم دونوں زمانوں کا امتزاج تھا۔ ایک طرف اگر بجلی کی لوکل ٹرینیں چلتی تھیں اور دوسری طرف بازاروں میں بیل گاڑیاں بھی

چلتی تھیں۔ اگر شہر کے فیشن ایبل علاقے میں ہائی رائز بلڈنگیں تھیں تو شہر کے اندر نیم روشن گلی کوچوں میں پرانے مکان اور پرانے جین مندر بھی تھے۔ مگر اس شہر کی اسلامی عہد میں تعمیر شدہ تاریخی عمارتیں اور مسجدیں سیاحوں کو سب سے زیادہ اپنی طرف کھینچتی تھیں۔ ان میں قطب شاہی کے عہد کی مشہور تالاب اور ستونوں والی مسجد تھی۔ شہر کے مرکز میں کنکر کنکریاں نام کی مشہور جھیل اور پارک واقع تھی جسے سلطان قطب الدین نے اپنے عہد میں بنوایا تھا۔ مغل عہد حکومت میں اس جھیل کے گرداگرد ایک جنگل ہوتا تھا جہاں شہنشاہ جہانگیر شکار کھیلنے آتا تھا۔ کنکر کنکریاں جھیل کو اب بڑا ماڈرن کر لیا گیا ہے اور اس میں پیڈل سے چلنے والی کشتیاں چلتی ہیں۔ جھیل کے اردگرد سنگ مرمر کی بارہ دریاں ابھی تک اپنی شان وشکوہ کے ساتھ موجود ہیں اور اسلامی عہد کے جاہ وجلال کی نمائندگی کرتی ہیں۔ یہاں شاہی مہمانوں کے نہانے کے لئے ان بارہ دریوں کے نیچے باؤلی کی شکل میں ایک شاہی حمام بھی بنا ہوا ہے جس کے اب صرف آثار ہی باقی رہ گئے ہیں۔ جھیل کی ایک جانب ہمارے لاہور کے شالامار باغ کی طرز کا ایک باغ بھی ہے۔ انڈیا کے اس تاریخی شہر احمد آباد میں رہنے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ اس شہر کے کلچر پر اسلامی کلچر کی گہری چھاپ لگی ہوئی ہے۔ گجراتی زبان میں فارسی اور عربی کے بے شمار الفاظ بولے جاتے ہیں اور یہاں مسلمان بادشاہوں کے زمانے کی کئی تاریخی عمارتیں اور مساجد موجود ہیں کریم بھائی کی موریس گاڑی اب شہر کے گنجان علاقے سے نکل کر شہر کے فیشن ایبل علاقے میں داخل ہو چکی تھی۔ گجراتی عورتیں ساڑھیوں کے علاوہ شلوار قمیض میں بھی ملبوس تھیں۔ نوجوان لڑکیوں نے پتلون قمیض بھی پہن رکھی تھی۔ کئی لڑکیاں سکوٹر چلاتی بھی نظر آئیں۔ ہماری گاڑی ایک کشادہ سڑک پر سے گذر رہی تھی۔ جس کی ایک جانب کوٹھیاں اور بنگلے تھے اور دوسری جانب اونچی بلڈنگیں کھڑی تھیں۔ پھر ایک پارک آگیا۔ کریم بھائی نے اس پارک کے پیچھے آکر گاڑی ایک طرف کھڑی کر دی۔

"ٹرائیڈنٹ ہوٹل اس پارک کے جنوبی گیٹ کے بالکل سامنے ہے۔ اب تم وہاں جاؤ گے اور اپنے مشن کا آغاز کرو گے۔ سارا بائی ڈانس سنٹر کا حدود اربعہ

اور ایڈریس میں نے تمہیں بتا دیا ہے۔ وہاں تم شام ہونے کے بعد جاؤ گے اور یہ ظاہر کرو گے کہ تم اپنی کسی رشتے دار لڑکی کو وہاں ڈانس کی تعلیم دلوانا چاہتے ہو۔ میناکشی وہاں شام کو ضرور آتی ہے۔ اسے تم پہچان لو گے اس کے بعد تمہاری ذہانت اور چرب زبانی کا امتحان شروع ہو گا۔ خدا حافظ!"

میں گاڑی سے نکل کر خاموشی سے پارک کے جنوبی گیٹ کی طرف چل پڑا۔ کریم بھائی گاڑی موڑ کر وہیں سے واپس چلا گیا دن کے گیارہ ساڑھے گیارہ بجے کا وقت ہو گا۔ پارک میں بچے فٹ بال وغیرہ کھیل رہے تھے۔ میں پارک کے جنگلے والی دیوار کے ساتھ ساتھ فٹ پاتھ پر چلا جا رہا تھا۔ میرے بائیں ہاتھ کی کلائی پر جین دھرم کا منگل سوتر بندھا تھا۔ ماتھے پر جین دھرم کا سفید تلک لگا تھا۔ لباس سفید کھدر پاجامے کا تھا۔ پاؤں میں کولھا پوری چپل تھی۔ میں بالکل جینی ہندو لگ رہا تھا۔ جنوبی گیٹ پر آ کر میں نے سامنے نگاہ ڈالی۔ کشادہ سڑک کی دوسری جانب ایک تین منزلہ فائیو سٹار ہوٹل کی ماڈرن بلڈنگ کھڑی تھی۔ میں سڑک کراس کر کے ہوٹل کے گیٹ میں سے گذرتا ہوا اس کی لابی میں آ گیا۔ باہر کچھ گاڑیاں اور ایک ٹورسٹ بس کھڑی تھی۔ لابی کا دروازہ شیشے کا تھا۔ اندر کی فضا کولنگ کی وجہ سے ہلکی ہلکی خنک تھی۔ فضا میں رجنی گندھا کے پھولوں کی دھیمی دھیمی مہک رچی ہوئی تھی۔ ان پھولوں کے بڑے بڑے گلدستے لابی کے کونوں میں کرسٹل کی میزوں پر سجے ہوئے تھے۔ کاؤنٹر پر ایک لڑکی فون سن رہی تھی۔ میں اس کے پاس آ گیا۔ لڑکی نوجوان تھی۔ بالوں کے جوڑے میں موتیے کے سفید پھول سج رہے تھے۔ اس نے سبز کناروں والی زرد رنگ کی ریشمی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ یہ دونوں رنگ گجرات کاٹھیاواڑ کے خاص رنگ ہیں۔ لڑکی نے فوراً ٹیلی فون رکھ دیا اور میری طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے انگریزی میں کہا۔ "میں کیا خدمت کر سکتی ہوں؟"

میں نے اسے بتایا کہ میں دلی سے احمد آباد کے تاریخی مندروں کی یاترا کو آیا ہوں میرا نام داس وردھن ہے۔ میں دو تین دن ہوٹل میں قیام کروں گا۔ لڑکی نے بڑی خوش اخلاقی کے ساتھ ایک کارڈ میرے آگے رکھ دیا۔

"پلیز اس پر اپنا نام اور دلی کا ایڈریس لکھ دیں"

میں نے کارڈ پر اپنا نام داس وردھن اور دلی کا ایک جعلی ایڈریس لکھ دیا۔ اس نے اپنے رجسٹر پر بھی میرے نام کا اندراج کیا۔ اور آٹھ سو روپے کی ادائیگی کے لئے کہا۔ میں نے اسی وقت ادائیگی کر دی۔ لڑکی نے ایک ہوٹل بوائے کو اشارہ کیا اور چابی اس کو دے کر کہا۔

"صاحب کو اوپر ان کے کمرے میں پہنچا دو"

لڑکے نے مجھ سے میرے سامان کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے کہا۔ "میں ٹورسٹ ہوں۔ انڈین ٹورسٹ میرے پاس کوئی سامان نہیں۔"

لڑکی مسکرا دی۔ میں ہوٹل بوائے کے ساتھ لفٹ میں سوار ہو کر ہوٹل کی دوسری منزل پر آ گیا۔ میرا کمرہ دوسری منزل پر تھا۔ سنگل بیڈ روم والا کمرہ تھا مختصر مگر خوبصورت فرنیچر سجا تھا۔ ٹیلی فون بھی لگا تھا۔ میں نے ہوٹل بوائے کو پانچ روپے ٹپ دیئے اور کہا۔

"ابھی میں سوامی نارائن جی کے مندر جا رہا ہوں ایک گھنٹے بعد آ کر بھوجن کروں گا۔ میں جینی ہوں۔ صرف دہی اور سبزی کھاؤں گا۔"

ہوٹل بوائے نے کہا۔ "اوکے سر"

میں نے اس کے جانے کے بعد کمرے کا جائزہ لیا۔ کھڑکی کا پردہ ہٹا کر باہر دیکھا۔ یہاں سے سڑک اور پارک کا منظر صاف نظر آ رہا تھا۔ باتھ روم میں جا کر صابن سے ہاتھ صاف کئے اور کمرے کو تالا لگا کر نیچے لابی میں آیا۔ چابی کاؤنٹر پر دی اور باہر آ کر ٹیکسی لی اور اسے لال بازار چلنے کو کہا۔ لال بازار احمد آباد شہر کا کاروباری سنٹر ہے اور ہمارے لاہور کے انارکلی بازار کی طرح ہے۔ یہاں آ کر میں نے ایک بریف کیس اور کچھ دوسرا ضروری سامان خریدا اور واپس ہوٹل میں آ گیا۔ دوپہر کو بادل نخواستہ سبزی خوروں والا کھانا کھایا اور پھر تھوڑی دیر کے لئے سو گیا۔ جب اٹھا تو دن کی روشنی ماند پڑ چکی تھی اور شام کی آمد آمد تھی۔ میں نے غسل کیا۔ ماتھے پر چھوٹی ڈبی کھول کر جینی تلک لگایا۔ بریف کیس میں سے نیا سفید رومال اور نئی خریدی ہوئی چھوٹی ڈائری نکال کر واسکٹ کی جیب میں رکھی۔ دوسری جیب

میں سو سو روپے کے دو نوٹ ڈالے اور ہوٹل کی لابی سے نکل کر ٹیکسی سٹینڈ پر آ گیا۔

اب میں سارا بائی ڈانس سنٹر جانے کے لئے بالکل تیار تھا۔ میں نے ٹیکسی لی اور اسے سارا بائی ڈانس سنٹر چلنے کو کہا۔ ٹیکسی سڑک پر ایک طرف روانہ ہو گئی۔ شام کا سرمئی دھندلکا سڑک کے درختوں کو اپنی لپیٹ میں لے رہا تھا۔ سڑک کی بتیاں روشن ہو گئی تھیں۔ سارا بائی ڈانس سنٹر پہنچتے پہنچتے شام گہری ہو چکی تھی۔ سارا بائی ڈانس سنٹر سڑک سے ہٹ کر ایک دو منزلہ خوبصورت کوٹھی میں قائم تھا۔ گیٹ پر گجراتی اور انگریزی زبان میں سنٹر کے نام کا بورڈ لگا تھا۔ گیٹ کے پاس سٹول پر ایک گورکھا چوکیدار بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ ریتا لینی دیوی اندر ہی ہیں۔ گورکھے نے کہا۔ جی ہاں"

میں کوٹھی کے برآمدے کی طرف بڑھا جہاں خوب روشنیاں ہو رہی تھیں۔ کوٹھی کے باغیچے میں بھی روشنی تھی۔ درمیان میں شیو دیوتا کی مورتی لگی تھی جس میں اسے ڈانس کرتے دکھایا گیا تھا۔ دو گاڑیاں برآمدے کی ایک جانب کھڑی تھیں۔ برآمدے میں چھوٹے سے خوبصورت کاؤنٹر کے پیچھے ایک گجراتی لڑکی بیٹھی تھی۔ اس کے قریب گلدان میں رجنی گندھا کے پھول سج رہے تھے۔ میں نے قریب جا کر کہا۔

"میرا نام داس وردھن ہے۔ مجھے دیوی ریتا لینی جی سے ملنا ہے۔"

میں نے یہ جملے انگریزی زبان میں ادا کئے تھے۔ لڑکی نے بھی بڑی سادہ مگر خوبصورت انگریزی میں مجھ سے پوچھا کہ میں ریتا لینی دیوی سے کس لئے ملنا چاہتا ہوں میں نے کہا۔

"میں اپنی بھانجی کو یہاں ڈانس سکھانا چاہتا ہوں۔ میں دلی سے آیا ہوں"

لڑکی نے کہا۔

"اندر ویٹنگ روم میں تشریف رکھیں۔ میں دیوی ریتا لینی کو آپ کے بارے میں اطلاع کرتی ہوں"

میں ڈرائنگ روم میں آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہاں پہلے سے دو عورتیں اور ا[یک]

ادھیڑ عمر مرد بیٹھا تھا۔ ڈرائنگ روم کی دیواروں پر انڈیا کے مشہور ڈانسروں کی پینٹ کی ہوئی تصویریں لگی تھیں۔ کارنس کے اوپر دونو جانب شیو دیوتا کے ڈانس کے پوز والے کانسی کے مجسمے رکھے ہوئے تھے۔ کارنس کے اوپر کسی خوبصورت مگر ذرا زیادہ عمر کی عورت کی آئل میں پینٹ کی ہوئی تصویر لگی تھی۔ اس عورت کے جوڑے میں بھی موتیے کے پھول سجے ہوئے تھے۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ ناک ستواں تھا اور وہ تھوڑا سا مسکرا رہی تھی۔ تصویر کے نیچے انگریزی میں کچھ لکھا تھا جو دور سے میں پڑھ نہیں سکتا تھا۔ یہ اس ڈانس سنٹر کی مالکہ ریتا لینی دیوی کی ہی تصویر ہو سکتی تھی۔ ایک دبلی پتلی مگر خوش شکل لڑکی ڈرائنگ روم کے اندر کی جانب کھلنے والے دروازے کا پردہ ہٹا کر آئی۔ اس نے میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھی ہوئی خواتین اور ان کے مرد کو اشارے سے بلایا۔ تینوں اندر چلے گئے اور اسے کچھ دیر کے بعد طبلے کی تھاپ اور ہارمونیم کی آواز آنے لگی۔ پھر گھنگھروؤں کی ہلکی ہلکی جھنکار بھی سنائی دینے لگی۔ ایک آدھ منٹ کے بعد یہ آوازیں رک گئیں۔ میں صوفے پر بڑے سکون سے بیٹھا رہا۔ دروازے کا پردہ ہٹا۔ دونوں عورتیں اور مرد اندر سے نکلے اور گجراتی میں آپس میں باتیں کرتے ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئے۔ اس کے ساتھ ہی وہی لڑکی ایک بار پھر آئی۔ اس نے انگریزی میں مجھ سے پوچھا کہ کیا داس وردھن میرا ہی نام ہے؟ میں نے صوفے پر سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ میں ہی داس وردھنا یا داس وردھن ہوں" لڑکی نے کہا۔

"پلیز فالو می"

وہ مجھے ایک نیم روشن راہ داری میں سے گذار کر ایک بڑے کشادہ اور روشن روشن کمرے میں لے گئی جہاں قالین بچھے تھے۔ ایک طرف تخت پر گاؤ تکیے لگے تھے۔ تانپورے اور طبلوں کی جوڑیاں بھی موجود تھیں۔ ایک بوڑھا آدمی ہارمونیم بجا رہا تھا اور ایک لڑکی رقص کرنے کے بعد گھنگھرو اتار رہی تھی۔ بڑے قیمتی صوفے تھے۔ دیواروں پر پردے لٹک رہے تھے۔ جابجا کرشن اور گوپیوں اور شوپاروتی کی رقص کے انداز کی تصویریں لگی تھیں۔ کونوں میں بھی شیو دیوتا کے کانسی کے مجسمے کھڑے تھے۔ لڑکی نے ایک

صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ بیٹھیں۔ دیوی جی ابھی آتی ہیں"

جو لڑکی گھنگھرو اتار رہی تھی اس نے گھنگھروؤں کو اتار کر چوما۔ ماتھے سے لگایا۔ ا
ہارمونیم بجانے والے بوڑھے کے حوالے کر کے بوڑھے کے گھٹنوں کو ہاتھ لگا کر ا
کانوں کو ہاتھ لگایا اور ہاتھ جوڑے پچھلے قدموں کمرے سے نکل گئی۔ ہارمونیم بجا
والے بوڑھے نے میری طرف بالکل توجہ نہ دی اور دھیمے سروں میں ہارمونیم بجاتا رہا۔

میں نے اپنے اوپر وہی متکبرانہ کیفیت طاری کر لی تھی جو ایک نقلی پیر اپنے
ضعیف الاعتقاد مرید کے گھر جا کر اپنے اوپر طاری کر لیتا ہے۔ میں بڑی شان سے گر
اٹھائے بیٹھا بوڑھے کو ہارمونیم پر انگلیاں چلاتے دیکھ رہا تھا۔ اتنے میں عقبی درواز
ریشمی پردہ ہٹا اور ایک گورے رنگ کی بھرے بھرے بدن والی عورت اندر داخل ہو
اس کے لمبے بال شانوں پر موتیے اور رجنی گندھا کے پھولوں کے ہاروں سے بندھے ہو
تھے۔ کان میں نیلے رنگ کے پتھر چمک رہے تھے۔ گلے میں بھی اسی رنگ کے پتھروں کا
تھی۔ اس نے ہلکے نیلے رنگ کا بلاؤز اور گہرے رنگ کی ساڑھی پہنی ہوئی تھی۔
کے نیچے اس کا گورا بدن صاف نظر آ رہا تھا۔ یہ کوئی نئی بات نہیں تھی۔ انڈیا میں عو
اسی طرح لباس پہنتی ہیں اور بلاؤز کے نیچے ناف سے ذرا اوپر تک ان کے پیٹ
ہوتے ہیں۔ اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔ میں نے اسے پہچان لیا۔ یہ وہی عورت
جس کی ڈرائنگ روم میں تصویر لگی تھی۔ عمر اس کی تیس اور پینتیس برس کے در
ہو گی اس نے ایک شان بے نیازی سے میری طرف نگاہ ڈالی اور مجھ سے کوئی بات کئے
ہارمونیم بجانے والے بوڑھے سے متوجہ ہو کر کہا۔

"مہاراج! آپ اوپر والے کمرے میں جائیں سٹوڈنٹ لڑکیاں آ گئی ہوں گی"

مہاراج ہارمونیم بند کر کے اٹھے۔ عورت کو نمسکار کیا اور باہر نکل گیا۔ اب
عورت نے جو یقیناً ریتالینی دیوی ہی تھی میری طرف دیکھا۔ چہرے پر ایک نقلی مسکر
سجائے وہ میرے سامنے والے صوفے پر آ کر بیٹھ گئی۔ نقلی مسکراہٹ فوراً چہر

غائب ہو گئی۔ اس نے انگریزی میں مجھ سے پوچھا۔

"آپ اپنی کزن کو ڈانس سنٹر میں ایڈمٹ کرانا چاہتے ہیں؟"

میں نے اپنے چہرے کو پتھر کی طرح سنجیدہ بنایا ہوا تھا۔ میں نے بھی انگریزی میں
جواب دیا۔

"ہاں میڈم"

"لیکن آپ کی کزن تو دلی میں رہتی ہے"

میں نے کہا۔

"وہ احمد آباد اپنی ماسی کے پاس آ کر رہ لے گی" مگر میڈم آپ نے اپنا تعارف
نہیں کرایا"

اس عورت نے ذرا سا چونک کر میری طرف دیکھا۔ جیسے اسے میرا اس طرح بے
تکلفی سے بات کرنا اسے اچھا نہ لگا ہو۔ کہنے لگی۔

"میں ریتالینی دیوی ہوں۔ سارا بائی ڈانس سنٹر کی مالکہ"

میں نے بھی بے نیازی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"کیا میری کزن کو آپ کے ہاں داخلہ مل جائے گا؟" ریتالینی دیوی کو یہ بات بھی محسوس
ہوئی تھی کہ میں نے اس بات کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی کہ وہ ڈانس سنٹر کی مالکہ ہے۔
اس کا بولنے کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ مجھ سے چڑ سی گئی ہے اپنی ساڑھی کے پلو کو اپنے
گھٹنوں کے اوپر کرتے ہوئے اس نے بیزاری کے ساتھ میری طرف دیکھا اور کہا۔

"سوری سر! اس وقت سنٹر میں کسی نئے سٹوڈنٹ کے داخلے کی گنجائش نہیں
ہے"

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔

"ایک بار پھر غور کر لیجئے"

ریتالینی بھی بڑی مزاج دار عورت تھی۔ اس نے بھی میرے جینی بھگتوں والے
لباس کو کوئی اہمیت نہیں دی تھی۔ دراصل گجرات کے شہروں میں اس حلیے کے جینی

بھگت عام طور پر دیکھنے میں آتے تھے۔ ذرا ترش لہجے میں کہنے لگی۔

"سر! میں نے غور کر کے ہی آپ کو بتایا ہے۔ آئی ایم سوری"

اب میں نے اپنے رویے میں تھوڑی نرمی پیدا کر لی۔ میری حکمت عملی کا تقاضا بھی یہی تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میڈم! بات یہ ہے کہ میری کزن کو آپ کے سنٹر میں رقص کی تعلیم حاصل کرنے کا بے حد شوق ہے۔ وہ آپ کی زبردست فین ہے اگر آپ نے اسے داخل نہ کیا تو اسے زبردست صدمہ ہو گا۔"

میرے نرم لہجے کا رینالینی پر اثر ہوا۔ وہ بھی تھوڑا سا مسکرائی۔ کہنے لگی۔

"آپ دو ایک دن انتظار کر لیں۔ آپ کہاں ٹھہرے ہوئے ہیں؟"

میں نے اسے اپنے ہوٹل کا بتایا تو وہ اس سے بھی متاثر ہوئی۔ کیونکہ ٹرائیڈنٹ ہوٹل مہنگا فائیو سٹار ہوٹل تھا۔ سر کو اثبات کے انداز میں ہلاتے ہوئے بولی۔

"آئی سی۔ آئی سی۔"

مجھے میناکشی کا انتظار تھا۔ چندریکا نے کہا تھا کہ جس رات تم سارا بائی ڈانس سنٹر جاؤ گے میناکشی اسی رات وہاں ضرور آئے گی اور چندریکا کی باتیں صحیح ہو رہی تھیں۔ میں نے رینالینی سے پوچھا کہ کیا وہ سٹوڈنٹس کو یہیں رقص کی تعلیم دیتی ہیں اس نے کہا۔ "کلاس اوپر والے ہال کمرے میں لگتی ہیں"

اوپر والے کمرے سے طبلے ہارمونیم کی ہلکی ہلکی آوازیں آنے لگی تھیں۔ تب میں نے رینالینی دیوی کو اپنے بارے میں بتایا کہ میں دلی کے کاستھ ہندو گھرانے میں پیدا ہوا تھا۔ بچپن میں ماتا پتا وفات پا گئے۔ میرے انکل نے میری پرورش کی بنارس یونیورسٹی سے ایم اے فزکس میں کیا۔ پھر چار سال امریکہ میں تعلیم حاصل کی لیکن بچپن سے طبیعت جین دھرم کی طرف لگا ہوا تھا۔ پھر میں نے نوکری چھوڑ دی اور جنگلوں میں نکل گیا۔ چار برس تک جنگلوں میں سادھو سنتوں کے ساتھ رہا۔ ہندو اور جین دھرم کا گیان حاصل کیا اور اب اپنی زندگی جین مت کے پرچار کے لئے وقف کر دی ہے۔ اس کے بعد

نے یوگا، کرم کانڈ، موسیقی، رقص، چار ویدوں، اپنشدوں اور ہندو دیوی دیوتاؤں کے بارے میں انگریزی میں ایسی باتیں کیں کہ رینالینی پر اس کا بہت اثر ہوا۔ اب وہ میری طرف پوری طرح متوجہ ہو گئی تھی اور میری ہر بات کو بڑے غور سے سننے لگی تھی۔ یہی میں چاہتا تھا وہ مجھے اوپر والے ہال کمرے میں لے گئی جہاں لڑکیاں مہاراج سے ڈانس کی تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ تان پورہ چھڑا ہوا تھا۔ ہارمونیم پر لہرا بج رہا تھا اور چار پانچ لڑکیاں ساڑھیوں کے پلو پیٹ کے ساتھ لپیٹے کتھک رقص کر رہی تھیں۔ میں نے رینالینی سے پوچھا۔

"کیا تم بھارت ناٹیم رقص کی تعلیم بھی دیتی ہو؟"

اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں مہاراج۔ بھارت ناٹیم رقص ہی تو اصل ہمارے بھارت ورش کا رقص ہے۔ کتھک رقص کا تو مغل بادشاہوں نے رواج دیا تھا۔"

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی۔ کتھک رقص خیر سے مسلمان بادشاہوں نے اورنگ زیب کے زمانے کے بعد ایجاد کیا تھا اور اسی رقص نے ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کو ڈبو دیا تھا۔ میں نے رقص کرتی لڑکیوں کو بڑے غور سے دیکھا۔ ان میں احمد آباد میں RAW کے چیف مسٹر پانڈے کی بیٹی میناکشی نہیں تھی۔ میناکشی کا چہرہ مجھے اچھی طرح یاد تھا۔ کریم بھائی نے مجھے اس کی فوٹو دکھائی ہوئی تھی۔ چندریکا نے کہا تھا کہ وہ ضرور آئے گی۔ مجھے وہاں رک کر میناکشی کا انتظار کرنا تھا۔ تھوڑی دیر گذری ہو گی کہ ایک دراز قد کی خوبصورت شکل وصورت والی گندمی رنگ کی لڑکی بڑی خوبصورت ریشمی ساڑھی پہنے ہال کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے سب سے پہلے ہارمونیم پر بیٹھے ہوئے بوڑھے کو نمسکار کہہ کر اس کے گھٹنوں اور پاؤں کو چھوا۔ پھر ہمارے قریب آئی اور رینالینی دیوی کو نمسکار کہہ کر اس کے گھٹنوں کو ہاتھ لگایا اور مسکراتے ہوئے بولی۔ وہ انگریزی میں بات کر رہی تھی۔

"میڈم سوری! آج مجھے دیر ہو گئی۔ اصل میں میری اپنی گاڑی کی چابی کہیں گم

ہو گئی تھی۔ میں ڈیڈی کی گاڑی میں آئی ہوں"

یہ میناکشی تھی۔ میں نے اسے پہچان لیا تھا۔ میں میناکشی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اور دل میں کہہ رہا تھا

میناکشی دیوی! بہت جلد وہ وقت آنے والا ہے کہ تم میرے گھٹنوں کو بھی ہاتھ لگایا کرو گی"

میناکشی نے میری طرف بالکل توجہ نہیں دی تھی۔ وہ رینالینی سے باتیں کر رہی تھی۔ صوفے پر اس کے پاس بیٹھی تھی اور اپنے بالوں کو سر کے پیچھے باندھ رہی تھی۔ جیسے رقص کرنے کی تیاری کر رہی ہو۔ اچانک مجھے لوبان کی تیز خوشبو آئی۔ یہ خوشبو ہوائی مخلوق اور میری فرضی پتنی چندریکا کے لباس سے آیا کرتی تھی۔ میں نے یونہی دائیں طرف دیکھا تو چونک کر رہ گیا۔ چندریکا میرے بالکل قریب کھڑی تھی۔ اس نے مجھے ہاتھ باندھ کر خاموشی سے نمسکار کیا اور پھر اپنی بند مٹھی میری واسکٹ کی جیب میں ڈال دی میناکشی بدستور رینالینی دیوی سے باتیں کر رہی تھی۔ لڑکیاں رقص میں مصروف تھیں کسی نے چندریکا کو نہیں دیکھا تھا۔ معلوم ہوا کہ سوائے میرے اسے دوسرا کوئی نہیں دیکھ رہا۔ چندریکا کہنے لگی۔

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ میناکشی آج رات ضرور آئے گی۔ دیکھ لو وہ آ گئی ہے۔ اس کے بارے میں میں نے جو باتیں تمہیں بتائی ہیں انہیں یاد رکھنا۔ میری کسی بات کا آگے سے جواب نہ دینا کیونکہ یہاں سوائے تمہارے نہ تو کوئی مجھے دیکھ رہا ہے اور نہ میری آواز ہی سن رہا ہے۔ میناکشی کی گاڑی کی چابی میں نے گم کی تھی۔ وہ میں نے تمہاری صدری کی جیب میں ڈال دی ہے۔ تم میناکشی کو یہ چابی دے کر اس پر اتنا اثر ضرور ڈال سکتے ہو کہ وہ اس کے بعد تمہاری ہر بات کو غور سے سنے۔"

میں چندریکا کی کسی بات کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ اگر میں بولتا تو وہ سب حیران ہو کر مجھے دیوانہ سمجھنے لگتے کہ میں کس سے بات کر رہا ہوں۔

چندریکا کہنے لگی۔

"اب میں تمہاری نظروں سے بھی غائب ہو جاتی ہوں تاکہ تم پوری توجہ سے اپنے منصوبے پر عمل کر سکو۔ مگر میں یہاں موجود ہوں گی۔

پھر اس نے گہرا سانس بھرا۔ میری طرف جھکی۔ لوبان کی خوشبو تیز ہو گئی اور چندریکا نے اپنا رخسار میرے گال کے ساتھ لگا کر بڑے جذباتی لہجے میں کہا۔

"میرے سوامی! میرے پتی دیو! بہت جلد ہمارے جسموں کا بھی ملاپ ہونے والا ہے"

اس کم بخت ہوائی مخلوق کا جسم عام زندہ عورتوں کے جسم ایسا ہو چکا تھا۔ وہ میری نظروں سے غائب ہو گئی۔ میں نے واسکٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالا تو میری انگلیاں دو تین چابیوں سے ٹکرائیں جو ایک چھلے میں پروئی ہوئی تھیں یہ میناکشی کی گاڑی کی چابیاں ہی ہو سکتی تھیں۔ چندریکا نے بڑا اچھا ترپ کا پتا مجھے دے دیا تھا۔

رینالینی دیوی میناکشی سے باتیں کر رہی تھی۔ پھر اس نے میناکشی سے میرا بڑے اچھے الفاظ میں تعارف کروایا میناکشی نے رسمی انداز میں میری طرف دیکھ کر نمسکار کیا۔ اس پر میری شخصیت کا کوئی اثر نہیں پڑا تھا۔ انڈیا میں علم موسیقی اور رقص اور ہندو دیوی دیوتاؤں اور چار ویدوں کے علم جاننے والوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ اس کے بعد میناکشی بھی رقص کرتی لڑکیوں میں شامل ہو گئی۔ اب لڑکیوں نے کتھک رقص کی بجائے بھارت ناٹیم رقص کے توڑے ناچنے شروع کر دیئے تھے۔ رینالینی دیوی میرے پاس بیٹھی اس رقص کی اور رقص سکھانے والے مہاراج کی تعریف کرتی جا رہی تھی۔ میں معمولی دلچسپی کے ساتھ لڑکیوں کو رقص کرتے دیکھ رہا تھا۔ میں اسی وقت کے انتظار میں تھا کہ کب رقص کی تعلیم ختم ہو اور میناکشی سے مجھے بات کرنے کا موقع ملے۔ پندرہ بیس منٹ کے بعد بریک ہو گئی لڑکیاں کمر کے گرد بندھے ہوئے ساڑھیوں کے پلو کھولتی' بالوں کو چہروں پر سے ہٹاتی ایک طرف جا کر بیٹھ گئیں۔ میناکشی رینالینی کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ اگرچہ ہال کمرے میں ہلکا ایئر کنڈیشنر لگا ہوا تھا مگر پھر بھی میناکشی کے چہرے پر رقص کرنے کی

ورزش سے پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔ اپنے پرس میں سے ٹشو پیپر نکال نکال کر چہرے کے پسینے کو ان میں جذب کرنے لگی۔ ساتھ ساتھ وہ ریتالینی سے باتیں بھی کرتی جا رہی تھی۔ اتنے میں نوکرانی لڑکی کولڈ ڈرنکس لے آئی۔ میں نے بھی ایک گلاس لے لیا۔

میناکشی صوفے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی اور بڑے سکون سے کولڈ ڈرنکس گھونٹ گھونٹ کر کے پینے لگی۔ ریتالینی اٹھ کر دوسری لڑکیوں کے پاس چلی گئی اور انہیں ہاتھوں سے نرت کر کے بھارت ناٹیم رقص کے بارے میں ضروری باتیں بتانے لگی۔ مجھے میناکشی سے باتیں کرنے کا موقع مل گیا۔ میں اسی موقع کے انتظار میں تھا۔ میناکشی میری طرف بالکل متوجہ نہیں تھی۔ میں اس کے لئے غیر دلچسپ قسم کا ایک اجنبی آدمی تھا۔ وہ کولڈ ڈرنک پیتے ہوئے ریتالینی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے انگریزی میں میناکشی سے بات شروع کرتے ہوئے کہا۔

"تم بہت جلد ڈانس میں بڑا نام پیدا کرو گی"

میناکشی میری طرف دیکھ کر مسکرائی اور تھینک یو کہہ کر دوبارہ دوسری لڑکیوں کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ یہی سمجھی کہ میں بھی دوسرے نوجوانوں کی طرح اس کی خوشامد کر رہا ہوں۔ میں نے صوفے پر ذرا سا اس کی طرف جھکتے ہوئے رازداری کے انداز میں کہا۔

"میڈم! تمہیں شاید معلوم نہیں کہ تم نے اپنی گاڑی کی چابیاں کہاں رکھی تھیں؟"

میناکشی نے تعجب کے انداز میں میری طرف دیکھا جیسے کہہ رہی ہو کہ تمہیں میری گاڑی کی چابیوں سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔ اس نے رسمی طور پر کہا۔

"نہیں کہیں رکھ دی ہوں گی"

میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہندو دیوتاؤں کے انداز میں آہستہ سے انگریزی میں کہا۔

"مگر مجھے معلوم ہے کہ تم نے گاڑی کی چابیاں کہاں رکھی تھیں۔ اور میں وہاں

سے تمہاری چابیاں اٹھا کر لے آیا ہوں"

میناکشی خالی خالی نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں جو اس کے لئے ایک اجنبی آدمی ہوں اس کی گاڑی کی چابیوں کا بار بار کیوں ذکر کر رہا ہوں۔ میں نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اپنی واسکٹ کی جیب میں ڈالا اور چابیاں نکال کر اس کے پاس صوفے پر رکھ دیں اور کہا۔

"یہی تمہاری گاڑی کی چابیاں ہیں نا؟"

میناکشی نے چابیوں کے گچھے کو دیکھا اور تھوڑا سا چونک کر پیچھے ہٹ گئی۔ پھر میری طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں میرے لئے حیرت احترام اور خوف کے ملے جلے تاثرات تھے۔ میں نے کونے میں بیٹھی ہوئی سٹوڈنٹ لڑکیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بے نیازی مگر بڑے باوقار انداز میں میناکشی سے انگریزی میں کہا۔

"یہ کرشمہ میں نے تمہیں اس لئے دکھایا ہے کہ میں دیوتاؤں کا اشارہ پا کر یہاں صرف تم سے ملنے آیا ہوں۔ تم پر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ مجھے دیوتاؤں نے تمہاری رکھشا کے لئے تمہارے پاس بھیجا ہے یہ کرشمہ دکھانا بڑا ضروری تھا۔ میرے پاس اور بھی کچھ طاقتیں ہیں۔ مگر انہیں وقت آنے پر ظاہر کروں گا۔ دیوتاؤں نے مجھے بتا دیا ہے کہ تم ایک روز ہندوستان کی بہت بڑی ڈانسر بنو گی سارے پرانتوں میں تمہاری شہرت ہو گی' تمہارے چرچے ہوں گے۔

میناکشی پر میرے کرشمے یا شعبدہ بازی کا اثر ضرور ہوا تھا مگر اتنا اثر نہیں ہوا تھا۔ شاید وہ بھی مجھے ہندوستان کے ان سادھوؤں کی طرح سمجھ رہی تھی جو اپنی چھوٹی موٹی روحانی طاقت کا اظہار گم شدہ چیزوں کو سامنے لا کر کرتے ہیں۔ واقعی اس قسم کی بازی گری اور شعبدہ بازی انڈیا کے سادھوؤں کے ایک طبقے میں عام پائی جاتی تھی۔ مگر میرے پاس ابھی ٹرمپ کے کچھ اور پتے بھی تھے۔ میں نے میناکشی کی طرف متوجہ ہو کر دھیمی آواز میں کہا۔

"شاید تمہیں میری باتوں کا یقین نہیں آیا۔ شاید تم بھی مجھے بھارت ورش کے

عام جوگی سادھوؤں کی طرح سمجھتی ہو۔ نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے جنگلوں میں شیو دیوتا کی بڑی تپسیا کی ہے۔ یہ اسی تپسیا کا نتیجہ ہے کہ میں نے شیو دیوتا کا قرب اور آشیرباد حاصل کرلیا ہے۔ مجھے چونکہ سنسار کا کوئی لالچ نہیں۔ کوئی لوبھ نہیں اس لئے شیو دیوتا نے مجھے اپنا دوست بنالیا اور مجھے یہ خوش خبری دے کر تمہارے پاس بھیجا جو میں نے تمہیں سنادی ہے۔"

میناکشی نے انگریزی میں تھوڑا سا مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیوتا شیوجی نے میرے بارے میں تمہیں کیا بتایا ہے؟"

اس کے انداز سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ مجھے ایسا نوجوان سمجھ رہی ہے جو اس قرب حاصل کرنے کے لئے جھوٹی موٹی روحانی طاقت حاصل کر کے اس کے پاس آگیا اور اب اس پر اپنا اثر ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

میں نے اپنے چہرے پر جلال کے تاثرات پیدا کر لئے میناکشی کی آنکھوں میں آنکھ ڈال دیں اور بڑے ڈرامائی لہجے میں مگر دھیمی آواز میں کہا۔

"اگر تم یہ پوچھنا چاہتی ہو کہ شیو جی دیوتا نے مجھے تمہارے بارے میں اور کیا کچھ بتایا ہے تو سنو۔ تم نے ساڑھی کے پیٹی کوٹ کے نیچے آج سرخ رنگ کا جانگیہ پہنا ہوا ہے۔ سنو! پچھلے کچھ دنوں سے تمہاری ناف کے نیچے ایک پھوڑے کا چھوٹا سا ابھار بن رہا ہے جس کے متعلق تم نے ابھی تک اپنی لیڈی ڈاکٹر سے بھی بات نہیں کی اور سنو"

میناکشی کا رنگ اڑ گیا۔ اس نے میرے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ دیا اور ادھر ادھر دیکھ سہمی ہوئی آواز میں بولی۔

"پلیز! یہاں یہ باتیں نہ کریں۔ پلیز دوسرے کمرے میں آجائیں۔"

وہ مجھے ساتھ والے کمرے میں لے گئی۔ یہ ایک مختصر سا مگر خوبصورت سا سجا کمرہ تھا۔ درمیان میں گول میز کے گرد کرسیاں لگی تھیں اس نے دروازہ بند کیا اور میرے آگے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئی۔

"پلیز! بیٹھ جائیں"

میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ میرے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ ایک بات آپ کو بھی بتادوں کہ ہندو عورت خواہ کتنی پڑھ لکھ جائے۔ خواہ وہ پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرے مگر وہ اندر سے بے حد توہم پرست اور جادو ٹونے جوتش اور اسی قسم کی دوسری ضعیف الاعتقادی کی پرستار عورت ہوگی۔ یہ توہم پرستی ہندو عورت کے خون کے ساتھ ملی ہوئی ہوتی ہے۔ میں نے احمد آباد کے فائیو سٹار ہوٹلوں، کلبوں اور گلی کوچوں میں بڑی بڑی پروفیسر ٹائپ کی ہندو جینی عورتوں کو جین مت کے الف ننگے جوگیوں کے سامنے بیٹھ کر ان کے منہ میں لڈو اور دہی ڈالتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں نے تو میناکشی کو ایسا شعبدہ دکھایا تھا کہ شاید کوئی دوسرا جوگی یا سادھو ایسا شعبدہ نہ دکھا سکتا۔

وہ میری طرف عقیدت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"گوروجی! آپ نے جو کچھ بتایا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ میں نے آج لال رنگ کا انڈرویئر پہنا ہوا ہے اور میری ناف کے نیچے دو تین ہفتوں سے ایک پھوڑے کا ابھار سا نکل آیا ہے۔ میں شرم کے مارے کسی کو نہیں بتاتی۔ آپ واقعی دیوتا شیوجی کے بھگت ہیں۔ پلیز مجھے کچھ اور بھی بتائیے میری ناف کے نیچے جو پھوڑا بن رہا ہے اس کا دیوتا شیو جی سے پوچھ کر کوئی علاج بتائیے۔ اب تو ڈانس کرتے ہوئے مجھے یہاں درد بھی ہونے لگا ہے۔ آپ ذرا دیکھیں"

میناکشی نے کسی قسم کی شرم حیا محسوس کئے بغیر ساڑھی کا پلو پرے ہٹایا اور پیٹ پر ساڑھی کو ناف سے بھی نیچے تک کھینچ کر لے گئی۔ میں نے دیکھا کہ اس کی ناف سے کافی نیچے بائیں جانب ایک سرخی مائل ابھار سا بنا ہوا تھا۔ اس وقت میں ہوائی مخلوق چندریکا کی ہوائی طاقت کا مزید قائل ہوگیا۔ میں نے انگلی سے سرخ ابھار کو چھوا تو میناکشی کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی جیسے اسے درد محسوس ہوا ہو۔ میں نے کہا۔

"ساڑھی اوپر کرلو"

اس نے جلدی سے ساڑھی اوپر کرلی اور عاجزانہ انداز میں کہنے لگی۔

"پلیز اس کا کوئی علاج کر دیں۔ یہ پھوڑا بن گیا تو میں کیا کروں گی۔ میں تو شرم کے مارے جیتے جی مر جاؤں گی"

میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"تم فکر نہ کرو۔ میں دیوتا شیو جی سے باتیں کروں گا۔ وہ ضرور تمہاری بیماری کا کوئی علاج بتا دیں گے۔"

میناکشی کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ ساڑھی کے پلو سے آنکھیں پونچھتے ہوئے بولی۔

"اگر میں بیمار ہو گئی تو میں بھارت کی مشہور ڈانسر کیسے بن سکوں گی۔ شیو جی مہاراج کو میری طرف سے ہاتھ جوڑ کر کہنا کہ وہ مجھ پر کرپا کر دیں اور مجھے ٹھیک کر دیں"

میں نے میناکشی کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ اس کے جسم سے انتہائی اعلیٰ قسم کے پرفیوم کی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں۔ اس کا مزید اعتماد حاصل کرنے کے لئے اسے اپنے ساتھ لگانا بہت ضروری تھا۔ یا آپ یہ سمجھ لیں کہ مجھے اس وقت کسی نفسانی خواہش نے اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ بہرحال میں بھی جوان تھا۔ اگرچہ میرا کردار ایک زبردست تربیت یافتہ مسلمان کمانڈو کی حیثیت سے اب تک بے داغ رہا تھا اور مجھے اسے بے داغ ہی رکھنا تھا لیکن میں جھوٹ بھی نہیں بولوں گا۔ اس وقت میناکشی کو اپنے ساتھ لگانے کی زبردست خواہش میرے دل میں پیدا ہو گئی تھی اور میں ایک لمحے کے لئے بے بس ہو گیا تھا۔ میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"دیوتا شیو جی مہاراج کو میں تمہاری پرارتھنا پہنچا دوں گا۔ اور ان سے تمہاری بیماری کا کوئی علاج کوئی اپائے بھی ضرور پوچھ لوں گا۔ تم بے فکر رہو۔"

ابھی تک میں نے اسے اپنے ساتھ لگا رکھا تھا۔ میں نے اسے الگ کرنا چاہا تو وہ خود مجھ سے لپٹ گئی اور میرے سینے پر سر رکھ کر بولی۔

"میرے گورو دیو! مہاراج! مجھے اپنے سے الگ نہ کرنا میں جیون بھر تمہاری

سیوا کروں گی۔ تم جو کہو گے کروں گی"

میں نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا۔ کیونکہ معاملہ حد سے آگے بڑھنے لگا تھا۔ اسے اپنے آپ سے الگ کیا اور کہا۔

"میناکشی! تمہاری سب پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ شیو جی مہاراج تمہاری رکھشا کریں گے"

اب وہ اور میں دونوں ہندی میں بولنے لگے تھے۔ مجھے اچانک یاد آگیا کہ چندریکا نے میناکشی پر اپنا اثر قائم کرنے کے لئے مجھے یہ بھی کہا تھا کہ جس رات تم اسے ملنے جاؤ گے اس سے پہلی رات کو میں اس کے خواب میں آؤں گی اور یہ بات کہوں گی۔ مجھے چندریکا کی وہ بات بھی یاد آگئی۔ دوسرے روز اس بات کو ظاہر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں نے میناکشی کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بڑے پیار بھرے انداز میں کہا۔

"اور ہاں میں ایک بات تمہیں کہنی بھول گیا تھا یہ بتاؤ کہ کل رات تمہارے خواب میں درگا ماتا آئی تھیں؟"

میناکشی کے حلق سے مارے حیرت کے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ بے اختیار ہو کر بولی۔

"میرے گورو دیو! تم تو انتریامی ہو۔ تم کو تو میرے اندر باہر کا میرے سوتے جاگتے کا سارا حال معلوم ہے"

پھر اس نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا اور پریشان ہو کر کہنے لگی۔

"ہاں ہاں۔ درگا میا رات میرے خواب میں آئی تھی۔ اس نے ایک ایسی بات مجھے کہہ دی ہے کہ جس سے میں ساری رات پریشان رہی ہوں۔ اور اسی پریشانی میں سارا دن گھر میں بیٹھی رہی۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔

"درگا ماتا نے یہی کہا تھا ناں کہ میناکشی تمہارا اگلا جنم لومڑی کے روپ میں ہوگا"

فرط عقیدت سے میناکشی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

بولی۔

"ہاں۔ درگا میا نے یہی کہا تھا گوروجی! یہ ماتا نے کیوں کہا۔ بھگوان کے واسطے شیو جی سے کہیں کہ میرا اگلا جنم لومڑی کے روپ میں نہ ہو۔ میں ساری عمر آپ کی ابھاگی رہوں گی۔"

میرا یہ تیر بھی ٹھیک نشانے پر بیٹھا تھا۔ میں نے اسے حوصلہ دیا اور کہا۔

"شانت رہو میناکشی! تمہارا اگلا جنم لومڑی کے روپ میں نہیں ہوگا۔ میں شیوجی مہاراج سے کہہ کر تمہارے سارے پاپ دھلوا دوں گا"

میناکشی کرسی سے نیچے اتر کر میرے پاؤں پر گر پڑی۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے اوپر اٹھا کر دوبارہ کرسی پر بٹھایا۔ وہ میرے ہاتھوں کو بار بار چوم کر اپنی آنکھوں سے لگا رہی تھی۔ اس چھوٹے سے کمرے میں اب میری نظر سامنے والی دیوار کی طرف گئی تو میں دیکھا کہ وہاں دیوار میں ایک شیلف بنا ہوا تھا جس میں ہر قسم کی شراب کی بوتلیں ا شیشے کے قسم قسم کے گلاس پڑے تھے۔ آگے ایک چھوٹا سا کاؤنٹر بھی بنا ہوا تھا۔ سارا ا ڈانس سنٹر کی ریتالینی دیوی نے اونچے طبقے کے عیاش اور مالدار بوڑھوں کی عیاشوں کا سا انتظام وہاں کر رکھا تھا۔ ویسے بھارت میں شراب عام تھی اور اونچی سوسائٹی کے تقریباً گھر میں ہر وقت موجود رہتی تھی۔ اتنے میں دروازے پر کسی نے ہلکی سی دستک دی میناکشی جلدی سے مجھ سے الگ ہو کر اپنی ساڑھی، بلاؤز اور بال ٹھیک کرنے لگی۔ میں پیچھے ہٹ گیا۔

اس نے انگریزی میں پوچھا۔ "کون؟"

دوسری طرف سے ریتالینی کی آواز آئی۔

"کیا سوامی جی مہاراج اندر ہیں؟"

ابھی ریتالینی دیوی نے میرا کوئی شعبدہ نہیں دیکھا تھا لیکن وہ میری باتوں سے ہی حد متاثر ہو گئی تھی۔ میناکشی نے کہا۔

"آ جائیں اندر میڈم۔ سوامی مہاراج اندر ہی ہیں۔"

اس وقت میناکشی نے میرے آگے اپنا ہاتھ کھول دیا تھا ریتالینی مسکراتی ہوئی ہمارے قریب آ گئی۔ میناکشی نے کہا۔

"میں سوامی جی کو اپنے ہاتھ کی ریکھائیں دکھا رہی تھی۔"

ریتالینی دیوی بھی کرسی کھینچ کر میرے قریب آ گئی اور اپنی ہتھیلی کھول کر میرے آگے کرتی ہوئی بولی۔

"پلیز سوامی مہاراج! میرا ہاتھ بھی دیکھیں"

مجھے خاک بھی ہاتھ کی ریکھائیں دیکھنی نہیں آتی تھیں۔ اس وقت چندریکا بھی میرے پاس نہیں تھی۔ کیونکہ مجھے اس کے جسم اور لباس سے اٹھنے والی لوبان کی خوشبو نہیں آ رہی تھی۔ میں نے ریتالینی کو ٹالتے ہوئے کہا۔

"میڈم! تمہارا ہاتھ پھر کبھی دیکھیں گے"

ریتالینی نے اپنا ہاتھ پیچھے کھینچتے ہوئے میناکشی سے کہا۔

"میناکشی تمہارا دوست آیا ہوا ہے"

پھر ہنس پڑی۔ میناکشی نے پوچھا۔

"وہ چندر کانت؟"

میں چوکنا ہو گیا۔ یہ وہی چندر کانت تھا جس کے بارے میں چندریکا نے مجھے بتایا تھا کہ میناکشی اس سے نفرت کرتی ہے مگر یونہی اسے بے وقوف بنانے کے لئے اس کے ساتھ پیار کا کھیل کھیل رہی ہے۔ ریتالینی دیوی ہنستی ہوئی باہر چلی گئی۔ میناکشی کے چہرے پر چندر کانت کا نام سن کر ناگواری کے جو تاثرات ابھرے تھے وہ ابھی تک برقرار تھے۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"میناکشی! اگر تم چندر کانت سے نفرت کرتی ہو تو پھر اس کے ساتھ جھوٹی محبت کا اظہار کیوں کرتی ہو؟"

میناکشی آخر فیشن ایبل ماڈرن طبقے کی لڑکی تھی اور اس میں اونچی سوسائٹی کی تقریباً سبھی خامیاں موجود تھیں۔ مجھ سے بھی اصل حقیقت چھپانے لگی۔ بولی

"نہیں سوامی جی! میں اس سے نفرت نہیں کرتی۔ بس وہ مجھے پسند نہیں ہے۔"
میں نے اس کا ایک اور خفیہ راز طشت ازبام کرتے ہوئے کہا۔

"اگر تم اس سے نفرت نہیں کرتی ہو تم پھر تم نے اپنی جو ایک خفیہ ڈائری بنا رکھی ہے اس میں یہ کیوں لکھا تھا کہ میں چندر کانت سے نفرت کرتی ہوں اور اس کے ساتھ پریم کا ڈرامہ کر رہی ہوں"

میناکشی پر حیرت کا ایک اور حملہ ہوا۔ وہ آنکھیں کھولے میرا منہ تکتی رہ گئی۔ میں مسکرا رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ تم نے اپنی خفیہ ڈائری کا نام پریم گرنتھ رکھا ہوا ہے"

آپ خود ہی اندازہ لگائیں کہ جس انسان کے اتنے خفیہ راز میں کھول کر اس کے آگے بیان کردوں گا تو کیا وہ میرا مطیع اور میرا مرید نہیں ہو جائے گا؟ میناکشی کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ وہ ایک بار پھر میرے قدموں پر گر پڑی۔ میں اسے اٹھانے لگا تو وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے بڑی مشکل سے اسے اپنے آپ سے الگ کیا اور کہا۔

"چلو دوسرے کمرے میں چلو۔ لوگ کیا کہیں گے"

میناکشی نے انگریزی میں کہا۔

"میں لوگوں کی کیا پروا کرتی ہوں۔ میرے سوامی جی۔ میرے گورو دیو میرے ساتھ بیٹھے ہیں۔ اس سے زیادہ میرے لئے خوشی کی اور کیا بات ہوگی۔"

مگر میں اسے اپنے ساتھ دوسرے کمرے یعنی ہال کمرے میں لے آیا۔ وہاں لڑکیاں رقص کے توڑوں پر پاؤں تھرکا رہی تھیں۔ صوفے پر رینالنی کے ساتھ ایک موٹی توند والا نوجوان بیٹھا تھا۔ اس کی عمر زیادہ نہیں تھی مگر پیٹ زیادہ عمر کے آدمیوں کی طرح باہر نکلا ہوا تھا۔ میناکشی نے آہستہ سے کہا۔

"یہی کم بخت چندر کانت ہے"

میں رینالینی کے پاس جا کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس نے چندر کانت کے ساتھ بھی میرا

بڑے زبردست الفاظ میں تعارف کرایا اور اسے بتایا کہ میں جین مت کا بہت بڑا وردان ہوں اور سوامی مہاویر وردھنا کا بھگت ہوں اور امریکہ میں پھر سات سال پڑھتا رہا ہوں۔ میرے امریکہ میں چھ سات برس تک پڑھنے والی بات نے چندر کانت کو زیادہ متاثر کیا۔ وہ مجھ سے امریکہ کے بارے میں باتیں پوچھنے لگا۔ معلوم ہوتا تھا کہ پہلی فلائٹ میں امریکہ جا کر کسی کالج میں داخل ہو جانا چاہتا ہے مگر اسے ویزا نہیں مل رہا تھا۔ پھر اس نے میناکشی کی طرف دیکھا اور کہا۔

"مینا جی! میں تو آدھے گھنٹے سے تمہارے انتظار میں یہاں بیٹھا ہوں۔ تم سوامی جی کو اندر ہاتھ دکھا رہی تھیں"

میناکشی نے تنک کر کہا۔

"تو میں کیا کروں پھر مجھے بتا کر آئے تھے؟"

چندر کانت خاموش ہو گیا۔ لگتا تھا کہ اسے اس بات کا تعجب ہو رہا ہے کہ آج اچانک میناکشی اتنی بے رخی کیوں دکھا رہی ہے۔ کچھ دیر دیوی رینالینی کے پاس بیٹھے رہنے کے بعد میں جانے لگا تو میناکشی بھی جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی کہنے لگی۔

"سوامی جی! میں آپ کو آپ کے ہوٹل ڈراپ کر دوں گی۔"

میں اس کے ساتھ سارا بائی ڈانس سنٹر سے باہر آگیا۔ باہر اس کی قیمتی گاڑی ایک طرف کھڑی تھی۔ یہ گاڑی اس کے باپ اور RAW را کے چیف اور میرے ٹارگٹ جی ڈی پانڈے کی تھی۔ میں خود بھی یہی چاہتا تھا کہ میناکشی مجھے چھوڑنے میرے ہوٹل تک آئے۔ کیونکہ میں نے اپنے کمانڈو سپائینگ مشن کا پہلا مرحلہ پورا کر لیا تھا اور اب مجھے اپنے اصل ٹارگٹ یعنی میناکشی کے باپ تک رسائی حاصل کرنی تھی۔ اس کا بھرپور اعتماد حاصل کرنا تھا۔ اور اس کے لئے میناکشی سے بات کرنی اور اسے استعمال میں لانا بہت ضروری تھا۔

میناکشی میری زبردست مطیع ہو چکی تھی۔ اب میں چاہتا تھا کہ اطاعت گذاری اور عقیدت کا یہی جذبہ اس کے باپ جی ڈی پانڈے کے اندر بھی بیدار کروں اور اس کے بعد

RAW کے احمد آباد والے ہیڈ آفس کی سیکریٹ ملٹری سروس کی فائلوں کے خفیہ راز اپنے قبضے میں کرنا شروع کر دوں۔

یہی میرا اصل مشن تھا۔

گاڑی میناکشی خود ڈرائیو کر رہی تھی۔ شہر کی کشادہ سڑکوں پر خوب روشنی ہو رہی تھی۔ دور نزدیک شہر کی اونچی نیچی عمارتوں میں بھی روشنیاں جھلملا رہی تھیں۔ میناکشی اگر اپنے باپ سے میرا تعارف ایک پہنچے ہوئے جینی بھگت کے روپ میں کرواتی ہے تو اس کا اس کے باپ پر اتنا اثر نہیں پڑ سکتا تھا جتنا اثر اس طرح پڑتا کہ اگر مجھے میناکشی کے باپ کی بھی دو ایک خفیہ باتیں معلوم ہوتیں۔ اس بارے میں صرف چندریکا ہی میری مدد کر سکتی تھی۔ گاڑی ٹرائیڈنٹ ہوٹل کے احاطے میں داخل ہوئی تو میناکشی نے کہا۔

"سوامی جی! تم میرے ساتھ میرے بنگلے پر کیوں نہیں چلتے۔ کھانا ہمارے ساتھ کھانا۔ میں تمہیں اپنے پتا جی سے ملاؤں گی۔ وہ بھی بڑے جینی بھگت ہیں"

میں نے کہا "میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا میناکشی! تمہارے پاس تو میں خود چل کر آیا تھا۔ اور صرف اس لئے کہ شیو جی نے مجھے خواب میں تمہاری شکل دکھا دی تھی اور تمہارے بارے میں ساری راز کی باتیں بتا دی تھیں اور تمہاری مشکل خواب میں دیکھ کر ہی تم مجھے اچھی لگنے لگی تھیں۔ تمہارے ساتھ تو پریم محبت والا معاملہ ہے۔ تمہارے پتا جی سے مل کر میں کیا کروں گا۔ تم گھر جاؤ"

میناکشی گاڑی میں سے میرے ساتھ ہی باہر نکل آئی۔ کہنے لگی۔

"سوامی جی! میں تمہارے کمرے میں تمہارے ساتھ جاؤں گی"

خفیہ ٹرانسمیٹر، خطرناک سگنل

میناکشی میرے ساتھ ہوٹل کے کمرے میں آ گئی۔

میں اسے اپنے کمرے میں نہیں لانا چاہتا تھا۔ اس کی وجہ صاف ظاہر تھی کہ میں نے اس کو اپنا جتنا مطیع اور مریدنی بنانا تھا بنا لیا تھا۔ اس کا مورچہ میں نے فتح کر لیا تھا۔ اب مجھے اصل مورچے کو فتح کرنا تھا۔ کمرے میں آ کر وہ صوفے پر میرے قریب ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ جو کچھ مجھ سے چاہتی تھی مجھے اچھی طرح معلوم تھا۔ مگر میں وہ کچھ نہیں چاہتا تھا۔ میں جو اس سے چاہتا تھا وہ اسے معلوم نہیں تھا۔ میں نے ہوٹل سروس کو فون کر کے کافی منگوا لی۔ ہم کافی پیتے ہوئے باتیں کرنے لگے۔ میناکشی مجھ سے اپنی زندگی کے آنے والے حالات کے بارے میں ہر قسم کے سوال پوچھ رہی تھی جن کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں تھا۔ مجھے تو اس کی زندگی کے بارے میں صرف اتنا ہی معلوم تھا جتنا مجھے ہوائی مخلوق چندریکا نے بتایا تھا۔ میں نے تنگ آ کر اسے کہا۔

"میناکشی! تم اپنی جیون ریکھا کے بارے میں جو کچھ مجھ سے پوچھ رہی ہو مجھے وہ بتانے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے مجھ سے ہر قسم کے سوال مت پوچھو۔ ہاں اتنا ضرور وعدہ کرتا ہوں کہ جتنی مجھے اجازت ملتی رہے گی اتنا اتنا میں تمہیں بتاتا رہوں گا۔"

وہ بولی۔

"مگر سوامی جی آپ تو واپس دلی چلے جائیں گے۔ پھر میں کیا کروں گی۔ میرا یہاں کون ہو گا جو مجھے ساری باتیں بتائے گا"

میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ ابھی مجھے احمد آباد میں کافی دن ٹھہرنا ہے۔ کئی مندروں کی یاترا کرنی ہے۔ ہو سکتا ہے مجھے مہاویر جی کا چلہ بھی کاٹنا پڑے جس میں کم از کم چھ سات مہینے لگ جائیں گے"

میں نے احمد آباد میں اپنے طویل قیام کے لئے زمین ہموار کرنی شروع کر دی تھی وہ کچھ مطمئن ہو گئی۔ پھر اچانک اس نے اپنی ساڑھی پیٹ پر سے نیچے کرتے ہوئے کہا۔

"سوامی جی! پلیز شیو بھگوان کی کوئی منتر پڑھ کر میرے پھوڑے والے ابھار پر پھونک دیں۔ میں اچھی ہو جاؤں گی"

میں نے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میناکشی پلیز! ساڑھی اوپر کر لو سروس بوائے آگیا تو وہ کیا سوچے گا۔ میں شیو بھگوان سے تمہارے روگ کا علاج ضرور پوچھوں گا۔ وعدہ کرتا ہوں"

میناکشی نے ساڑھی اوپر کر لی۔ اس کے بعد ضد کرنے لگی کہ میں اس کے ساتھ اس کے گھر جاؤں اور کھانا اس کے ساتھ کھاؤں۔

"میں تمہیں پتا جی سے بھی ملاؤں گی۔ وہ مجھ سے بڑی محبت کرتے ہیں۔ وہ خود جین دھرم کے بڑے ودوان ہیں۔ تم سے مل کر بڑے خوش ہوں گے۔"

میں نے اپنے دل میں کہا کہ بھولی لڑکی میرا اصل ٹارگٹ تو تمہارا باپ ہی ہے۔ تمہارے باپ کو میں اسی طرح نہیں ملوں گا۔ میں نے میناکشی سے کہا۔

"آج نہیں۔ پھر کسی روز تمہارے گھر ضرور جاؤں گا۔ تمہارے پتا جی سے بھی ملوں گا تم مجھے اپنے گھر کا فون نمبر دے دو"

میناکشی نے پرس میں سے چھوٹی سی ڈائری نکال کر اس کے ورق پر کوئی ٹیلی فون لکھا۔ ورق پھاڑ کر مجھے دیا اور کہا۔

"یہ میرے بیڈ روم میں لگے ہوئے ٹیلی فون کا خاص نمبر ہے۔ اگر میں نہ بھی ہوں تو آپ جو پیغام دیں گے وہ ریکارڈ ہو جائے گا اور مجھے مل جائے گا۔ آپ کے کمرے کا نمبر میں نے لکھ لیا ہے۔ میں اب چلتی ہوں کل فون کروں گی"

انگریزی میں بات کرتے وقت تو آپ جناب کے الفاظ نہیں آتے۔ مگر میناکشی جب ہندی میں مجھ سے بات کرتی تو کبھی مجھے آپ کہہ کر اور کبھی تم کہہ کر مخاطب کرتی یہ بات اس کے دل کی جذباتی کیفیات کی عکاسی کرتی تھی۔ وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

میں اسے چھوڑنے دروازے تک آیا۔ دروازہ کھولنے سے پہلے وہ میرے قدموں میں جھک گئی۔ میرے پاؤں چھوئے پھر میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر چومے، سینے سے لگائے اور دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

میں نے دروازہ بند کر کے گہرا سانس لیا اور صوفے پر آکر اپنے آپ کو گرا دیا۔ مجھے بھوک محسوس ہو رہی تھی۔ میں نے سروس کو فون کر کے کہا کہ ایک ویجی ٹیرین کھانا اوپر بھجوا دو۔ کھانا کھانے کے بعد میں نے کافی پی اور گھڑی پر وقت دیکھا رات کے نو بج رہے تھے۔

میں نے اسی وقت فون سروس کو کال کر کے کہا کہ مجھے ٹیلی فون کی ڈائریکٹ لائن دی جائے۔ فون سروس والوں نے مجھے ایک نمبر بتایا کہ یہ نمبر دو بار گھمائیں۔ ٹیلی فون ڈائریکٹ ہو جائے گا۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ فون کی لائن ڈائریکٹ ہو گئی۔ میں نے کریم بھائی کا خفیہ نمبر ڈائل کیا۔ دو بار گھنٹی بجی پھر کریم بھائی نے فون اٹھا کر کہا ہیلو۔ میں نے کوڈ الفاظ میں اپنا نام بتایا اور اپنی مہم کے بارے میں اسے خوش خبری سنائی کہ میں نے پہلا مورچہ فتح کر لیا ہے۔ اب اصل ٹارگٹ کی طرف بڑھ رہا ہوں۔ کریم بھائی نے غیر جذباتی آواز میں بڑے سکون کے ساتھ کوڈ الفاظ میں ہی جواب دیا کہ مجھے زیادہ سے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور بار بار فون نہ کروں۔ فون صرف اشد ضرورت کے وقت کروں۔ کریم بھائی نے فون بند کر دیا ہم کوڈ الفاظ میں بات کر رہے تھے۔ اگر کوئی دوسرا آدمی ہمارا فون سن بھی لیتا تو وہ یہی سمجھتا کہ ہم احمد آباد میں چل رہی ہندوستانی فلموں کے بارے میں

بات کر رہے ہیں۔ پھر بھی کریم بھائی نے مجھے زیادہ سے زیادہ محتاط رہنے اور کم سے کم فون
پر بات کرنے کی ہدایت کی تھی اور میں نے اس کی ہدایت پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

میں اس کے بعد اپنے کمرے میں ہی رہا۔ میرے پاس ہوٹل میں مزید ایک روز قیام
کرنے کے پیسے تھے۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ کل کریم بھائی سے کسی وقت ملاقات کر کے
اس سے مزید کچھ رقم لوں گا کیونکہ مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ را سیکریٹ ایجنسی کے چیف
تک مکمل طور پر رسائی حاصل کرنے میں ابھی مزید چار چھ دن لگ جائیں گے اور مجھے
ہوٹل میں ہی اتنے دن ٹھہرنا پڑے گا۔ رات کے گیارہ بجے تک میں اپنے بستر پر لیٹا
انگریزی اخبار کا مطالعہ کرتا رہا۔ اصل میں مجھے ہوائی مخلوق چندریکا کا انتظار تھا۔ میں اس
سے را کے چیف مسٹر پانڈے کی زندگی کے کچھ خفیہ راز معلوم کرنا چاہتا تھا۔ رات کے
بارہ بج گئے مگر چندریکا نہ آئی۔ میں سمجھ گیا کہ اسے میناکشی کے ساتھ میرا بے تکلف ہو
اچھا نہیں لگا۔ اسی لئے وہ نہیں آ رہی تھی۔ ضرور وہ مجھ سے ناراض ہے۔ میں پریشان
ہونے لگا۔ کیونکہ چندریکا سے ملاقات بڑی ضروری تھی۔ مسٹر پانڈے پر اپنا اعتماد جمانے
کے لئے اس کی زندگی کے دو ایک خفیہ راز معلوم کرنے بہت ضروری تھے۔ اس کے بغیر
میں ایک قدم بھی آگے نہیں اٹھا سکتا تھا۔ میں نے دو ایک بار کمرے کی فضا سونگھنے کی
کوشش کی مگر چندریکا کے جسم سے اٹھنے والی لوبان کی خوشبو کا دور دور تک نشان نہیں مل
رہا تھا۔

میری بے چینی میں اضافہ ہونے لگا۔

میں بستر سے اٹھ کر صوفے پر آ کر بیٹھ گیا۔ میز پر رکھی شیشے کی صراحی میں سے پانی
نکال کر پیا۔ کمرے میں صرف ٹیبل لیمپ ہی جل رہا تھا جس کی روشنی بڑی خواب اک
تھی میں نے ذرا اونچی آواز میں چندریکا کو مخاطب کر کے کہا۔

"چندریکا! اگر تمہیں میرا میناکشی کے ساتھ بے تکلف ہونا برا لگا ہے تو مجھے
معاف کر دو۔ تم خود بھی میرے دل کا حال جانتی ہو۔ آخر میں جوان آدمی ہوں
کسی کمزور جذباتی لمحے کی گرفت میں آ کر میں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا تو

اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں اس سے پریم کرنے لگا ہوں۔ تمہیں اپنی پتنی
کہا ہے تو اب اس وعدے کو نبھاؤں گا۔ تم جیون بھر میری پتنی ہی رہو گی۔"

ابھی میں نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ کمرے میں لوبان کی خوشبو پھیل گئی۔
چندریکا آگئی تھی۔ خوشی سے میرا چہرہ کھل اٹھا۔ پھر اچانک میں نے دیکھا کہ چندریکا میرے
سامنے والے صوفے پر بیٹھی میری طرف دیکھ کر مسکرا رہی ہے۔ میں نے کہا۔

"چندریکا! تم نے بہت اچھا کیا کہ آگئیں میں تو تمہارے بغیر سخت پریشان ہو رہا
تھا"

چندریکا کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ کہنے لگی۔

"اس لئے کہ تم کو ابھی مجھ سے غرض ہے۔ مجھ سے مطلب ہے جب تمہارا
مطلب نکل جائے گا تو تم مجھے چھوڑ دو گے۔ لیکن میں تمہیں اس وقت تک
نہیں چھوڑوں گی جب تک مجھے یقین نہ ہو جائے گا کہ تم میرے پرکھوں کی
جنم بھومی پر تباہی لانے کی کوشش میں لگے ہو۔ ابھی وہ وقت نہیں آیا۔ ابھی
میں تمہیں اپنا پتی ہی سمجھتی ہوں۔ تم سے پریم کرتی ہوں اور یہی پریم مجھے بار
بار کھینچ کر تمہارے پاس لے آتا ہے۔"

میں نے کھسیانا ہو کر کہا۔

"تمہارا شکریہ۔ اچھا اب میری پرابلم یہ ہے کہ"

چندریکا نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں تمہاری پرابلم کیا ہے۔ تم میناکشی کے باپ مسٹر پانڈے کی
زندگی کے کچھ خفیہ راز معلوم کرنا چاہتے ہو"

میں نے مزید کھسیانا سا ہو کر کہا۔

"ہاں ہاں۔ میں یہی چاہتا ہوں۔ پلیز! مجھے اس شخص کی زندگی کے ایک دو ایسے
راز بتا دو کہ جب میں انہیں ظاہر کروں تو جی ڈی پانڈے میرے پاؤں پر گر
پڑے"

چندریکا کا چہرہ مزید سنجیدہ ہو گیا۔ وہ بڑے غور سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"تمہیں اپنا وعدہ یاد ہے ناں؟ میں تمہاری مدد صرف اس لئے کر رہی ہوں کہ تم پچھلے جنم میں میرے خاوند رہ چکے ہو اور اس جنم میں بھی میرے پتی ہو۔ اس کا خود تم اقرار کر چکے ہو"

میں نے کہا۔

"بالکل میں اقرار کر چکا ہوں"

چندریکا نے کہا۔

"اور تم نے مجھے وچن دیا ہے کہ تم بیوی ہونے کی حیثیت سے میری ایک خواہش ضرور پوری کرو گے"

میں اس وقت اپنے ٹارگٹ پر اٹیک کرنے کے لئے بے تاب تھا۔ ٹارگٹ میرے سامنے تھا اور اس کے راستے کا پہلا قلعہ میں نے فتح کر لیا تھا۔ مجھے چندریکا کی کیا پرو تھی۔ اگر میں اس سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کرتا اور وہ مجھ سے ناراض ہو کر ہمیشہ کے لئے چلی جاتی ہے تو میرے لئے سو بار جائے۔ مجھے صرف ابتداء میں اس کی مدد کی ضرورت تھی۔ میرا مشن ہی ایسا تھا مجھے مینا کشی پر پاؤں رکھ کر را RAW کے چیف تک پہنچنا تھا۔ میں نے بڑی فراخ دلی سے کہا۔

"چندریکا! مجھے اپنا وچن اپنا وعدہ یاد ہے تمہاری جو بھی خواہش ہو گی میں ضرور پوری کروں گا۔ مگر مجھے را کے چیف جی ڈی پانڈے کی کوئی ایسی کمزوری کوئی ایسی مشکل ضرور بتاؤ جس میں وہ پھنسا ہوا ہو اور جس کو حل کر کے میں اس کا اعتماد حاصل کر لوں۔"

چندریکا بولی

"تو سنو! احمد آباد میں را کا چیف اور مینا کشی کا باپ مسٹر جی ڈی پانڈے شوگر کا مریض ہے۔ اس کے گردوں میں پتھری بھی ہے۔ کبھی کبھی اسے گردے کی

درد کا شدید دورہ پڑتا ہے جس روز تمہیں مینا کشی اپنے ساتھ گھر لے جائے گی اسی روز تمہاری موجودگی میں اسے گردے کا دورہ پڑے گا۔ تم اس کے پیٹ پر درد والی جگہ پر ہاتھ لگا دینا۔ وہ اسی وقت اچھا ہو جائے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ مسٹر پانڈے کے ترقی کی فائل دلی سیکریٹریٹ گئی ہوئی ہے۔ وہاں وہ دو سال سے پڑی ہے۔ اس پر وزیراعظم اندرا گاندھی کے دستخط ہونے باقی ہیں۔ اگر اندرا گاندھی کے دستخط ہو جائیں تو مسٹر پانڈے کو ترقی مل جائے گی اور اس کا مستقبل منور ہو جائے گا۔ تم اسے کوئی بھی تاریخ دے دینا اور کہہ دینا کہ فلاں تاریخ کو تمہاری فائل اندرا گاندھی کے دستخطوں کے ساتھ واپس آجائے گی اور تمہیں ترقی مل جائے گی۔ میں تمہارے لئے یہ کام خود دلی جا کر اندرا گاندھی کے دل میں دستخط کرنے کا خیال ڈال کر فائل پر دستخط کروا لوں گی۔ بس اس کے سوا میں تمہارے لئے مسٹر پانڈے کے سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتی۔"

میں نے کہا۔

"تمہارا شکریہ چندریکا! میرے لئے یہی بہت ہے۔ آگے میں خود سنبھال لوں گا"

چندریکا صوفے پر سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ میں بھی اٹھ کھڑا ہوا وہ میرے قریب آ گئی۔ لوبان کی خوشبو تیز ہو گئی۔ اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا۔ پھر الٹے قدم پیچھے ہٹتے ہٹتے بند دروازے کے پاس جا کر میری نظروں سے غائب ہو گئی۔

میں بڑا خوش تھا۔ میری بے چینی دور ہو گئی تھی۔ چندریکا نے را کے چیف کو قابو میں لانے کے لئے میرے ہاتھ میں ترپ کے دو پتے دے دیئے تھے۔ اس کے بعد میں اطمینان سے سو گیا دوسرے روز دن کے دس بجے کے قریب میں نے کریم بھائی کو خفیہ نمبر پر فون کیا اور کہا کہ آپ سے ملاقات بہت ضروری ہے۔ اس نے کہا۔

"ایک گھنٹے بعد ویران کوارٹر میں آجانا"

اور اس نے فون بند کر دیا۔

میں ایک گھنٹے بعد شہر سے باہر ریلوے لائن کے قریب جو ہمارا خفیہ کوارٹر تھا اور جس کے تہہ خانے میں میری کمانڈو جاسوسی کا سارا سامان پڑا تھا وہاں پہنچ گیا۔ کریم بھائی وہاں پہلے سے موجود تھا۔ میں نے اسے چندریکا سے اپنی رات والی ملاقات کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ میناکشی سے جو ملاقات ہوئی تھی اس کی پوری تفصیل سنا دی اور کہا۔

"میناکشی کے ذریعے اب میں را کے چیف سے ملنے والا ہوں۔ مجھے پوری امید ہے کہ میں اس شخص کو اپنا مرید بنانے میں ضرور کامیاب ہو جاؤں گا"

کریم بھائی نے پوچھا۔

"اس وقت تمہیں مجھ سے کیا کام ہے؟"

میں نے کہا۔

"مجھے شاید ٹرائیڈنٹ ہوٹل میں مزید کچھ روز قیام کرنا پڑ جائے۔ میرے پاس اس وقت تمہاری دی ہوئی رقم میں سے ہوٹل کے صرف ایک دن کا کرایہ باقی ہے۔ مجھے کچھ اور رقم کی ضرورت ہے۔"

کریم بھائی بولا

"مزید رقم تمہیں تمہارے ہوٹل میں پہنچ جائے گی۔ تم شام کو چار اور پانچ بجے کے درمیان اپنے کمرے میں ہی رہنا۔ ایک لڑکا تمہارے لئے پھولوں کا گلدستہ لائے گا اسی گلدستے کے اندر ایک لفافہ ہو گا۔ لفافے میں کچھ روپے ہوں گے"

میں نے کریم بھائی کا شکریہ ادا کیا تو وہ بولا۔

"شکریے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہیں اپنے مشن کی کارروائی تیزی سے آگے بڑھانی چاہئے مجھے خبر ملی ہے کہ دیو لالی کی پہاڑیوں میں بھارتی فوج کا جو بہت بڑا گولہ بارود کا ذخیرہ ہے وہاں سے اس مہینے کے آخر میں اسلحہ سے بھری ہوئی ایک مال گاڑی جموں کی طرف روانہ ہونے والی ہے۔ مجھے یہ بھی خبر ملی

ہے کہ اس گاڑی میں کشمیری مجاہدوں کے خلاف استعمال کئے جانے والے نیپام بموں کے راکٹ بھی بھاری تعداد میں ہوں گے یہ نیپام بم والے راکٹ کشمیریوں کے گھروں کو آگ لگانے کے لئے استعمال ہوں گے۔ یہ سارا اسلحہ کشمیر کے محاذ پر کشمیری مجاہدوں کے خلاف استعمال کیا جائے گا۔ تمہارا کام یہ ہے کہ تم اس مال گاڑی کے دیولالی سے روانہ ہونے کا صحیح وقت معلوم کرو۔ تاکہ دیولالی اور جموں کے درمیان کی جگہ پر اس گاڑی کو تباہ کیا جائے"

میں نے کہا

"میں یہ معلوم کرلوں گا۔ آپ بے فکر رہیں"۔

کریم بھائی نے کہا

"میں بے فکر رہوں یا نہ رہوں تمہیں ہر حالت میں کشمیریوں کے خلاف استعمال ہونے والے گولہ بارود کی گاڑی کو راستے میں تباہ کرنا ہے"

میں نے پرعزم لہجے میں کہا۔

"میں اپنے دشمن کو بھی پہچانتا ہوں اور اپنے فرض کو بھی پہچانتا ہوں۔ مجھے اس بات کی ٹریننگ دی گئی ہے۔ میں اپنی جان خدا کے سپرد کر کے اسلام' پاکستان اور کشمیری مجاہدوں کی جنگ لڑنے یہاں آیا ہوں۔ کشمیری مجاہدین کے خلاف استعمال ہونے والے گولہ بارود کی مال گاڑی جموں نہیں پہنچ سکے گی۔"

کریم بھائی نے اپنے کوٹ کی جیب سے چابی نکال کر دی اور کہا۔

"یہ کوارٹر کے خفیہ تہہ خانے کی چابی ہے۔ اگر تمہیں دلی شیر علی کو یا کشمیر کے محاذ پر کمانڈو شیروان کو ریڈیو ٹرانسمیٹر پر کوئی پیغام دینا پڑے تو یہاں آجانا۔ مگر اس بات کا خاص طور پر خیال رکھنا کہ تمہارا کوئی پیچھا نہ کر رہا ہو"

میں نے چابی لے لی۔ کریم بھائی اس کے بعد اکیلا ہی چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے کوارٹر کا دروازہ بند کر کے تالہ لگایا اور احمد آباد سے دلی جانے والی ریلوے لائن کی طرف سے ہو کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک چوک میں سے ٹیکسی لی اور اپنے ہوٹل

میں پہنچ گیا۔ ہوٹل میں آیا تو معلوم ہوا کہ میناکشی کا دوبار فون آچکا تھا۔ اس نے ایک نیا
فون نمبر لکھوایا تھا کہ میں آتے ہی اسے اس نمبر پر فون کرلوں۔ میں نے اسے فون کیا تو وہ
ملنے کو بے چین تھی۔ کہنے لگی میں ابھی آرہی ہوں۔ بڑی ضروری بات کرنی ہے۔ میں
نے بظاہر مصروفیت کا عذر پیش کیا مگر وہ نہ مانی اور بولی۔

"میرے گورو دیو! میں آرہی ہوں"

اور اس نے فون بند کر دیا۔

کوئی دس منٹ بعد وہ ہوٹل کے میرے کمرے میں تھی۔ آتے ہی اس نے جھک کر
میرے گھٹنوں کو ہاتھ لگایا اور ہاتھ باندھ کر کہنے لگی۔

"سوامی جی! آپ کہاں تھے۔ میں نے کئی بار فون کیا مگر آپ نہ ملے"

میں نے کہا

"سوامی نارائن جی کے مندر میں درشن کرنے گیا ہوا تھا۔ آؤ بیٹھو"

وہ میرے پاس ہی صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے بڑے بھڑکیلے نیلے رنگ کی ریشمی
ساڑھی پہن رکھی تھی۔ جوڑے میں موتیے کی بجائے رجنی گندھا کے پھول سجے ہوئے
تھے۔ لباس سے ایک نئے ولایتی پرفیوم کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔ کہنے لگی۔

"میں نے پتا جی کے آگے آپ کا ذکر کیا تو وہ آپ سے ملنے کو بے چین ہو گئے۔
کہنے لگے ایسے انتریامی سوامی جی سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہو گی۔ میں نے پتا
جی کو سب کچھ بتایا کہ کس طرح آپ نے میری خفیہ بیماری پہچان لی اور مجھے
میری گاڑی کی گمشدہ چابیاں بھی لا کر دے دیں"

میں نے دل میں کہا کہ تمہارے پتا جی سے تو میں ایسا ملوں گا کہ وہ ساری عمر یاد
رکھیں گے۔ اس کم بخت سے ملنے کے لئے تو میں نے یہ سارا ڈرامہ رچایا ہے۔ اوپر سے
میں نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں میناکشی! میں جوگی سادھو آدمی ہوں بڑے افسروں کو نہیں ملا کرتا۔
تمہارے پاس تو اس لئے آگیا کہ شیو جی بھگوان کا اشارہ ملا تھا کہ تمہارے پاس

جاؤں اور تمہیں یہ خوش خبری سناؤں کہ تم ایک روز ہندوستان کی بہت بڑی
ڈانسر بننے والی ہو"

میناکشی نے بڑی عقیدت سے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

"سوامی! کل تو آپ نے کہا تھا کہ آپ میرے گھر ضرور آئیں گے۔ پھر آج
کیوں انکار کر رہے ہیں"

میں نے کہا

"وہ تو میں صرف تمہاری خاطر تمہارے گھر جانے کو کہہ رہا تھا"

میناکشی کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کہنے لگی۔

"سوامی جی! پلیز میرے پتا جی کو اپنے درشن ضرور دیں۔ ان کو شوگر کی تکلیف
ہے۔ گردے میں بھی پتھری ہے۔ آج گردے میں تھوڑی درد ہو رہی
تھی ورنہ وہ تو میرے ساتھ ہی آتے"

میں نے دل میں کہا میری خیالی بیوی اور ہوائی مخلوق چندریکا نے اپنا کام شروع کر دیا
تھا اور مسٹر پانڈے کے گردے پر حملہ کر دیا تھا۔ میں نے کہا۔

"اچھا تمہاری خاطر میں شام کو تمہارے پتا جی سے ملنے چلا چلوں گا"

میناکشی بڑی خوش ہوئی۔ اس نے میرے دونوں ہاتھوں کو چوم لیا اور اس کے ساتھ
آنکھیں لگائیں اور کہا۔

"میں شام کو لینے خود آؤں گی"

وہ چلی گئی۔ شام تک میں اپنے کمرے میں ہی پڑا رہا۔ مجھے معلوم تھا کہ شام کو چار
اور پانچ بجے کے دوران کریم بھائی کا بھیجا ہوا کوئی لڑکا میرے لئے مزید رقم لے کر آرہا
ہے۔ ٹھیک ساڑھے چار بجے میرے دروازے پر دستک ہوئی۔ میں نے دروازہ کھولا تو باہر
ایک لڑکا ہاتھ میں پھولوں کا گلدستہ لئے کھڑا تھا۔ گلدستے کے گرد سرخ رنگ کا کاغذ لپٹا ہوا
تھا اس نے مجھے نمسکار کیا اور بولا

"سر! یہ آپ کے لئے ہے"

میں نے لڑکے کو پانچ روپے انعام دیا اور گلدستہ لے کر دروازہ بند کر دیا۔ گلدستے کا کاغذ جلدی سے اتار کر پھولوں کو الگ الگ کیا تو اس کے اندر ایک نیلے رنگ کا لفافہ چھپا ہوا تھا۔ لفافہ کھولا تو اس میں چار ہزار روپے کے کرنسی نوٹ تھے۔ ہوٹل میں میرا ایک دن اور ایک رات کا کرایہ پورا ہو چکا تھا۔ میں اسی وقت نیچے گیا اور مزید چوبیس گھنٹوں کے لئے کمرہ بک کرالیا۔

ساڑھے پانچ بجے میناکشی گاڑی لے کر پہنچ گئی۔ میں اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ اور اس کے پتاجی سے ملنے چل پڑا۔ میناکشی کا بنگلہ شہر کے امیر ترین علاقے میں واقع تھا۔ بہت بڑے باغ میں بنا ہوا یہ بنگلہ دو منزلہ تھا۔ باغ میں قسم قسم کے موسمی پھول کھلے ہوئے تھے۔ اونچے اونچے پرانے درخت تھے۔ جیسے ہی گاڑی پورچ میں جا کر کھڑی ہوئی ایک وردی پوش ملازم نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

میناکشی مجھے ساتھ لئے بنگلے کے خوبصورت اور کشادہ ڈرائنگ روم میں سے گذار کر اپنے پتاجی کے کمرے میں لے گئی یہ اس کے باپ کا بیڈروم تھا۔ میں نے کمرے میں داخل ہوتے ہی دیکھا کہ بیڈ روم میں روشنی ہو رہی تھی۔ ڈبل بیڈ والے پلنگ پر ایک بھوری مونچھوں والا ایک پختہ عمر کا آدمی جس کی توند پھولی ہوئی تھی۔ پلنگ کے تکیوں سے ٹیک لگائے نیم دراز تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ میرے خیر مقدم کے لئے اٹھنے لگا۔ میں نے کہا۔

"نہیں نہیں آپ کیوں تکلیف کرتے ہیں۔ آپ بیمار ہیں۔ آرام سے لیٹے رہیے"

یہ اسلام اور پاکستان کا دشمن، کشمیری مجاہدین کا قتل عام کرنے والا مسٹر گوتم داس پانڈے تھا۔ پاکستان دشمن سیکریٹ سروس را RAW کے احمد آباد والے ہیڈ آفس کا چیف اور میرا اصل ٹارگٹ میناکشی کی زبانی اس تک میری ساری کارگزاری پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔ اس نے مجھے جین مت کے روایتی لباس میں دیکھا تو خوش ہو کر بولا۔

"سوامی جی! آپ تو مہاویر کے بھگت ہیں۔ بیٹی میناکشی نے آپ کی باتیں سنائیں

تو میں نے کہا بیٹی مہاویر جی کے بھگتوں کے پاس بڑی طاقتیں ہوتی ہیں آپ سے مل کر مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے"

اس کی باتوں سے لگتا تھا کہ اس پر میری شخصیت کا اتنا رعب نہیں بیٹھ سکا جتنا رعب اس کی بیٹی میناکشی پر پڑ چکا تھا۔ میناکشی کو میری طاقت کا تجربہ ہو چکا تھا۔ مسٹر پانڈے کو بھی تجربہ کروانے کی ضرورت تھی جس کے لئے چندریکا نے مجھے بالکل تیار کر رکھا تھا۔

اس بیڈروم میں چائے لگا دی گئی۔ طرح طرح کی مٹھائیاں اور پھل کانسی کی تھالیوں میں بھر کر لائے گئے تھے۔ میناکشی نے خود چائے بنا کر مجھے پیش کی۔ اس کے باپ مسٹر پانڈے نے میری کلائی میں مہاویر کے اوتار وردھنا کا منگل سوتر دیکھ کر کہا۔

"سوامی جی! یہ منگل سوتر آپ نے نندی کنڈ کے بھگت جی سے لیا ہو گا"

میں نے کہا

"جی ہاں۔ مگر بڑی پرکشا کے بعد یہ بھی ملا ہے"

میناکشی بولی

"ڈیڈی! سوامی جی تو بڑے ودوان ہیں۔ مہاویر جی کے سچے بھگت ہیں"

"کیوں نہیں' کیوں نہیں"

مسٹر پانڈے بڑا پرانا اور منجھا ہوا بھارتی سی ایس پی افسر اور بیوروکریٹ تھا۔ وہ ابھی پوری طرح میرے قبضے میں نہیں تھا اور مجھ سے اس طرح متاثر بھی نہیں تھا۔ جس طرح میں اسے متاثر کر کے اپنے قبضے میں کرنا چاہتا تھا۔ وہ یہی سمجھے ہوئے تھا کہ میرے پاس جوگی سادھوؤں والی کوئی شعبدہ بازی ہے جس کے ذریعے میں نے اس کی بیٹی پر اپنا اثر ڈال رکھا ہے۔ دوسری طرف میں اسی انتظار میں تھا کہ چندریکا کب اس پر گردے کی درد کا حملہ کرتی ہے کیونکہ چندریکا نے کہا تھا کہ جب میں مسٹر پانڈے سے ملنے جاؤں گا تو اس پر گردے کی درد کا شدید دورہ پڑے گا۔ میں چائے پیتے اور میناکشی سے باتیں کرتے' اس کی باتوں کا جواب دیتے تھوڑی تھوڑی دیر بعد مسٹر پانڈے کی طرف کنکھیوں سے دیکھ رہا تھا۔ اچانک میں نے دیکھا کہ مسٹر پانڈے کچھ بے چینی سی محسوس کرنے لگا ہے۔ وہ ٹیک لگائے

پلنگ پر بیٹھا تھا۔ اس نے دو ایک بار آہستہ سے پہلو بدلا۔ پھر چائے کی پیالی تپائی پر رکھ دی۔ میناکشی نے پوچھا۔

"کیا بات ہے ڈیڈی۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟؟"

میں نے دل میں کہا۔ اس دشمن اسلام کی طبیعت کیسے ٹھیک ہو سکتی تھی۔ اب تو اس کی کم بختی کے دن شروع ہو گئے ہیں۔ مسٹر پانڈے نے پیٹ کی ایک جانب کولہے کے اوپر ہاتھ رکھتے ہوئے تکلیف دہ انداز میں کہا۔

"درد کچھ زیادہ ہی ہونے لگا ہے"

میناکشی نے کہا۔

"میں ابھی ڈاکٹر کو فون کرتی ہوں"

مسٹر پانڈے نے ہاتھ کے اشارے سے اسے منع کرتے ہوئے کہا نہیں نہیں بیٹی اس کی ضرورت نہیں۔

ٹرانکولائزر میرے پاس موجود ہے"

اچانک مسٹر پانڈے کے حلق سے ایک دبی ہوئی چیخ نکل گئی۔ چندریکا نے حملہ کر دیا تھا۔ وہ گردے کی شدید درد سے دہرا ہو گیا۔ میناکشی فوراً ڈاکٹر کو فون کرنے میز پر رکھے فون کی طرف گئی تو میں نے کہا۔

"میناکشی! ڈاکٹر کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پانڈے جی کی تکلیف ابھی دور ہو جائے گی"

میناکشی تو میرے چمتکار میرے کرشمے دیکھ چکی تھی۔ وہیں رک گئی اور ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"پلیز سوامی جی! میرے ڈیڈی کو ٹھیک کر دیں"

مسٹر پانڈے کو واقعی شدید درد شروع ہو چکا تھا۔ وہ پلنگ پر تڑپ رہا تھا۔ میں صوفے سے اٹھ کر پلنگ پر بیٹھ گیا اور پانڈے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"مسٹر پانڈے، جس جگہ درد ہوتا ہے وہاں میرا ہاتھ رکھ دیں"

مسٹر پانڈے درد سے بلبلا رہا تھا۔ اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اپنے جسم پر جہاں گردے ہوتے ہیں رکھ دیا اور دل میں کہنے لگا۔ چندریکا اب میری عزت رکھ لینا۔ جو تم نے کہا تھا وہ کر دکھانا۔

اور ایسا ہی ہوا میرے ہاتھ کے پانڈے کے جسم پر رکھنے کی دیر تھی کہ اس کا سارا درد ایک دم سے کافور ہو گیا۔ کہاں وہ درد سے بلبلا رہا تھا اور کہاں اب پہلو کے بل لیٹا بالکل ساکت ہو گیا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اتنا شدید گردے کا درد صرف ایک آدمی کے ہاتھ لگانے سے ختم ہو سکتا ہے۔ میں نے کہا۔

"مسٹر پانڈے! اٹھ کر بیٹھ جائیں۔ آپ کی تکلیف ختم ہو گئی۔"

وہ آہستہ سے سیدھا ہوا۔ جب اس نے دیکھا کہ واقعی درد بالکل جاتا رہا ہے تو وہ بستر پر ذرا سا اوپر ہو کر پلنگ کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا وہ میری طرف احسان مند اور حیران پریشان نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"سوامی جی! آپ نے تو کمال کر دیا۔ ذرا سا بھی درد باقی نہیں رہا"

میں نے کہا۔

"پانڈے جی! مجھے آپ کے لئے سوامی ہری ناتھ جی کے مندر میں جا کر ایک چلہ کرنا پڑے گا۔ اس کے بعد آپ کو گردے کا درد ساری زندگی نہیں ہو گا"

پانڈے بڑی عاجزی اور عقیدت کے ساتھ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ میناکشی کی خوشی کی انتہا نہ رہی تھی۔ وہ کہنے لگی۔

"ڈیڈی! میں نے نہ کہا تھا کہ سوامی جی تو انتریامی گورو ہیں"

پانڈے اب اٹھ کر بالکل ٹھیک ٹھاک ہو کر بیٹھ گیا تھا۔ کہنے لگا۔

"سوامی جی! میرے گردے میں تین پتھریاں ہیں۔ ساری تکلیف ان پتھریوں کی وجہ سے ہے۔ ڈاکٹر کہتا ہے مجھے شوگر بہت زیادہ ہے آپریشن خطرناک ثابت ہو سکتا ہے"

میں نے کہا۔

"مسٹر پانڈے! آپ گھبرائیے نہیں میں آپ کی ساری پتھریاں ختم کر دوں گا"

میں یہ کام ایک دم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ وہ میرے نیچے لگا رہے اور اسے میری ضرورت محسوس ہوتی رہے۔ اب وقت آگیا تھا کہ میں ترپ کا وہ دوسرا پتا نکالوں جو مجھے چندریکا نے دیا تھا۔ میں نے پانڈے سے کہا۔

"ذرا مجھے اپنا ہاتھ دکھائیں"

اس نے اپنی بھدی سی پھولی ہوئی ہتھیلی بڑے اشتیاق اور عقیدت کے ساتھ میرے آگے کر دی۔ مجھے اس ہتھیلی پر سوائے بیکار قسم کی لکیروں کے اور کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ میں نے بڑے ماہر ہاتھ دیکھنے والوں کی اداکاری کرتے ہوئے اس کی ہتھیلی کو ادھر ادھر سے دبا کر دیکھا اور کہا۔

"اپنا ہاتھ پیچھے کر لیں۔ مجھے جو دیکھنا تھا دیکھ لیا"

میناکشی نے پوچھا۔

"گورو دیو! آپ نے کیا دیکھا ہے؟ کچھ ہمیں بھی بتائیے"

میں نے اپنی توجہ پانڈے کی طرف کر لی اور اس کی طرف گھور کر دیکھنے لگا۔ میں نے پوچھا۔

"پانڈے جی! آپ کی ترقی کی فائل اوپر پردھان منتری کے سیکریٹریٹ میں گئی ہوئی ہے"

پانڈے نے فوراً کہا۔

"ہاں ہاں جی۔ گئی ہوئی ہے مگر دو سال ہو گئے ہیں وہیں پڑی ہے۔ دراصل وہاں میرا ایک دشمن بیٹھا ہے۔ وہ فائل کو دبائے ہوئے ہے۔ صرف اس پر اندرا جی کے دستخط ہونے ہیں۔ ایک بار دستخط ہو جائیں تو میرا بیڑا پار ہو جائے گا۔ میں جس جگہ پر بیٹھا ہوں اس پوسٹ پر پکا ہو جاؤں گا اور میری ترقی بھی ہو جائے گی"

میناکشی نے مجھ سے التجا کرتے ہوئے کہا۔

"پلیز گورو جی! میرے ڈیڈی کا کام کر دیں آپ تو سب کچھ کر سکتے ہیں"

میں نے آہستہ آہستہ سر ہلاتے ہوئے بڑی شان بے نیازی سے کہا۔

"ہو جائے گا۔ سب کام ہو جائے گا۔ تھوڑا وقت لگے گا۔ اس کے لئے مجھے ایک خاص چلہ کرنا پڑے گا"

پانڈے نے میری خوشامد کرتے ہوئے کہا۔

"سوامی جی! آپ جتنی رقم کہیں گے میں آپ کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ پلیز آپ چلہ شروع کر دیں۔ یہ میری زندگی میرے مستقبل کا سوال ہے"

میں نے کہا۔

"میں ابھی آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا ویسے اتنا ضرور وشواش دلاتا ہوں کہ اگر میں نے چلہ کیا تو آپ کی فائل پر اندرا گاندھی جی فوراً دستخط کر دیں گی"

پانڈے بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا۔

"آپ دھن ہیں۔ دھن ہیں' بس آج سے مجھے بھی اپنا بھگت سمجھیں۔ جو حکم کریں گے اسے فوراً پورا کروں گا۔"

میں یہی چاہتا تھا۔ مسٹر پانڈے کا اصرار تھا کہ میں ہوٹل چھوڑ کر ان کے بنگلے میں آجاؤں۔ کہنے لگا۔

"اوپر پورا پورشن خالی پڑا ہے۔ آپ جب تک احمد آباد میں ہیں ہمارے ہاں تشریف لے آئیں۔ یہ ہمارے بڑے بھاگ ہوں گے"

میناکشی نے بھی اس خواہش کا شدت سے اظہار کیا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے ہوٹل کے کمرے کا کرایہ اگلے چوبیس گھنٹوں کے لئے ادا کر دیا ہوا ہے۔ میں نے کہا۔

"کل شام کو سوچ کر بتاؤں گا"

میناکشی مجھے چھوڑنے میرے ہوٹل تک آئی۔ جانے سے پہلے میرے گھٹنوں کو چھو کر ہاتھ باندھ کر بولی۔

"سوامی جی! آپ ہمارے گھر آجائیں گے تو ہماری ساری تکلیفیں' سارے کشٹ

دور ہو جائیں گے“
میں نے کہا۔
”میں کل سوچ کر بتاؤں گا“
کہنے لگی۔
”میں کچھ نہیں جانتی۔ میں کل پانچ بجے شام آپ کو لینے آؤں گی۔ آپ تیار رہیے گا“
وہ چلی گئی۔ میں نے رات کو کریم بھائی کو فون پر بتایا کہ میں نے گوکل داس پانڈے والا مورچہ بھی فتح کر لیا ہے۔ اور را RAW کی پاکستان اور کشمیر افیرز والی سیکریٹ فائلوں تک پہنچ گیا ہوں۔
ہم کوڈ الفاظ میں باتیں کر رہے تھے۔ مگر کوڈ لفظوں میں زیادہ تفصیل سے بات نہیں ہو سکتی تھی۔ کریم بھائی نے کہا۔
”میں صبح آٹھ بجے تمہارے پاس آؤں گا۔ ناشتہ تمہارے ساتھ ہی کروں گا“
اس نے فون بند کر دیا۔
صبح ٹھیک آٹھ بجے کریم بھائی میرے ہوٹل پہنچ گیا۔ ناشتے پر میں نے اسے بتایا کہ مسٹر پانڈے پر میں نے اپنی گفتگو اور جین دھرم کی باتوں سے اتنا گہرا اثر جما لیا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ میں ہوٹل چھوڑ کر اس کے بنگلے میں چلا آؤں۔ میں نے وہاں چندریکا کی، سے جو شعبدہ بازی دکھائی تھی اس کا ذکر کریم بھائی سے بالکل نہ کیا۔ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ کریم بھائی کہنے لگا۔
”میرا خیال ہے تمہیں آج شام ہوٹل چھوڑ کر مسٹر پانڈے کے ہاں چلے جانا چاہیئے۔ اور جتنی جلدی ہو سکے اس سے یہ معلوم کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے کہ نیپام راکٹ بموں والی اسلحہ کی فوجی گاڑی جموں کب اور کس وقت دیولالی سے روانہ ہو گی۔ یہ معلوم کرنا بہت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ گاڑی دیولالی اور جموں توی کے درمیان ہی کسی جگہ تباہ ہو جانی چاہیئے۔ اگر اس فوجی مال گاڑی

کا اسلحہ کشمیر پہنچ گیا تو اس میں جو نیپام راکٹ بم ہیں وہ کشمیری مجاہدین کے مورچوں میں تباہی مچا دیں گے اور کشمیری مسلمانوں کے گھروں کو جلا کر خاکستر کر دیں گے۔“
میں نے کہا۔
”کریم بھائی! یہ تم بھی جانتے ہو کہ اتنی جلدی اتنے ٹاپ سیکریٹ کی باتیں مسٹر پانڈے سے معلوم کرنی بہت مشکل ہیں۔ لیکن میرا ٹارگٹ یہی ہے میں پوری کوشش کروں گا کہ جتنی جلدی ہو سکے ایمونیشن والی اس فوجی گاڑی کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کروں“
کریم بھائی اٹھ کھڑا ہوا۔ کہنے لگا۔
”ایک بات یاد رکھنا را کے چیف مسٹر پانڈے کے بنگلے سے مجھے ہرگز ہرگز فون نہ کرنا وہ بھارت کی ٹاپ سیکرٹ سروس کا چیف ہے۔ اس کے گھر سے جو فون کیا جاتا ہے یا باہر سے جو فون آتا ہے اس کو احمد آباد کی سنٹرل انٹیلی جینس پولیس کا خاص عملہ ریکارڈ کرتا ہے اور پوری چیکنگ کے بعد معلوم کر لیتا ہے کہ فون کہاں کیا گیا تھا اور باہر سے فون کہاں سے آیا تھا۔ مجھے فون کرنے کی ضرورت پیش آئے تو ریلوے اسٹیشن، پوسٹ آفس کے ٹیلی فون بوتھ سے یا کسی پبلک ٹیلی فون بوتھ سے فون کر لینا۔ آگے تم ان باتوں کو بہتر سمجھتے ہو۔ آخر تم ایک ٹرینڈ کمانڈو سپاہی ہو۔“
میں کریم بھائی کو چھوڑنے کمرے کے دروازے تک آیا۔ اس نے دروازہ کھولنے سے پہلے میرے کندھے پر ہاتھ رکھ کر آہستہ سے تھپتھپاتے ہوئے میرا نام لے کر کہا۔
”تم نے مسٹر پانڈے تک پہنچنے کی جو کامیابی حاصل کی ہے میں اسے انتہائی معمولی کامیابی سمجھتا ہوں اصل مرحلہ اب سامنے آیا ہے۔ یہ وہ مرحلہ ہے کہ جہاں تمہاری کمانڈو ٹریننگ، تمہاری فراست، چالاکی اور عیاری کو پرکھا جائے گا۔ تمہارے اصل امتحان کا وقت آ گیا ہے یہاں میں بھی تمہاری کوئی مدد نہیں

کر سکتا۔ کیونکہ مجھے کمانڈو سپائینگ کی نہ تو کوئی باقاعدہ ٹریننگ ملی ہے اور نہ مجھے ان باتوں کا کوئی تجربہ ہے۔ تمہیں خود حالات کا ایک ذہین کمانڈو کی طرح جائزہ لینا ہو گا۔ خود ہی آرڈر ایشوع کرنا ہو گا اور خود ہی اس آرڈر پر اس طرح عمل کرنا ہو گا کہ تم ٹارگٹ مار لو۔ میں تمہیں جاتے ہوئے ایک ہی بات کہوں گا کہ دیولالی کے ایمونیشن ڈپو سے جموں توی جانے والے اسلحہ کی فوجی ٹرین کا تباہ ہونا لازمی ہے۔"

وہ دروازے کی طرف بڑھتے بڑھتے رک گیا۔ میری طرف گھور کر دیکھا اور بولا۔

"اب تمہیں بے حد احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ تم RAW را کے چیف کے بنگلے پر رہ رہے ہو گے۔ احمد آباد کی سنٹرل انٹیلی جینس کے آدمی تمہاری نگرانی شروع کر دیں گے۔ میں تمہیں کبھی وہاں قیام کرنے کا مشورہ نہ دیتا۔ لیکن یہ ہماری مجبوری ہے۔ تم اگر باہر کسی جگہ ٹھہرتے اور مسٹر پانڈے سے راہ و رسم رکھتے تب بھی خفیہ پولیس تمہاری نگرانی شروع کر دیتی۔ باہر رہ کر تمہاری گرفتاری بڑی آسان تھی مگر را کے چیف کے مہمان بلکہ گورو کی حیثیت سے پولیس اس وقت تک تم پر ہاتھ نہیں ڈال سکتی جب تک کہ اس کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہ ہو اور تمہارا مسٹر پانڈے کے قریب رہنا بہت ضروری بھی تھا۔ اس دفعہ تم مجھ سے فون پر رابطہ کرو گے اس کے بعد کوئی پیغام وغیرہ دینا ہو تو تم مجھے رات بارہ اور ایک بجے کے درمیان ریڈیو ٹرانسمیٹر پر کوڈ الفاظ میں پیغام دے سکتے ہو۔ میں ہر رات بارہ سے دو بجے تک اپنے تہہ خانے والے کوارٹر میں موجود ہوں گا۔"

میں نے کہا۔

"مگر میرے پاس کوئی منی ٹرانسمیٹر نہیں ہے۔ سگریٹ کیس والا ٹرانسمیٹر میں اپنے پاس نہیں رکھ سکتا۔ کیونکہ میناکشی اور مسٹر پانڈے کو معلوم ہے کہ میں سگریٹ نہیں پیتا۔"

کریم بھائی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ پھر

دروازے کا گول ہینڈل گھما کر ایک دم سے دروازہ کھول دیا۔ باہر کوئی نہیں تھا۔ کوریڈور خالی پڑا تھا۔ اس نے دروازہ بند کر دیا۔

"مجھے شک سا ہوا تھا کہ باہر کوئی ہماری باتیں سن رہا ہے۔ بہرحال میں تمہارے لئے چھوٹے ریڈیو ٹرانسیٹر کا انتظام کر دوں گا۔ ہو سکتا ہے میں ایک گھنٹے بعد تمہیں ریڈیو ٹرانسمیٹر بھیج دوں۔ وہی لڑکا جو پھول لایا تھا ایک گھنٹے بعد ایک اور پھولوں کا گلدستہ لے کر آئے گا۔ گلدستے میں تمہیں ایک لفافہ ملے گا۔ اسی لفافے میں تمہارے لئے چھوٹا ریڈیو ٹرانسیٹر موجود ہو گا۔ میرے تہہ خانے والے ٹرانسیٹر کی فریکوئنسی اور مجھے بلانے کے سگنل تو تمہیں زبانی یاد ہوں گے۔"

میں نے کہا۔

"ہاں مجھے یاد ہیں"

"ٹھیک ہے اب میں چلتا ہوں۔ میری دکان پر بالکل نہ آنا۔ اور ریلوے لائن والے تہہ خانے کا رخ بھی انتہائی دیکھ بھال کے بعد کرنا۔ کیونکہ آج رات تم را کے چیف کے ہاں قیام کرنے جا رہے ہو اور کل سے احمد آباد کی خفیہ پولیس تمہارا پیچھا کرنا شروع کر دے گی۔ خدا حافظ!"

کریم بھائی نے آہستہ سے دروازہ کھول کر کاریڈور میں جھانک کر دائیں بائیں دیکھا اور پھر باہر نکل گیا۔

میں دروازہ بند کر کے پلنگ پر آ کر نیم دراز ہو گیا۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں اور اپنے مشن کے نشیب و فراز پر غور کرنے لگا۔ جب تک میں نے میناکشی اور اس کے باپ اور را کے احمد آباد والے ہیڈ کوارٹر کے چیف مسٹر جی ڈی پانڈے تک رسائی حاصل نہیں کی تھی میں بڑی آسانی سے راستہ طے کرتا جا رہا تھا۔ اس میں مجھے چندریکا کی امداد بھی حاصل تھی۔ مگر میرے مشن کا مشکل ترین مرحلہ شروع ہو رہا تھا۔ یہاں سے آگے چندریکا نے بھی میری مدد کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ حالانکہ اگر وہ چاہتی تو بڑی آسانی سے

مجھے را کے ہیڈ کوارٹر سے کشمیر میں بھارتی فوجوں کی نقل وحرکت اور پاکستان میں را کے تخریب کاری کے منصوبوں والی سیکریٹ فائلیں لاکر دے سکتی تھی۔ مگر نندی کنڈ کی مڑھی پر ہی اس نے صاف لفظوں میں مجھے کہہ دیا تھا۔

"میں جانتی ہوں تم بھارت میں کیا منصوبے لے کر آئے ہو۔ اگر تم پچھلے جنم میں میرے پتی میرے خاوند نہ رہ چکے ہوتے تو میں تمہیں زندہ نہ چھوڑتی۔ لیکن میں مجبور ہوں۔ اگر میں نے تمہیں بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے سے پہلے پہلے جوانی میں ہی ہلاک کروا دیا یا تم کسی حادثے میں مارے گئے تو مجھے اگلے جنم میں ایک لاکھ سال تک تمہارا انتظار کرنا پڑے گا۔ اسی لئے بڑھاپے کی عمر تک پہنچنے تک تمہاری حفاظت میری ذمے داری بن گئی ہے۔ لیکن میں بھارت دیس کی باسی ہوں۔ اس دھرتی نے مجھے جنم دیا اور اسی دھرتی کی خاک میں میری ہڈیوں کے پھول دفن ہیں۔ یہ میری جنم بھومی ہے۔ میں اپنی جنم بھومی سے غداری نہیں کر سکتی۔ تمہارے لئے صرف دو کام کروں گی۔ پہلا کام یہ کہ تمہیں میناکشی اور مسٹر پانڈے کی نظروں میں ایک پہنچے ہوئے جادوگر جینی گورو کی حیثیت دے دوں گی۔ دوسرا کام یہ کروں گی کہ اگر تمہارے بوڑھے ہونے تک بھارت دیس کے اندر اندر تمہاری زندگی کو کوئی مہلک خطرہ پیش آئے تو تمہیں بچانے کے لئے فوراً وہاں پہنچ جاؤں۔ اس کے علاوہ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی اور یہ مجھے کہنا بھی نہ"

میں چندریکا کی مدد سے جہاں تک پہنچنا تھا پہنچ گیا تھا۔ اس کے آگے میں اس کا محتاج بھی نہیں تھا۔ آگے مجھے جو کام کرنا تھا اس کی مجھے پوری ٹریننگ مل چکی تھی۔

میں انہی سوچوں میں گم پلنگ پر آنکھیں بند کئے لیٹا ہوا تھا کہ دروازے پر آہستہ سے ٹھک ٹھک ہوئی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ دیوار پر لگے ہوئے کلاک نے بتایا کہ مجھے پلنگ پر لیٹے سوا گھنٹہ گذر چکا ہے۔ میں نے جلدی سے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ باہر وہی لڑکا گلدستہ لئے کھڑا تھا۔ میں نے اس سے گلدستہ لے لیا۔ لڑکا واپس چلا گیا۔ دروازے کو

اندر سے لاک کر کے میں نے گلدستہ کھول دیا۔ اس کے اندر لفافہ تھا۔ لفافے میں ایک ماچس کی ڈبیا کے سائز کا سگریٹ لائٹر رکھا ہوا تھا۔

میں نے سگریٹ لائٹر کا غور سے مطالعہ کیا۔ اس ایک پیچ یعنی سکریو نچلی طرف بھی لگا ہوا تھا۔ میں نے چھوٹے چاقو کی مدد سے سکریو کھولا تو سارا مسئلہ حل ہو گیا۔ یہ ایک انتہائی طاقتور چھوٹا سا ٹرانسمیٹر تھا جس پر خفیہ سگنل دیئے بھی جا سکتے تھے۔ اور سگنل وصول بھی کئے جا سکتے تھے۔ اس طاقتور ریڈیو ٹرانسمیٹر پر بات بھی ہو سکتی تھی۔ میں نے سکریو یعنی پیچ کو دوبارہ کس دیا اور سگریٹ لائٹر اپنی واسکٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ دوپہر کو کھانا کھا کر میں پلنگ پر لیٹ کر سوچنے لگا کہ مجھے را کے چیف پانڈے کے آفس سے کشمیری مجاہدین آزادی کے خلاف استعمال ہونے والے اسلحہ کی ٹرین کے بارے میں صحیح صحیح معلومات کیسے حاصل ہو سکتی ہیں۔ ظاہر ہے میں اتنی جلدی مسٹر پانڈے سے اس قسم کا انتہائی خفیہ راز نہیں پوچھ سکتا تھا۔ وہ تو فوراً مجھے دوسرے ملک کا جاسوس سمجھ کر گرفتار کروا دیتا خواہ اس کو مجھ سے کتنا بڑا فائدہ ہی کیوں نہ پہنچنے والا ہو۔ کیونکہ یہ نیشنل سکیورٹی کا معاملہ تھا اور ہندو نیشنل سطح پر بہت کم غداری کا مرتکب ہوتا ہے۔ اگر وہ مجھے گرفتار نہ بھی کرواتا تو کم از کم وہ مجھے جموں جانے والی فوجی اسلحہ کی ٹرین کے متعلق کچھ نہ بتاتا اور آگے سے بے حد محتاط ہو جاتا مجھے تو از خود جموں توی جانے والی اسلحہ کی گاڑی کے ٹائم اور تاریخ کا سراغ لگانا تھا۔ یہ ایک طرح سے میرا پہلا امتحان بھی تھا۔ میں کافی دیر تک غور کرتا رہا۔ لیکن میں کسی فائنل نتیجے پر نہ پہنچ سکا اور سو گیا۔ سو کر اٹھا تو سہ پہر کے سوا چار بج رہے تھے۔ جلدی سے اٹھ کر غسل کیا۔ کپڑے بدلے' ماتھے پر جین دھرم کی تین سفید لکیریں ڈالیں اور میناکشی کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ شام کو مجھے لینے آئے گی۔ میں نے کافی منگوائی اور صوفے پر بیٹھ کر کافی پینے اور آگے مجھے جو کچھ کرنا تھا اس پر غور کرنے لگا۔

پہلے ہی مرحلے پر ایمرجنسی کی صورت حال پیدا ہو گئی تھی کریم بھائی کی انفارمیشن کے مطابق اسلحہ کی ٹرین جس میں نیپام راکٹ بھاری تعداد میں تھے اس مہینے کے آخر میں کسی

تاریخ کو دیولالی سے روانہ ہونے والی تھی۔ اس کے بیان کے مطابق دیو لالی سے فوجی ٹرینیں جن میں گڈز ٹرینیں بھی ہوتی ہیں دو ایک بار انڈیا کے مختلف شہروں کی طرف جاتی ہی رہتی ہیں اور گڈز ٹرینیں یعنی فوجی سپلائی کے سامان والی مال گاڑیاں وضع قطع کے اعتبار سے بالکل ایک جیسی ہوتی ہیں دیولالی سے روانہ ہونے والی کسی مال گاڑی کو دیکھ کر آپ یہ نہیں معلوم کر سکتے کہ اسی میں فوج کے لئے سپیئر پارٹس وغیرہ کا سامان جا رہا ہے یا اسلحہ لدا ہوا ہے۔ مجھے خاص طور پر اس گاڑی کی تاریخ اور روانگی کا وقت معلوم کرنا تھا جس میں کشمیری مجاہدین کے خلاف استعمال ہونے والا گولہ بارود اور نیپام بم کے راکٹ لدے ہوئے تھے۔ میرے پاس وقت بھی بہت تھوڑا تھا۔ یعنی مہینے کی آخری تاریخوں کے آنے میں صرف پندرہ بیس دن باقی تھے۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا۔ ان پندرہ بیس دنوں کے اندر اندر ہی کرنا تھا۔

میناکشی ٹھیک وقت پر ہوٹل پہنچ گئی۔

میں نے اپنی مختصر سی ضروری چیزیں اپنے بریف کیس میں سنبھال کر رکھ لی تھیں۔ خفیہ ٹرانسمیٹر والا سگریٹ لائٹر میری واسکٹ کی جیب میں تھا۔ میں میناکشی کے ساتھ ہوٹل کی لابی میں آگیا۔ یہاں ہوٹل کے کاؤنٹر پر ایک رجسٹر میں اپنے ہوٹل چھوڑنے کے خانے میں دستخط کئے اور ہوٹل کی لابی سے نکل کر میناکشی کی گاڑی میں آکر بیٹھ گیا۔ آج اس نے بادامی رنگ کی ریشمی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ گلے میں ماڈرن فیشن کی بادامی رنگ کے منکوں والی مالا تھی۔ اس نے پرفیوم بھی کوئی دوسری لگا رکھی تھی جس کی خوشبو بڑی خواب انگیز تھی۔ میں اس گجراتی ہندو لڑکی کے جذبات سے بخوبی واقف تھا۔ یہ مجھے کسی اور طرف لے جا رہی تھی جو میرا اصل راستہ نہیں تھا۔ میں نے اس لڑکی سے جتنا کام لینا تھا لے چکا تھا۔ اب کسی انتہائی ضرورت اور ایمرجنسی کے وقت ہی وہ میرے کام آسکتی تھی۔ اب میرا اصل ٹارگٹ اس کا باپ تھا۔

راستہ میں میناکشی اپنی ناف کے نیچے والے ابھار کے بارے میں مجھ سے باتیں کرتی رہی۔ اسے بڑی تشویش تھی۔ کہنے لگی۔

"مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ کہیں یہ کینسر نہ بن جائے۔ اس لئے میں لیڈی ڈاکٹر کے پاس نہیں جاتی۔ کہیں وہ یہ نہ کہہ دے کہ یہ کینسر ہے"

میں نے سنجیدہ اور باوقار انداز میں کہا۔

"اس کی فکر تم مجھے دے دو۔ تمہارا یہ ابھار میں دور کر دوں گا۔ بھگوان نہ کرے اگر تمہیں کینسر بھی ہو گیا تو میں بھگوان شیوا کی مدد سے وہ بھی ختم کر دوں گا"

میناکشی نے خوف زدہ لہجے میں کہا۔

"نہیں نہیں سوامی جی! مجھے کینسر نہیں ہونا چاہئے میں تو خودکشی کر لوں گی"

وہ اس قسم کی باتیں کرتی رہی اور گاڑی ان کے بنگلے میں داخل ہو کر پورچ میں رک گئی۔ مسٹر پانڈے مجھے لینے کے ئے بلکہ میرا سواگت کرنے کے لئے لابی میں ایک ملازمہ کے ساتھ خود موجود تھا۔ میں بڑی شان سے گاڑی میں سے نکل کر سادھو سنتوں کی طرح ہاتھ اوپر اٹھائے مسٹر پانڈے کی طرف بڑھا۔ جیسے اسے آشیرباد دے رہا ہوں۔ اس نے آگے بڑھ کر میرے پاؤں چھوئے اور بولا۔

"سوامی جی! میرے دھن بھاگ کہ آپ میری کٹیا میں پدھارے"

وہ انگریزی کی بجائے اب ہندی زبان میں مجھ سے بات کرنے لگا تھا۔ جس طرح چیلے اپنے گرو سے بات کرتے ہیں۔ اس نے میناکشی سے کہا۔

"میناکشی! سوامی جی کو اوپر ان کے کمرے میں لے جاؤ میں ابھی آتا ہوں"

گردے کی تکلیف دور ہو جانے کی وجہ سے مسٹر پانڈے پہلے سے زیادہ صحت مند اور چاق وچوبند نظر آ رہا تھا۔

میناکشی مجھے لے کر اوپر والے پورشن میں آگئی۔ ملازمہ نے میرا بریف کیس تھام لیا تھا۔ اوپر تین کمرے تھے۔ ایک بیڈ روم' ایک ڈائننگ روم اور ایک ڈرائنگ روم' ڈرائنگ روم کے آگے ایک کشادہ ٹیرس یعنی بالکونی تھی۔ سارے کمرے بڑے خوبصورتی سے سجے تھے۔ ریشمی پردے' قیمتی فرنیچر' کچن اور باتھ روم بھی بہت اعلیٰ تھا۔ تینوں کمروں

میں شیو بھگوان کے رقص کے انداز والے کانسی کے بت کونوں میں رکھے تھے۔ ڈرائنگ روم کی دیوار پر جین دھرم کے بانی مہاویر وردھمن کی پینٹ کی ہوئی تصویر لگی تھی۔ اس تصویر کی دائیں اور بائیں جانب پنڈت نہرو اور مہاتما گاندھی کی تصویریں لگی تھیں۔ میزوں پر پھولوں کے گلدستے رکھے تھے۔ ہر کمرے میں ٹیلی فون لگا تھا۔

تھوڑی دیر میں میناکشی کا باپ مسٹر پانڈے بھی وہاں آگیا ہاتھ باندھ کر بولا۔

"سوامی جی! کوئی کمی رہ گئی ہو تو مجھے شما کر دینا۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو حکم کیجئے"

میں نے کہا

"سب ٹھیک ہے۔ ہم جین دھرم کے سادھو بھگت ہیں۔ ہم تو ننگی زمین پر بھی رات گذار لیتے ہیں"

رات کا کھانا میناکشی اور مسٹر پانڈے نے میرے ساتھ مل کر وہیں ڈائننگ روم میں کھایا۔ مجبوراً مجھے سبزیاں اور دال کھانی پڑ رہی تھی۔ کیونکہ جینی سبزی خور ہوتے ہیں اور گوشت پیاز لہسن وغیرہ بالکل نہیں کھاتے۔ بڑا بے مزہ کھانا تھا۔ کھانے کے بعد مسٹر پانڈے نے میناکشی سے کہا۔

"بیٹی! تو سوامی جی کے پاس بیٹھ میں نیچے جاتا ہوں۔ دلی سیکریٹریٹ سے ایک ضروری کال آنے والی ہے"

وہ چلا گیا۔ دلی سیکریٹریٹ سے آنے والی ضروری کال کا سن کر میرا خیال اپنے مشن کی طرف چلا گیا۔ میں سوچنے لگا کہ مسٹر پانڈے کو دلی سیکریٹریٹ سے جو ضروری کالیں آتی ہیں ان کا بھی خیال رکھنا ہو گا۔ ہو سکے تو انہیں اوپر والے ٹیلی فون کے ذریعے ٹیپ کر لینا ہو گا۔ میناکشی نے کافی اوپر ہی منگوا لی۔

ہم ٹیرس میں آکر بیٹھ گئے۔ رات بڑی خوبصورت تھی دریائے سابرمتی کی طرف سے ٹھنڈی ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ نیچے باغیچے میں بجلی کے قمقمے روشن تھے۔ اونچے طبقے کے لوگوں کا علاقہ تھا۔ بڑے بڑے باغیچوں والی کشادہ کوٹھیاں تھیں۔ ٹریفک

کا شور بالکل نہیں تھا۔ بڑی پر سکون خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

میناکشی مجھ سے اپنے مستقبل کا حال پوچھنے لگی۔ میں کب انڈیا کی سب سے بڑی ڈانسر بنوں گی؟ میری شادی کس سے ہوگی؟ میں خوبصورت ہی رہوں گی نا؟ وغیرہ وغیرہ میں اس کے ہر سوال کے جواب میں مسکرا کر کہتا۔

"میناکشی! تم کیوں فکر کرتی ہو۔ میں جب تک تمہارے ساتھ ہوں تم جو چاہو گی وہی ہو گا"

میناکشی نے فرط جذبات سے مغلوب ہو کر میرے دونوں ہاتھ اپنے سینے سے لگا لئے۔

میں نے جلدی سے ہاتھ پیچھے کھینچ لئے اور اس کے شانے کو پیار سے تھپتھپا کر کہا۔

"اب تو نیچے جاکر آرام کر میرا بھی پرارتھنا کا وقت ہو گیا ہے"

میناکشی نے بڑی بے باکی سے کہا

"سوامی جی! میں آپ کے کمرے میں نہ سو جاؤں؟ ڈیڈی کچھ نہیں کہیں گے۔ میں آپ کے قدموں میں سو جاؤں گی"

یہ لڑکی میرے کنٹرول سے باہر ہوتی جا رہی تھی۔ اسے کنٹرول کرنا ضروری تھا۔ میں نے اسے ہلکا سا ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"میناکشی! تم ہماری پرارتھنا' ہماری تپسیا' بھنگ کرنا چاہتی ہو؟ تمہیں معلوم نہیں کہ مہاویر جی کو ایسی باتیں ناپسند ہیں۔ جاؤ نیچے جاکر سو جاؤ"

میناکشی کچھ ڈر سی گئی۔ جلدی سے اٹھی۔ میرے پاؤں چھوئے اور نمسکار کہہ ساڑھی سنبھالتی واپس چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں بھی بیڈ روم میں آگیا۔ کچھ د صوفے پر بیٹھا شیلف میں سے انگریزی کی ایک کتاب نکال کر پڑھتا رہا۔ مجھے کیا خاک پرارتھنا اور تپسیا کرنی تھی۔ میرے ذہن میں تو ایک ہی خیال گردش کر رہا تھا کہ کشمیر اسلحہ لے کر جانے والی فوجی ٹرین کس تاریخ کو کس وقت بھارت کے ریلوے اسٹیشن دیولالی سے جموں توی کی طرف روانہ ہو گی اور اس ٹرین کا ڈیپارچر نمبر کیا ہو گا۔

جب میں سوچ سوچ کر تھک گیا اور کوئی مناسب ترکیب میری سمجھ میں نہ آئی تو میں اٹھ کر غسل خانے میں گیا۔ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا۔ میری مونچھیں کافی بڑی ہو گئی تھیں اور بال بھی لمبے ہو گئے تھے۔ مجھے دلی والے مجاہد اور اپنے ساتھی اور ایک طرح سے ماسٹر سپاہی شیر علی نے مشورہ دیا تھا کہ میں اپنی مونچھیں بڑی کر لوں اور بال بھی بڑھا لوں کیونکہ مجھے شیر علی کے ریستوران والوں نے ایک نظر دیکھ رکھا تھا اور خاص طور پر ریستوران کے ہندو لاؤنج منیجر سے تو میرا تعارف بھی کرایا گیا تھا۔ وہ میری شکل سے خاصا واقف ہو گیا تھا اور یہ بات یہاں احمد آباد میں میرے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ دلی کے ماسٹر سپاہی شیر علی نے اس سے میرا تعارف اپنا بھانجا کہہ کر کرایا تھا۔ اس حساب سے ہندو لاؤنج منیجر کو معلوم تھا کہ میں ہندو نہیں بلکہ مسلمان ہوں جب کہ احمد آباد میں ہندو جینی کے روپ میں اپنی کمانڈو جاسوسی سرگرمیاں جاری رکھے ہوئے تھا۔ اصل میں اس وقت تک شیر علی میرے مشن سے آگاہ نہیں تھا کہ میں اتنے اہم اور نازک مشن پر انڈیا میں آیا ہوں۔ اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا تھا اور اس نے مجھے ہدایت کی تھی کہ اب میں یہی کروں کہ اپنا حلیہ تھوڑا بہت تبدیل کر لوں۔

ماسٹر سپاہی شیر علی نے بھی مجھے تاکید کی تھی کہ میں دلی آؤں تو اسے خفیہ طور پر رات کو ملوں اور کوئی پیغام دینا ہو یا کشمیری مجاہد کمانڈو شیروان کو کوئی پیغام دینا ہو تو ریڈیو ٹرانسمیٹر پر اس سے کوڈ الفاظ میں بات کروں۔ میرے پاس اپنے دلی کے ماسٹر سپاہی شیر علی اور کشمیری مجاہد کمانڈو شیروان دونوں کے ٹرانسمیٹروں کی فریکوینسیاں اور خفیہ ناموں کے اشارے موجود تھے۔ غسل خانے کے آئینے میں ہی میں نے اپنی پیشانی پر بنے ہوئے جینی ہندوؤں کے تلک کے نشان دیکھے۔ مجھے ہنسی آگئی میں نے وہیں تولیے سے رگڑ کر نشان مٹا دیئے پھر منہ ہاتھ دھویا۔ صبح کو مجھے پھر یہ تلک کے نشان ماتھے پر لگانے تھے۔ یہ میرے مشن کا تقاضا تھا۔

اس کے بعد میں نے بیڈ روم کی سوائے پلنگ کے ٹیبل لیمپ کے باقی ساری بتیاں بجھا دیں۔ بالکونی کو کھلنے والے دروازے پر پردہ لٹک رہا تھا۔ میں نے پردے کو تھوڑا سا

ایک طرف ہٹا کر باہر دیکھا۔ بالکونی کے اوپر سے مسٹر پانڈے کے بنگلے کا گیٹ اور بنگلے آگے سے گذرنے والی چھوٹی سی سڑک کا سارا منظر باغ کے قمقموں کی روشنی میں دکھا دے رہا تھا۔ میں جانتا تھا اس بنگلے کے باہر سیکریٹ پولیس کے دو ایک آدمی ضرور ڈیو موجود رہتے ہوں گے۔ اور انہوں نے ایک جینی سوامی کے روپ میں مجھے بنگلے میں پانڈے کی بیٹی کے ساتھ آتے ضرور دیکھا ہو گا۔ بنگلے کا گیٹ بند تھا۔ باہر ایک گو چوکیدار سٹول پر بیٹھا پہرہ دے رہا تھا۔ سڑک خالی پڑی تھی۔ وقت رات کے سوا دس کا تھا۔ مجھے وہاں سوائے گورکھا چوکیدار کے اور کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ میں پیچھے ہٹنے ہی تھا کہ ایک سایہ سا ایک درخت کے پیچھے سے نکل کر کوٹھی کے گیٹ کے قریب سے ہ آگے نکل گیا۔ چند قدم آگے جا کر یہ انسانی سایہ رک گیا۔ یہاں روشنی تھی یہ کوئی دبلا آدمی تھا۔ اس نے بنگلے کی بالکونی کی طرف چہرہ اٹھا کر تھوڑی دیر دیکھا اور واپس سڑک دوسری جانب کے درختوں کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

یہ سوائے سیکریٹ سروس کے آدمی کے اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ میرے لئے یہ تعجب کی بات نہیں تھی۔ نیشنل سکیورٹی کے ٹاپ کے آفیسر کی کوٹھی کے باہر خفیہ پو والوں کی نگرانی ضروری تھی اور یہ بات مسٹر پانڈے کو بھی معلوم ہو گی۔ میں صرف دیکھنا چاہتا تھا کہ رات کے وقت بنگلے کے باہر سیکریٹ سروس کے آدمی موجود رہتے نہیں۔ عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ سرکاری اداروں کے سربراہوں اور وزیروں کی کوٹھی کے باہر مسلح پولیس پہرہ دیتی ہے مگر سیکریٹ سروس اور خاص طور پر را اور سنٹرل جنیس سروس جیسے بھارتی خفیہ اداروں کے دفاتر اور سربراہوں کی رہائش گاہوں کے مسلح پولیس نہیں لگائی جاتی تاکہ خوامخواہ لوگوں کی نظریں اس طرف نہ اٹھیں۔ اداروں کو جان بوجھ کر نامعلوم معمولی اور گمنام سا رکھا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر میں خاص طور پر مسٹر پانڈے کے بنگلے میں داخل ہونے سے پہلے نوٹ کیا تھا۔ کہ بنگلے کے نام کی گجراتی اور انگریزی زبان میں لکھی ہوئی جو تختی لگی تھی اس پر اس کا صرف لکھا ہوا تھا۔ نیچے را RAW ہیڈ کوارٹر کے چیف کا عہدہ بالکل نہیں لکھا تھا۔

میں اس حقیقت سے باخبر تھا کہ یہ جو انٹیلی جنیس کا آدمی بنگلے کے سامنے والے درختوں میں آتا جاتا نظر آیا ہے اس نے مجھے اندر جاتے دیکھ لیا ہے اور یا تو اس نے اپنی ڈائری میں نوٹ کر لیا ہو گا اور اگر اس کے پاس کوئی چھوٹا ٹرانسیسٹر نہیں ہے تو قریبی ٹیلی فون بوتھ سے اپنے ادارے کے سربراہ کو بتا دیا ہو گا کہ مسٹر پانڈے کے گھر ایک اجنبی جینی سوامی جی اس کی بیٹی کے ہمراہ داخل ہوئے ہیں۔ مجھے یہ بھی معلوم تھا کہ خفیہ پولیس والوں کو کل ہی پتہ چل جائے گا کہ میں مسٹر پانڈے کے بنگلے پر ٹھہرا ہوا ہوں اور کل ہی سے میری بھی نگرانی شروع ہو جائے گی۔ ایک آدمی کی ڈیوٹی لگا دی جائے گی جو میرے پیچھے لگا رہے گا اور میری نقل و حرکت نوٹ کرتا رہے گا اور جہاں جہاں میں جاتا ہوں اس سے اپنے باس کو آگاہ کرتا رہے گا۔ مجھے اس کی پروا نہیں تھی۔ کیونکہ ایک تو مجھے ایسے خفیہ پولیس والوں سے نمٹنے کی ٹریننگ ملی ہوئی تھی۔ دوسرے میں نے اپنی نقل و حرکت میں محتاط رہنے کا تہیہ کیا ہوا تھا۔

میں ٹیرس والے پردے کو ٹھیک کر کے پلنگ پر آ کر لیٹ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔ کمرے میں ٹیلی ویژن سیٹ پڑا تھا۔ ابھی بھارت میں بھی نیا نیا ٹیلی ویژن یعنی دور درشن آیا تھا اور بلیک اینڈ وائٹ ہی چلتا تھا۔ یہ میں سن 1964ء کی بات کر رہا ہوں۔ آپ کو یاد ہو گا کہ ان دنوں کشمیر میں مجاہدین کی سرگرمیاں بڑی تیز ہو گئی تھیں۔ اور بعد میں کشمیری مجاہدین کی پے در پے کامیابیوں سے بوکھلا کر ستمبر 1965ء میں بھارت نے پاکستان پر حملہ کر دیا تھا۔

ابھی مجھے پوری طرح نیند نہیں آئی تھی۔ غنودگی کے عالم میں تھا کہ مجھے کمرے کی فضا میں ایک خوشبو سی محسوس ہوئی یہ خوشبو میرے لئے اب اجنبی نہیں تھی۔ یہ لوبان کی خوشبو تھی۔ چندریکا کی زعفرانی ساڑھی اور اس کے گندمی بدن سے اٹھنے والی خوشبو تھی۔ میں آنکھیں کھول کر جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ بیڈ روم میں ٹیبل لیمپ کی خواب آور ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ لوبان کی خوشبو برابر آ رہی تھی۔ میں نے آہستہ سے پوچھا۔

"چندریکا! کیا تم ہو؟"

مجھے چندریکا کی ہلکی سی نقرئی ہنسی کی آواز آئی۔ چندریکا میرے بیڈ روم میں مو
تھی۔ میں نے کہا۔

"اگر تم میرے کمرے میں آگئی ہو تو میرے سامنے ظاہر کیوں نہیں ہوتیں؟"

چندریکا میرے سامنے ظاہر نہ ہوئی۔ اس کی آواز آئی۔

"مینا کشی کے گھر میں آنا مبارک ہو"

میں نے کہا۔

"چندریکا! تم میرے دل کا سارا حال جانتی ہو۔ تم یہ بھی جانتی ہو کہ میں کیا مشن لے کر تمہارے ملک بھارت میں آیا ہوا ہوں۔ پھر بھی تم مجھ پر شک کرتی ہو؟"

چندریکا کی آواز آئی

"میں تم پر شک کہاں کرتی ہوں؟ میں تو تمہیں ایک خوبصورت نوجوان گجراتی ڈانسر کے گھر میں مہمان بن کر آنے کی مبارک باد پیش کر رہی ہوں"

میں نے چندریکا سے کہا۔

"نہیں نہیں چندریکا جو تم سمجھ رہی ہو وہ بات نہیں ہے۔ مجھے میناکشی سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یقین کرو جب سے تمہارے ملک اور تمہاری جنم بھومی بھارت میں داخل ہوا ہوں صرف تم ایک ایسی لڑکی ہو جو مجھے اچھی لگی ہے اور اب تو میں نے تمہیں اپنی بیوی ہونا بھی تسلیم کر لیا ہے"۔

اصل میں اس وقت مجھے ضرورت تھی کہ میں چندریکا کی تھوڑی بہت خوشامد
اگرچہ اس نے مجھے سختی سے کہہ دیا ہوا تھا کہ وہ میری کسی بھی ایسی تخریبی کارروا
شامل نہیں ہوگی اور اس کارروائی میں میری مدد نہیں کرے گی جو اس کی جنم بھومی
نقصان پہنچانے والی ہو۔ پھر بھی میں نے سوچا کہ خوشامد عورت کو بہت پسند ہوتی ہے
کوئی مرد کسی عورت کی تعریف کرے اور اس سے اپنی وابستگی اور محبت کا اظہار

وہ پگھل جاتی ہے۔ جب میں نے چندریکا سے اس قسم کی پریم بھری بات کی تو وہ ظاہر ہو گئی آج رات اس نے زعفرانی ساڑھی کی بجائے نیلے رنگ کی ریشمی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ وہ اس ساڑھی میں واقعی بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔ وہ میری طرف دیکھ کر مسکرائے جا رہی تھی۔

کہنے لگی۔

"کیا تم سمجھتے ہو کہ مجھے معلوم نہیں کہ تم اپنے دل میں کیا سوچ رہے ہو اور تم نے کیا سوچ کر میری تعریف کی ہے اور مجھ سے محبت کا اظہار کیا ہے؟"

پھر اس نے میرا اسلامی نام لیا۔ اسے میرے پاکستان والے اسلامی نام کا بھی علم تھا جو میں نے ابھی تک اپنی سچی آپ بیتی پڑھنے والے قارئین کو بھی نہیں بتایا۔ وہ میرا اسلامی نام لے کر مخاطب ہوئی۔

"تم دنیا کی ہر عورت کو بے وقوف بنا سکتے ہو مگر مجھے نہیں۔ کیونکہ تمہارے دل میں جو کچھ ہوتا ہے میں اسے پڑھ لیتی ہوں۔ میں تو صرف تمہارے اس جنم کے مادی جسم کی دیوانی ہوں۔ کیونکہ میرا پچھلے جنم کا خاوند اور کنور پتی صرف تمہارے مادی جسم کی شکل میں موجود ہے۔ تمہارا ذہن تمہارے خیالات اور عقیدے میرے پچھلے جنم کے ہندو خاوند والے نہیں ہیں۔ اگر تم اس جنم میں ہندو پیدا ہوتے تو میں تمہیں کب کی یہاں سے نکال کر پرلاک کو لے گئی ہوتی۔ مگر یہ میری بدقسمتی ہے کہ تم اس جنم میں بھارت کے کسی ہندو گھرانے میں پیدا ہونے کی بجائے ایک مسلمان کے گھر میں پیدا ہو گئے ہو۔ یہ مجھے میرے برے کرموں کا پھل ملا ہے۔ تم میری تعریف کرو چاہے نہ کرو۔ مجھ سے محبت کرو چاہے نہ کرو۔ میں تو تمہارے اس جنم میں تمہارے بوڑھے ہو کر مرجانے تک تمہارے ساتھ رہوں گی اور جب تمہاری روح تمہاری آتما تمہارے مادی جسم کو چھوڑ کر باہر نکلے گی تو میں اس سے لپٹ کر اسے اپنے ساتھ پرلوک لے جاؤں گی"

میں نے بھی کھلے دل سے اسے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اگر تم چاہتی ہو کہ میری روح دوسرے جنم میں تم سے محبت کرے، تمہیں اپنی پیاری بیوی سمجھے تو پھر مجھے صرف اتنا بتا دو کہ دیولالی کے ریلوے اسٹیشن سے اسلحہ لے کر ملٹری ٹرین کس روز اور کس وقت جموں توی جا رہی ہے"

چندریکا کا چہرہ ایک لمحے کے لئے سنجیدہ ہو گیا۔ اس کے چہرے پر آہستہ آہستہ ناگواری کے تاثرات ابھرنے لگے۔ وہ بولی۔

"میں نے تمہیں پہلی اور آخری بار بتا دیا تھا کہ میں تمہاری کسی ایسی کارروائی میں شامل نہیں ہوں گی جس کا مقصد میری جنم بھومی بھارت کو نقصان پہنچانا ہو"

میں نے کہا۔

"لیکن تم میری کاروائی میں برابر کی شریک ہو۔ تم نے جو مجھے میناکشی اور مسٹر پانڈے تک پہنچانے کی غرض سے جو شعبدہ بازیاں میرے ذریعے کی ہیں تو یہ بھی بھارت کے خلاف تخریبی کارروائی میں شریک ہونے کے برابر ہی ہیں"

چندریکا نے سخت چڑ کر کہا

"یہ میری مجبوری تھی۔ بس میں تمہاری اس حد تک ہی مدد کر سکتی ہوں۔ اس کے آگے میں تمہاری کسی کمانڈو کارروائی کسی کمانڈو مشن میں نہ شریک ہوں گی نہ تمہاری کوئی مدد کروں گی۔ آئندہ مجھے ہرگز ہرگز اس قسم کی کوئی بات نہ کہنا۔"

میں چندریکا کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جو کچھ بھی ہو میں اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔ میں نے اس کی دل جوئی کرنے کے انداز میں کہا۔

"اچھا میری جان! میں آئندہ کبھی ایسی بات نہیں کروں گا۔ میرا تم سے وعدہ رہا"

چندریکا کے چہرے پر ایک عجیب دل آویز سی مسکراہٹ آگئی۔ کہنے لگی۔

"سوامی! تم نے مجھے میری جان کہا ہے۔ مجھے اپنے پچھلے جنم کا وہ زمانہ یاد آگیا ہے جب میں اور تم راجستھان کے صحراؤں میں سیریں کرنے جایا کرتے تھے۔ تم چاندنی رات میں میرے سامنے شوا ڈانس کرتے تھے۔ پھر میں بھی تمہارے ساتھ رقص میں شامل ہو جاتی تھی۔ ہم دونوں دیر تک صحرا کی چاندنی میں رقص کرتے رہتے تھے۔ کبھی کبھی کسی طرف کوئی مور بھی آکر ہمارے ساتھ رقص میں شامل ہو جاتا تھا۔ پھر جب رقص تھم جاتا تو ہم جھیل کنارے بیٹھ کر پریم کی باتیں کیا کرتے تھے۔ کاش! تمہیں تمہاری روح کو وہ ساری باتیں یاد آجائیں۔"

میں خاموش رہا۔ اس کے بارے میں دل میں کوئی برا خیال بھی نہ لایا۔ کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ اسے سب پتہ چل جاتا ہے خوامخواہ اسے ناراض کرنے کی مجھے کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اتنی بات کی تصدیق ہو گئی تھی کہ وہ میرے کمانڈو مشن میں میری کوئی مدد نہیں کرے گی۔ میں نے دل میں آخری بار فیصلہ کر لیا تھا کہ آئندہ میں اس سے کسی قسم کی مدد نہیں مانگوں گا۔ وہ بڑی محبت کے موڈ میں تھی۔ پہلے روز کی طرح میرے آگے ہاتھ باندھ کر بولی۔

"میرے کنور جی! میرے سوامی! جب میں راجستھان کے راجہ کے محل میں شاہی نرتکی ہوا کرتی تھی اور تم شاہی نرت کار ہوتے تھے تو تمہارے پاس بڑے روپے پیسے ہوتے تھے۔ اب میں دیکھ رہی ہوں کہ تمہارے پاس کچھ نہیں ہے۔ تمہیں تھوڑے سے پیسے لینے ہوتے ہیں تو تم اپنے احمد آباد والے دوست سے مانگتے ہو۔ مجھ سے اپنے خاوند اپنے پتی دیو کی یہ غریبوں ایسی حالت دیکھا نہیں جاتی۔ اسی لئے یہ میرا کنگن بازار میں لے جا کر فروخت کر دینا۔ تمہیں کافی رقم مل جائے گی۔"

اور اس نے اپنی کلائی میں سے کنگن اتار کر مجھے دے دیا۔ کنگن چاندی کا تھا اور اس پر ہیرے موتی جڑے ہوئے تھے۔ میں نے شکریے کے ساتھ کنگن رکھ لیا۔ تب میرے

دل میں ایک خیال آیا اور میں نے اس سے کہا۔

"چندریکا! تم بھی مجھ سے ایک وعدہ کرو اور بھگوان کو اپنے سامنے جان کر وعدہ کرو۔"

اس نے پوچھا۔

"کونسا وعدہ؟"

میں نے کہا۔

"تم نے میرے احمد آباد والے دوست کا ذکر لیا ہے جس سے میں نے کچھ رقم لی تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہیں میری یہاں کی ساری سرگرمیوں کی پوری خبر ہے۔ مجھ سے وعدہ کرو کہ تم کبھی میری سرگرمیوں کے بارے میں کسی کے آگے کوئی ذکر نہیں کرو گی۔"

اس نے مسکرا کر کہا۔

"میرے کنور جی! میں وعدہ کرتی ہوں کہ تم بھارت درش میں رہ کر جو کچھ کر رہے ہو اور آگے چل کر جو کچھ کرو گے اس کی نہ تو میں خبر رکھوں گی اور اگر مجھے خبر بھی ہو گئی تو کسی کو کچھ نہ بتاؤں گی"

میں نے کہا۔

"اپنی جنم بھومی کی محبت کے جذبے سے مغلوب ہو کر بھی میری تخریبی سرگرمیوں کا راز کسی کو نہ بتاؤں گی۔ یہ بھی وعدہ کرو؟

چندریکا نے کہا۔

"میں وعدہ کرتی ہوں کہ اپنی جنم بھومی بھارت کی محبت سے مجبور ہو کر بھی میں تمہاری تخریبی سرگرمیوں کا کسی کے آگے ذکر نہیں کروں گی۔ یہ وعدہ میں اپنے بھگوان کو حاضر جان کر یعنی سا کھشک جان کر تم سے کرتی ہوں۔ اب تو تمہیں خوش ہو جانا چاہئے۔"

میں نے کہا۔

"ہاں۔ اب میں تم سے بہت خوش ہوں"

پھر مجھے ایک بات یاد آگئی۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"چندریکا! تم نے مجھے میناکشی اور اس کے باپ کو اپنے قابو میں کرنے کی خاطر جو طلسمی گر اور شبدے بتائے تھے اس سے پہلے تم نے مجھ سے بھی وعدہ لیا تھا کہ زندگی میں میں تمہاری ایک خواہش ضرور پوری کروں گا۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ وہ خواہش کیا ہے؟"

چندریکا نے شرماتے اور کچھ مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں مجھے یاد ہے۔ مگر اپنی یہ خواہش وقت آنے پر تم سے کہوں گی۔ ابھی اس کے اظہار کرنے کا وقت نہیں آیا۔ اب میں جاتی ہوں---؟

میں نے اسے روکنے کی کوشش نہ کی۔ جاتے جاتے وہ رک گئی۔ اس نے پلٹ کر میری طرف دیکھا اور انگلی اٹھا کر بولی۔

"میری ایک بات یاد رکھنا۔ میناکشی کو زیادہ اپنے قریب مت آنے دینا۔ اور ہاں۔ تم اپنی داڑھی کیوں نہیں بڑھا لیتے؟ پچھلے جنم میں تمہاری بڑی خوبصورت راجپوتوں ایسی سیاہ داڑھی ہوا کرتی تھی۔"

اتنا کہہ کر وہ مسکرائی اور میرے بیڈ روم کے بند دروازے کی طرف گئی اور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔

میں نے ٹیبل لیمپ کی روشنی میں چاندی کے کنگن کو غور سے دیکھا۔ اس میں چھ سات قسم کے رنگ برنگے ہیرے اور کچھ سفید چھوٹے موتی جڑے ہوئے تھے۔ مجھے پیسوں کی اتنی ضرورت نہیں تھی۔ اگر کبھی ضرورت پڑتی تھی تو کریم بھائی نے احمد آباد کے مسلمانوں کی جو خفیہ رفاہی تنظیم قائم کر رکھی تھی اس کے فنڈ میں سے نکال کر مجھے دے دیتا تھا لیکن چندریکا اگر یہ کنگن مجھے دے گئی تھی تو اس میں کوئی برائی بھی نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ کل کسی وقت صرافہ بازار جا کر اسے بیچ ڈالوں گا۔ آخر وہ کنگن مجھے اپنے پاس رکھ کر کرنا بھی کیا تھا۔

دوسرے دن میں دیر سے اٹھا۔ معلوم ہوا کہ مسٹر پانڈے اپنے آفس جا چکے ہیں
میناکشی گھر میں موجود تھی۔ ہم نے اکٹھے ناشتہ کیا۔ ناشتہ کرنے کے بعد میں نے میناکشی سے
کہا۔

"میں سوامی نارائن جی کے مندر پر ارتھنا کرنے جا رہا ہوں۔ دوپہر کے بعد
واپس آجاؤں گا"

وہ بڑی عاجزی سے بولی۔

"میرے سوامی! میرے گورو دیو! سوامی جی کے آگے میرے لئے بھی ضرور
پرارتھنا کرنا"

میں نے کہا۔

"ضرور کروں گا"

وہ بولی۔

"میں آپ کو سوامی جی کے مندر میں چھوڑ آتی ہوں"

میں اصل میں سوامی جی کے مندر میں نہیں بلکہ کنگن فروخت کرنے احمد آباد
صرافہ بازار میں جانا چاہتا تھا۔ میں نے کہا۔

"نہیں۔ میں اکیلا ہی جاؤں گا۔ ہمیں مہاویر جی کا آدیس ہے کہ سوامی نارائن
کے مندر اکیلا ہی جاؤ۔"

میناکشی خاموش ہو گئی۔ میں نے کنگن اپنی واسکٹ کی جیب میں سگریٹ لائیٹر ٹرانسمیٹر
کے ساتھ ہی رکھ لیا تھا۔ میں اکیلا ہی مسٹر پانڈے کے بنگلے سے نکل کر ایک طرف روانہ
ہو گیا۔ مجھے کچھ پتہ نہیں تھا کہ صرافہ بازار کہاں پر ہے۔ میں کوٹھیوں اور بنگلوں کے
علاقے سے نکل کر ایک بڑے بازار میں آگیا جہاں بسیں ویگنیں رکشے وغیرہ چل رہے
تھے۔ میں نے ایک خالی ٹیکسی کو روک لیا۔

بنگلے سے نکلتے ہی میں نے دیکھ لیا تھا کہ ایک آدمی میرے پیچھے لگ گیا تھا۔ یہ
پولیس کا آدمی ہی ہو سکتا تھا۔ جب میں ٹیکسی میں سوار ہونے لگا تو میں نے بڑی چالاکی

سے پیچھے دیکھا تھا۔ وہ خفیہ پولیس کا آدمی بھی ایک ٹیکسی کو ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کر رہا
تھا۔ میں نے سوچا کہ اس وقت صرافہ بازار جانا ٹھیک نہیں۔ کیونکہ میرے صرافہ بازار
جانے اور دکان پر کنگن فروخت کرنے کی ساری رپورٹ ممکن ہے مسٹر پانڈے تک بھی
پہنچ جائے۔ میں نے ٹیکسی والے سے کہا۔

"سوامی نارائن جی کے مندر چلو"

ٹیکسی آگے بڑھ گئی۔ میں نے تھوڑی دور جا کر سامنے والے شیشے میں سے دیکھا۔
خفیہ پولیس والے کی ٹیکسی بھی ہماری ٹیکسی کے پیچھے پیچھے تھوڑا فاصلہ ڈال کر چلی آرہی
تھی۔ میں اس خفیہ پولیس والے کو دھوکا دے کر اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو جانا چاہتا
تھا اور میرے ایسے ٹرینڈ کمانڈو کے لئے یہ کوئی مشکل بات نہیں تھی۔

میری ٹیکسی شہر کے مختلف بازاروں میں سے گذرتی سوامی نارائن جی کے مندر کی
طرف جا رہی تھی۔ میں نے یہ مندر پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ کسی جین بھگت کا مندر
ہی تھا۔ دو ایک بازاروں میں سے گذرنے کے بعد میں پیچھے مڑ کر عقبی شیشے میں سے دیکھ
لیتا تھا۔ خفیہ پولیس والے کی ٹیکسی برابر میرا تعاقب کر رہی تھی۔ اس کی نگاہوں میں ابھی
میں کوئی مجرم یا غیر ملکی جاسوس نہیں تھا۔ وہ تو صرف میری نقل و حرکت کی نگرانی کرنے پر
مامور تھا اور اپنی ڈیوٹی پوری کر رہا تھا۔

ٹیکسی ایک بازار کا موڑ گھوم کر دوسرے بازار میں داخل ہوئی تو سامنے سوامی نارائن
جی کا مندر تھا۔ مندر کے باہر کچھ گاڑیاں اور رکشے کھڑے تھے۔ پجاری اندر آجا رہے
تھے۔ ان میں عورتیں زیادہ تھیں۔ میں نے ٹیکسی چھوڑ دی۔ اور مندر کے اندر داخل ہو
گیا۔ دالان میں بڑی سی قنات لگی تھی۔ باہر سے آئے ہوئے یاتری بھی وہاں بیٹھے تھے۔
جین مت میں بھی بدھ کی طرح بتوں کی پوجا سے منع کیا گیا ہے مگر مہاویر وردھمن کی وفات
کے بعد اس کے پجاریوں نے خود اس کا بت بنا کر اس کی پوجا شروع کر دی تھی اور یہ پوجا
اب تک چلی آرہی تھی۔ دالان میں ایک درخت کے نیچے ایک ننگا فقیر لیٹا ہوا تھا۔ ہندو
عورتیں اور مرد اس کے آگے حلوہ پوری اور دہی کے دونے رکھ رہے تھے۔ وہ بالکل

الف ننگا تھا اور ہندو عورتوں کو ذرا سی بھی شرم حیا محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ یہ سار
تفصیلات میں اپنی طرف سے نہیں لکھ رہا۔ یہ وہ حقیقتیں ہیں جن کا مظاہرہ آج بھی پاکستا
کی نئی نسل کے نوجوان ہندوستان کے شہروں خاص طور پر گجرات کاٹھیاواڑ کے شہروں او
قصبوں میں جا کر دیکھ سکتے ہیں۔ ہندوستان کے مختلف شہروں بنارس متھرا گیا الہ آباد ا
ناگ پور میں بھی ننگے جٹا دھاری سادھو عام دیکھنے میں ملتے ہیں۔ ہندو نوجوان اور بوڑ
عورتیں ان الف ننگے سادھوؤں کی بھی پوجا کرتی ہیں اور ان کے آگے دودھ مکھن حل
پوڑی پیش کرتی ہیں۔ مگر جن شہروں میں جین دھرم کا زیادہ اثر ہے وہاں تو الف ننگے فق
گلیوں بازاروں میں چلتے پھرتے' دکانوں پر کھڑے ہو کر لوگوں سے حلوہ پوڑی مٹھائیا
سے اپنی سیوا کراتے اکثر نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جین مت میں ایک فر
کا نام ڈگمبر ہے۔ ڈگمبر فرقے کے لوگ گھروں میں بھی الف ننگے رہتے ہیں۔ اگر
اب گھروں میں جینی لوگوں کے ننگے رہنے کا رواج نہیں رہا لیکن اس فرقے کے سا
جوگی آج بھی ننگے پھرتے ہیں۔

یہاں میں پاکستان کی نئی نسل سے ایک سوال پوچھتا ہوں مجھے بتائے اگر پاکستان نہ
اور اس قسم کے الف ننگے سادھو آپ کے گھروں اور بہو بیٹیوں کے سامنے سے ا
گذرتے رہتے اور آپ انہیں روک بھی نہ سکتے تو آپ کا ہندو قوم کے ساتھ زندہ ر
اور زندگی بسر کرنا ایک عذاب نہ بن جاتا؟ اس لئے ہمارے قائد اعظم نے دو ٹوک اعلا
کر دیا تھا کہ ہندوستان میں دو قومیں رہتی ہیں۔ ایک ہندو اور دوسری مسلمان اور ا
دونوں کے رہن سہن اور تہذیب و کلچر اور مذہب میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اس لئے
مسلمانوں کے لئے ایک الگ خطہ زمین کا ہونا لازمی اور قدرتی امر ہے جہاں وہ اپنے د
اور اپنی تہذیبی روایات کے مطابق آزادی سے زندگی بسر کر سکیں۔

میں جذبات کی رو میں بہہ کر کہاں سے کہاں نکل گیا ہوں۔ اصل میں جب پاکستان ک
نئی نسل اور پاکستان کے استحکام کا سوال آتا ہے تو میں جذباتی بھی ہو جاتا ہوں۔ کیونکہ
پاکستان ہم مسلمانوں کے لئے کتنا ضروری تھا؟ اس کی نئی نسل کو خبر نہیں ہے۔ پاکستان ک

لئے ہمارے اجداد نے بلکہ خود ہم نے کتنی بڑی قربانیاں دی ہیں؟ اس کی بھی نئی نسل کو خبر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستان کی نئی نسل کو بتایا ہی نہیں گیا کہ پاکستان جب بن رہا تھا تو مسلمانوں کو کس بے دردی سے قتل کیا جا رہا تھا۔ عورتوں کے ساتھ کیسی کیسی درندگی ہو رہی تھی۔ کیسے کیسے ماؤں کے شیر جوان بیٹوں کو مکانوں میں بند کر کے آگ میں زندہ جلایا جا رہا تھا۔

بہر حال پاکستان تو قائم و دائم رہنے کے لئے بنا ہے اور انشاء اللہ ہمیشہ قائم و دائم رہے گا اور ہماری آنے والی نسلوں کو اس خطہ زمین اس اسلامی ملک پاکستان کی قدر و قیمت کا ضرور اندازہ ہو جائے گا۔

اب میں اپنی داستان اور کمانڈو آپ بیتی سنانے کی طرف واپس آتا ہوں۔ میں نے آپ بیتی کا سلسلہ وہاں چھوڑا تھا جہاں میں احمد آباد کے مشہور جین مندر سوامی نارائن کے مندر میں آگیا تھا۔ چندریکا کا دیا ہوا کنگن میری جیب میں تھا اور سیکریٹ پولیس کا آدمی میرے پیچھے لگا ہوا تھا۔ یہ مندر کافی بڑا مندر تھا اور اس کے دو تین دروازے تھے۔ میں نے چل پھر کر اس کا جائزہ لیا تھا۔ میں نے اپنا تعاقب کرنے والے سیکریٹ پولیس کے آدمی کو اپنے پیچھے مندر میں داخل ہوتے نہیں دیکھا مگر مجھے یقین تھا کہ وہ مندر میں داخل ہو چکا ہے اور مجھ پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ سیکریٹ سروس کے آدمی بڑے منجھے ہوئے اور تجربہ کار آدمی ہوتے ہیں۔ وہ جس پر ایک بار نگاہ رکھ لیں پھر اسے اپنی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے دیتے۔ اب میرا کمال اور میری کمانڈو ٹریننگ کا تقاضا یہ تھا کہ میں اس کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اس کی نظروں سے اوجھل ہو جاؤں۔ میں مندر کے ایک بڑے ہال کمرے میں آگیا۔ یہاں مہاویر وردھمن کا ننگا بت بنا ہوا تھا۔ پجاری اس کے قدموں میں مہنت کے پاس پھل مٹھائیاں اور پیسے رکھ رہے تھے۔ اس ہال کمرے کا ایک دروازہ پچھلی طرف کھلتا تھا۔ یہاں پجاری عورتوں مردوں کا کافی رش تھا۔ میں بھی اس رش میں گھس گیا اور جھک کر لوگوں کے درمیان سے ہوتا دوسرے دروازے میں سے نکل گیا۔ دوسری طرف ایک باڑھ بنی ہوئی تھی۔ میں اس میں سے بھی گذر گیا اور اب

منڈر کی عقبی سڑک پر تھا۔ یہاں مجھے جو پہلا رکشا نظر آیا اس میں بیٹھ گیا اور رکشا والے سے کہا۔

"چلو"

یہ موٹر رکشا تھا۔ رکشا سٹارٹ ہو اور سڑک پر دوڑنے لگا۔ میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا۔ سڑک خالی تھی۔ میں سیکریٹ پولیس والے کی زد سے نکل آیا تھا مجھے ہنسی آگئی اصل میں خفیہ پولیس والا بھی مجھے گرفتار کرنے کے لئے میرا تعاقب نہیں کر رہا تھا۔ صرف میری نقل وحرکت کی رپورٹ اوپر پہنچانا چاہتا تھا۔ یہ اس کا روٹین کا یعنی معمول کا کام تھا۔ آخر میں بھارت کی اتنی اہم سیکریٹ ایجنسی را کے چیف کے گھر مہمان بن کر آیا ہوا تھا۔ خفیہ پولیس کا فرض تھا کہ وہ میری نگرانی کرے اور ضمنی بھرے۔ مجھے بھی اگر جڑاؤ کنگن فروخت نہ کرنا ہوتا تو میں خفیہ پولیس کے آدمی سے بچنے کی بالکل کوشش نہ کرتا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ متعلقہ محکمے کو یہ رپورٹ دے کہ را کے چیف کے ہاں جینی بھگت ٹھہرا ہوا ہے وہ صرافہ بازار میں کنگن فروخت کر رہا تھا۔ کیونکہ مجھے یقین تھا کہ یہ رپورٹ میناکشی کے باپ مسٹر پانڈے کو بھی ملے گی۔ میں اپنے بارے میں مسٹر پانڈے کو کسی قسم کے شکوک وشبہات میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔

موٹر رکشا ذرا آگے گیا تو ڈرائیور نے مجھ سے پوچھا کہ صاب کہاں جائے گا۔

میں نے کہا۔

"صرافہ بازار لے چلو"

اس نے کہا۔

"یہاں صرافہ بازار تو کوئی نہیں ہے لا بازار لئے چلتا ہوں۔ وہاں صرافوں کی کچھ دکانیں ہیں"

احمد آباد کا لا بازار ہمارے لاہور کے بالکل انار کلی بازار جیسا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ انار کلی کے مقابلے میں دوگنا چوڑا ہے۔ میری سمجھ میں آج تک یہ بات نہیں آئی اس بازار کا نام لا بازار (LAW) کس نے اور کیوں رکھا ہے۔ اسی بازار میں سکوائش

نارنگی آم کے جوس کی دکانیں بھی تھیں اور ساڑھیوں مٹیاری اور ریڈی میڈ کپڑوں کی دکانیں بھی تھیں۔ بازار کے اندر ایک بازار تھا جہاں صرافوں اور جوہریوں کی دکانیں نظر آئیں۔ میں ایک دکان میں گھس گیا۔ ایک زرد رنگ کا بھاری توند والا گجراتی سیٹھ گدی پر بیٹھا کسی سے فون پر گجراتی زبان میں فون کر رہا تھا۔ میں دکان کے اندر کرسی پر اسی طرح بیٹھ گیا کہ بازار سے گذرنے والے مجھے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ سیٹھ فون بند کر کے میری طرف متوجہ ہوا۔ میں نے واسکٹ کی جیب سے کنگن نکال کر اس کے آگے رکھ دیا۔ وہ کبھی کنگن کو اور کبھی میری طرف دیکھتا۔ میرا خیال ہے یہی سوچ رہا ہو گا کہ میرا حلیہ تو جین مت کے سادھو سنتوں والا ہے اور پھر یہ کنگن میرے پاس کہاں سے آگیا۔ میں نے اس کا شک دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اسے بتایا کہ یہ میری بڑی موسی کا خاندانی کنگن ہے۔ اس کا بیٹا اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے واسطے ولایت جا رہا ہے۔ موسی کے پاس اپنے بیٹے کو ولایت بھیجنے کے لئے اتنے پیسے نہیں تھے۔ چنانچہ وہ اپنا یہ خاندانی کنگن فروخت کرنا چاہتی ہے۔

گجراتی سیٹھ نے میری وضاحت کی طرف زیادہ توجہ نہ دی۔ وہ بار بار کنگن پر جڑے ہوئے ہیرے موتیوں کو آتشی شیشے کی مدد سے دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ کنگن کوئی نایاب قسم کی چیز ہے۔ اس نے کنگن میرے سامنے شیشے کے کاؤنٹر پر رکھ دیا اور بظاہر بڑی بے نیازی سے بولا۔

"یہ پرانے ٹائپ کا ہے آج کل اس کا فیشن نہیں ہے۔ بولو اس کا کیا لے گا؟"

مجھے معلوم تھا کہ سیٹھ جھوٹ بول رہا ہے۔ کنگن انتہائی قیمتی تھا۔ مگر اس سے کوئی کاروبار کرنے نہیں آیا تھا۔ ویسے بھی مجھے ایک معقول رقم مل جاتی تو میرے لئے بہت تھا۔ میں نے کہا۔

"سیٹھ تم جو دے سکتا ہے بول دو"

سیٹھ نے ایک بار پھر کنگن کو غور سے دیکھا اور بولا۔

"ہم تمہیں اس کا بیس ہزار روپیہ دے گا۔ اس کے آگے ایک پیسہ بھی نہیں

دے گا۔"

کنگن کم از کم دو اڑھائی لاکھ کی مالیت کا ہو گا۔ لیکن میرے لئے بیس ہزار ہی کافی تھا۔ ۱۹۶۰ء کے زمانے میں یہ بہت بڑی رقم تھی۔ میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے سیٹھ۔ کنگن رکھ لو اور بیس ہزار روپیہ نکالو"

سیٹھ نے کنگن کاؤنٹر کی دراز میں رکھ لیا اور ہزار ہزار روپے کے بیس نوٹ گن کر میرے حوالے کر دیئے نہ اس نے مجھ سے رسید لکھوانے کا کہا نہ میں نے رسید کی کوئی بات کی۔ بیس ہزار روپے واسکٹ کی اندر والی جیب میں ڈال کر میں بازار میں آگیا۔ اب مجھے سی آئی ڈی والے کی کوئی فکر نہیں تھی۔ اگر وہ مجھے لا بازار میں گھومتے پھرتے دیکھ رہا ہے تو دیکھتا رہے۔

وہاں سے نکل کر میں دوبارہ نارائن جی کے مندر میں واپس آگیا۔ یہاں نقلی قسم کی پوجا وغیرہ کی۔ مہنت نے میری کلائی میں منگل سوتر دیکھا تو ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"مہاراج آپ تو وردان ہیں۔ مجھے کوئی سیوا بتایئے۔"

میں نے مسکرا کر کہا۔

"مہنت جی! میں تو مہاویر جی کا بھگت ہوں۔ اپنے ہاتھ سے گیندے کے دو پھول دے دیں"

مہنت نے مجھے گیندے کے پھولوں کا پورا ہار دے دیا۔ میں نے ہار اپنی کلائی کے گرد لپیٹ لیا اور مندر کے گیٹ کے آگے سے ٹیکسی لے کر واپس مسٹر پانڈے کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ میں نے میناکشی سے کہا تھا کہ میں دوپہر کے بعد آؤں گا مگر میرا کام جلدی ہو گیا تھا۔ میں اپنے اوپر والے کمرے میں آگیا۔ میں نے بیس ہزار کے نوٹ ابھی واسکٹ کی اندرونی جیب میں ہی رہنے دیئے۔ میں صوفے پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ جو توپی جانے والی ملٹری ٹرین کی معلومات حاصل کرنے کے لئے مجھے کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے۔

احمد آباد کا موسم اس روز حبس آلود سا تھا۔ ٹیرس کی طرف کھلنے والی لمبی کھڑکیوں

سفید پردے گرے ہوئے تھے۔ میرے پورشن کا ائیر کنڈیشنر بھی چل رہا تھا۔ کمرے میں بڑی خوشگوار ٹھنڈک تھی۔ اتنے میں مجھے باہر موٹر کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ میں اٹھ کر کھڑکیوں کے پاس آگیا۔ پردہ ذرا سا ہٹا کر شیشے میں سے نیچے دیکھا۔ مسٹر پانڈے کی کار بنگلے کے گیٹ میں داخل ہو رہی تھی۔ گاڑی میں اس کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی بیٹھے ہوئے تھے جو دور سے مجھے یورپین لگے۔ کیونکہ ان کے رنگ گورے تھے۔ میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا واپس صوفے پر آکر بیٹھ گیا۔ میناکشی کی گجراتن ملازمہ نے جس کو گھر میں سب بائی جی کہتے تھے مجھے اوپر جاتے دیکھ لیا تھا۔ وہ میرے لئے ٹھنڈا مشروب اور کافی بنا کر لے آئی۔

"صاحب کو کافی اچھا لگتا ہے۔ اس لئے کافی بھی لے آئی ہوں"

میں نے ہنس کر کہا۔

"بائی! تم بڑی اچھی ہو۔"

اس نے ٹرے میز پر رکھ دیا اور ہاتھ باندھ کر بولی۔

"سوامی مہاراج! میرا مالک روز رات کو شراب پی کر مجھے پیٹتا ہے۔ اس کو ٹھیک کر دو۔ آپ مہاویر کے بھگت ہیں۔ مجھ پر کرپا کرو۔"

میں نے ٹھنڈے مشروب کے دو گھونٹ پی کر کافی کی پیالی میں چمچ ہلاتے ہوئے کہا۔

"بائی چنتا نہ کرو۔ ہم تمہارے لئے ضرور پرارتھنا کرے گا۔ تمہارا مالک تمہارا غلام بن جائے گا"

وہ بڑی خوش ہوئی اور ساڑھی کے پلو سے میز کا سرا صاف کرنے لگی۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"نیچے کون آیا ہے گاڑی میں؟"

بائی بولی۔

"مالک آئے ہیں۔"

میں نے کہا۔

"کیا اکیلے ہی آئے ہیں دفتر سے؟"

وہ کہنے لگی۔

"نہیں صاحب۔ مہمان بھی ہیں گورے ہیں۔ یہ کبھی کبھی آیا کرتے ہیں۔ اچھا سوامی جی۔ میں چلتی ہوں۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے گھنٹی بجا کر بلا لینا"

میں نے کہا۔

"ٹھیک ہے بائی"

وہ چلی گئی تو میں سوچنے لگا کہ یہ گورے یورپ کے کس ملک کے آدمی ہو سکتے ہیں۔ ضرور مسٹر پانڈے نے ان سے کوئی بڑے راز کی باتیں کرنی ہوں گی جو انہیں ساتھ لے کر آفس سے بنگلے پر آئے ہیں۔

اتنے میں میرے کمرے کی ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔ دوسری طرف سے میناکشی کی آواز آئی۔

"سوامی! آپ نارائن جی کے مندر سے درشن کر کے واپس آگئے ہیں؟ میرا تو خیال تھا کہ آپ کو وہاں دیر لگے گی۔ آپ نے ہی تو کہا تھا کہ میں شام کو واپس آؤں گا"

میں نے کہا۔

"مہاویر جی کے آگے خاص پرارتھنا کرنی تھی۔ وہ کری اور واپس آگیا۔ ایک دو بازاروں کی سیر ضرور کی ہے۔ تمہارا احمد آباد شہر بڑا خوبصورت شہر ہے"

وہ خوش ہو کر بولی۔

"میں آرہی ہوں۔ آپ جائیں نہیں"

اس نے نمسکار کہہ کر فون بند کر دیا۔ میناکشی قریب ہی کسی جگہ سے فون کر رہی تھی۔ دس منٹ بھی نہیں گذرے ہوں گے کہ اس کی کار بنگلے میں داخل ہوئی۔

کمرے میں آتے ہی اس نے معمول کے مطابق میرے قدم چھوئے اور ادب سے میرے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔ کہنے لگی۔

"میں چوک والے شاپنگ سنٹر میں تھی۔ میرے دل نے کہا فون کروں۔ گورو جی آگئے ہوں گے اور آپ آگئے ہوئے تھے۔"

وہ حسب معمول مجھے دیکھ کر بے حد خوش ہوئی تھی۔ کہنے لگی۔

"کل رات ڈانس سنٹر میں رینالینی دیوی آپ کا پوچھ رہی تھی۔ کہنے لگی سوامی جی سے کہنا مجھے بھی درشن دے دیا کریں"

میں نے بے نیازی سے کہا۔

"اسے کہو مہاویر جی کی طرف دھیان لگائے۔"

اس سے پہلے کہ میناکشی کوئی اور بات کرتی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ اس کے ڈیڈی اچانک دفتر سے گھر کیوں آگئے ہیں۔ خیریت تو ہے نا؟ وہ بولی۔

"جب انہیں کسی باہر کے آدمیوں سے کوئی خاص میٹنگ کرنی ہوتی ہے تو انہیں لے کر گھر آجاتے ہیں۔ وہ سیکریٹ میٹنگ دفتر میں کبھی نہیں کرتے"

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ میں نے بظاہر بڑی بے پروائی سے پوچھا۔

"کیا کوئی خاص مہمان آئے ہیں؟"

میناکشی نے بڑی راز داری سے میری طرف جھک کر کہا۔

"آپ سے تو کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔ یہ اسرائیلی یہودی ہیں۔ دلی میں ہمارے رکھشا منتری کے فوجی کنسلٹنٹ ہیں مہینے میں دو ایک بار ہمارے ڈیڈی سے سیکریٹ میٹنگ کرنے دلی سے احمد آباد ضرور آتے ہیں۔"

میں میناکشی سے مزید کچھ پوچھنا چاہتا تھا کہ اس نے موضوع بدلتے ہوئے عاجزانہ لہجے میں کہا۔

"گورو جی! کل سے ناف کے نیچے ابھار پر پھر درد ہونے لگا ہے۔ مجھ پر کرپا کیجئے۔ شوجی بھگوان سے کہہ کر مجھے اچھا کر دیں"

میں نے کہا۔

"اچھا میں تمہاری خاطر آج رات شوجی بھگوان سے پرارتھنا کروں گا۔ اس کے

بعد تم اچھی ہو جاؤ گی"

میناکشی نے میرے گھٹنوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیئے۔ آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔

"گورو جی! میں جیون بھر آپ کا ابھاری رہوں گی۔ آپ کی سیوا کروں گی۔ بس میری یہ بیماری دور کر دیں"

میں نے اسے پوری تسلی دی تو اسے بے حد اطمینان ہو گیا۔ اس نے اپنے مستقبل کے بارے میں باتیں شروع کر دیں کہ میں جب انڈیا کی سب سے بڑی ڈانسر بن جاؤں گی تو آپ کو سونے کا تاج پہناؤں گی۔ آپ کی آرتی اتاروں گی۔ میں ہوں ہاں میں جواب دیتا رہا۔ اصل میں میرا دماغ کچھ اور سوچ رہا تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ انڈین گورنمنٹ نے اسرائیلی حکومت کے ساتھ فوجی مشاورتی امور کے سلسلے میں ایک خفیہ معاہدہ کر رکھا ہے اور اسرائیلی فوجی ماہرین بھارت میں موجود ہیں اور پاکستان کے خلاف بھارت حکومت کی تخریبی کارروائیوں میں پوری طرح شامل ہوتے ہیں۔ خاص طور کشمیر کے محاذ پر کشمیری مجاہدین کی تحریک آزادی کے کچلنے کے لئے اسرائیلی کمانڈو بھی سرگرم عمل ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اسرائیل بھی پاکستان کا دشمن ہے اور بھارت بھی پاکستان کے وجود کو ختم کرنے کی ناپاک کوششوں میں لگا ہوا ہے۔ یہ پاکستان کے دو دشمنوں کا گٹھ جوڑ تھا۔ میں یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ نیچے مسٹر پانڈے کے پاس جو اسرائیلی فوجی ماہرین دلی سے خاص طور پر آئے ہیں اور وہ کس مسئلے پر بات چیت کر رہے ہیں۔ یہ معلوم کرنا اتنا آسان نہیں تھا۔ اس معاملے میں میناکشی سے کچھ پوچھنا یا اسے اپنے اعتماد میں لینا میرے مشن کے لئے ایک خطرناک اقدام ثابت ہو سکتا تھا۔ میں دل ہی دل میں اس نقطے پر غور کرتا رہا اور میناکشی سے اس معاملے میں پھر کوئی بات نہ کی۔ وہ پڑھی لکھی باشعور لڑکی تھی۔ اسے خیال آسکتا تھا کہ آخر میں اسرائیلی فوجی مشیروں کے بارے میں اتنا کرید کرید کر کیوں پوچھ رہا ہوں۔

میناکشی برابر اپنی بیماری اور اپنے مستقبل کے بارے میں باتیں کئے جا رہی تھی۔ پھر

اس نے گھڑی دیکھی اور بولی۔

"کھانے کا وقت ہو رہا ہے۔ اچھا ہوا میں بھی آ گئی۔ ہم اکٹھے بھوجن کریں گے"

کھانے کے لئے بھوجن کا لفظ مجھے بڑا زہر لگتا تھا مگر اس وقت میں میناکشی کو یہ لفظ بولنے سے منع نہیں کر سکتا تھا۔

"میں ابھی آتی ہوں"

یہ کہہ کر میناکشی نیچے چلی گئی۔ باہر سے کار سٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ میں اٹھ کر کھڑکی کے پاس آگیا۔ پردہ ذرا سا ہٹا کر نیچے دیکھا۔ مسٹر پانڈے کا ڈرائیور گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ گاڑی کا انجن سٹارٹ ہو گیا ہوا تھا۔ اور مسٹر پانڈے اپنے اسرائیلی مہمانوں سے گاڑی کے باہر کھڑے ہاتھ ہلا کر انہیں رخصت کر رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ مسٹر پانڈے خود دفتر نہیں جا رہے تھے۔ میں نے اسرائیلی مہمانوں کو غور سے دیکھنے کی کوشش کی۔ دور سے مجھے ان کے گورے چہرے ہی نظر آ رہے تھے۔ یہ تین اسرائیلی فوجی مشیر تھے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک بریف کیس تھا۔ وہ گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی بنگلے کے گیٹ سے باہر نکل گئی۔ مسٹر پانڈے واپس مڑے میں بھی کھڑکی سے الگ ہو کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ میں واسکٹ کی جیب میں سے سگریٹ لائٹر والا ریڈیو ٹرانسمیٹر نکال کر اس کا جائزہ لینے لگا۔ اس وقت اپنے ماسٹر سپاہی کریم بھائی سے کچھ اہم باتیں کرنی بہت ضروری تھیں۔ مگر میں ریڈیو ٹرانسمیٹر پر اس سے یہ باتیں نہیں کر سکتا تھا۔ سیڑھیوں پر میناکشی کے قدموں کی خاص آواز آئی۔ وہ جس انداز سے سیڑھیاں چڑھتی تھی میں اس سے آشنا تھا۔ میں نے لائیٹر جلدی سے جیب میں رکھ لیا۔ میناکشی نے آتے ہی مسکرا کر کہا۔

"ڈیڈی کہتے ہیں ہم سب کھانا مل کر کھائیں گے۔ انہوں نے مجھے یہ پوچھنے کے لئے بھیجا ہے کہ اگر آپ کو پسند ہو تو کھانا نیچے کھا یا ڈیڈی بھی اوپر ہی آجائیں"

میں نے بے تعلق سا ہو کر کہا۔

"ٹھیک ہے۔ نیچے ہی کھالیں گے"

مسٹر پانڈے شوگر کے مریض تھے۔ سیڑھیاں چڑھتے تو دم پھول جاتا تھا۔ میں اور میناکشی نیچے اترے تو وہ میرے سواگت کو سیڑھیوں کے پاس ہاتھ باندھے کھڑے تھے میرے گھٹنے چھو کر نمسکار کہا اور بولے۔

"شما کر دیجئے گورودیو! سیڑھیاں چڑھتا ہوں تو سانس پھول جاتا ہے۔ میری یہ تکلیف بھی دور کر دیں۔ آپ انتریامی ہیں۔"

میں بڑے پہنچے ہوئے سادھو سنت کی طرح ایک ہاتھ آشیرباد دینے کے انداز میں او[پر] اٹھائے ان کے آگے آگے چلتا ڈرائینگ روم میں آگیا۔ پھر وہی سبزیوں والا پھیکا کھانا لگا ہ[وا] تھا۔ کھانے پر مسٹر پانڈے میناکشی کے بارے میں باتیں کرتے رہے کہ مجھے اس کی بھی ف[کر] ہے۔ کہیں اچھا سا یوگ مل جائے تو یہ بھی اپنے گھر آباد ہو۔ میناکشی نے کہا۔

"ڈیڈی! میں ابھی شادی نہیں کروں گی"

مسٹر پانڈے مسکرانے لگے۔

"سوامی جی! آپ ہی اسے کوئی سیکشا دیں یہ آپ کی بھگتنی ہے۔"

مسٹر پانڈے نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"آج صبح ڈاکٹر میری ایکسرے رپورٹ دے گیا ہے۔ ایکسرے میں میرے گردے کی تین پتھریاں صاف نظر آرہی ہیں۔ آپ کی کرپا سے میری کڈنی کا درد تو ختم ہو گیا ہے اب ان پتھریوں کو بھی ختم کرا دیں۔ میں تو آپ کے چرن دھو کر پیوں گا"

میں نے اسی وقت دل میں فیصلہ کر لیا کہ مسٹر پانڈے کی دو پتھریاں ضرور ختم کرا[نی] چاہئیں اور رات کو چندریکا کو بلانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دو پتھریاں غائب کرنے میں چندریکا کامیاب ہو گئی تو مسٹر پانڈے میرا مزید معتقد ہو جائے گا۔ تیسرے پتھری میں دوسرے موقع کے لئے رہنے دوں گا۔ میں نے اسے کہا۔

"پانڈے جی! تمہارے گھر میں قدم رکھا ہے تو مہاویر جی کی کرپا سے اس گھر کے

سارے کشٹ دور کر دوں گا۔ آج رات مہاویر جی کے چرنوں میں حاضری دوں گا"

مسٹر پانڈے کا زرد چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ جلدی سے الماری میں سے ایکس رے کی فلم نکال کر لے آیا۔ مجھے دکھائی۔ اس میں ایک گردے میں واقعی تین پتھریاں واضح طور پر نظر آرہی تھیں۔ دو پتھریاں بڑی تھیں ایک تھوڑی چھوٹی تھی۔ رات کو میں نے مہاویر جی کے چرنوں میں حاضری دینے کا جھوٹا ڈرامہ رچایا۔ اپنے بیڈ روم کی صفائی کرائی اگربتیاں لگائیں۔ پھولوں کے ہار لا کر رکھے۔ تین دیئے جلائے اور ہدایت کر دی کہ رات کے وقت کوئی آدمی کوئی نوکرانی میرے بیڈ روم کے قریب سے بھی نہ گذرے۔

میں پلنگ کے پاس قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ میناکشی میرے آگے پیچھے پھر رہی تھی۔ میں نے اسے حکم دیا۔

"اب تم بھی چلی جاؤ اور صبح تک یہاں مت آنا۔ جاؤ"

وہ ڈر کر فوراً چلی گئی۔

جب میں بیڈ روم میں اکیلا رہ گیا تو اٹھ کر سب سے پہلے اگربتیاں بجھائیں کیونکہ ان کی تیز خوشبو سے میرا سر چکرانے لگا تھا۔ دیئے بھی بجھا دیئے۔ پلنگ پر تھوڑی دیر لیٹ کر آرام کیا۔ اس وقت رات کے سوا گیارہ بجے تھے۔ پورے بارہ بجے میں پلنگ سے اتر کر صوفے پر آکر بیٹھ گیا اور آہستہ آہستہ چندریکا کو آوازیں دینی شروع کر دیں۔ میری تیسری آواز پر کمرے میں ایک دم سے لوبان کی خوشبو پھیل گئی۔ میں خوش ہوا۔ دوسرے لمحے چندریکا میرے سامنے والے صوفے پر بیٹھی تھی اور میری طرف گھور کر دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"تم جو کھیل کھیل رہے ہو مجھے اس سے نفرت ہے مگر کیا کروں۔ تمہاری پتنی ہونے کی وجہ سے آواگون کے چکر میں پھنس چکی ہوں۔ مجبور ہوں۔"

میں نے بڑے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

"چندریکا! اگر تم میری پتنی ہو تو میں بھی تو تمہارا پتی ہوں۔ تمہارا خاوند ہوں۔

اسی جنم میں اگر میں مسلمان کے گھر میں پیدا ہو گیا ہوں تو اگلے جنم میں پھر تمہارے پاس واپس آجاؤں گا۔ ہمارا تو جنم جنم کا ساتھ ہے"

چندریکا کے چہرے پر رونق سی آگئی۔ صوفے سے اٹھ کر میرے ساتھ آکر بیٹھ گ میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے سینے سے لگایا اور جذباتی لہجے میں سانس بھر کر بو

"کنور جی! میرے ناتھ! میرے سوامی! تم جب مجھے اپنی پتنی کہتے ہو تو میرے اندر خوشی کے جھرنے بہنے لگتے ہیں۔ پھر میں سب دکھ درد بھول جاتی ہوں۔"

میں نے سوچا اور لوہا گرم ہے اسی وقت چوٹ لگا دینی چاہئے میں نے اس کا ہاتھ لیا اور کہا۔

"تو پھر مجھے جموں توی جانے والی اسلحہ کی ٹرین کی تاریخ اور وقت بتا دو"

چندریکا نے ایک دم اپنا ہاتھ پیچھے کھینچ لیا اور جلدی سے اٹھ کر سامنے والے صو پر چلی گئی۔ اس کی آواز بھی تلخ ہو گئی۔

"میں تمہیں آخری بار کہہ رہی ہوں۔ آئیندہ اگر تم نے مجھ سے میری جنم بھومی بھارت کو نقصان پہنچانے والی کوئی بات پوچھی تو میں تمہاری زندگی کے آخری لمحوں تک تمہارے سامنے نہیں آؤں گی۔ مجھ سے مسلمانوں خاوند بن کر کبھی بات نہ کرنا"

میں نے فوراً معذرت پیش کر دی اور کہا۔

"آئندہ ایسی بات نہیں پوچھوں گا۔ میں پکا وعدہ کرتا ہوں۔ لیکن اس وقت میں نے تمہیں دو چھوٹی سی معمولی سی باتوں کے لئے بلایا ہے۔"

چندریکا میری طرف خاموش نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ کچھ نہ بولی۔ میں نے ک

"پہلی بات تو یہ ہے کہ میناکشی کو جو بیماری لگ گئی ہے اسے ختم کر دو۔ دوسری بات یہ ہے کہ میناکشی کے باپ کے گردے میں تین پتھریاں ہیں۔ ان میں سے دو پتھریاں غائب کر دو۔ تم انکار نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ تم اس معاملے میں پہلے بھی میری مدد کر چکی ہو اور میں تمہاری مدد کی وجہ سے ہی یہاں تک پہنچا ہوں"

چندریکا نے کہا۔

"تم جہاں تک پہنچ گئے ہو بس میں تمہاری یہاں تک ہی مدد کر سکتی تھی۔ اس کے آگے جو کچھ بھی کرنا ہے وہ تمہیں خود ہی کرنا ہو گا میں تمہاری کسی تخریبی کارروائی میں شریک نہیں ہوں گی۔"

میں نے کہا۔

"میں تمہاری بات پر عمل کروں گا"

چندریکا نے ہاتھ کا اشارہ کر کے کہا۔

"میرے پاس آجاؤ"

میں اٹھ کر اس کے پاس چلا گیا اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔ پھر اپنا ہرہ میرے قریب لے آئی۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں لوبان کی خوشبوؤں والے کسی گہرے کنوئیں میں اتر گیا ہوں۔ چندریکا نے اپنا سر میرے سینے کے ساتھ لگا دیا۔ وہ لمبے لبے گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ اس کا ہاتھ میرے سینے پر چل رہا تھا۔ میں اسی طرح بت بنا بیٹھا تھا۔ میں اپنی طرف جواب میں کوئی حرکت نہیں کر رہا تھا۔ اچانک چندریکا پیچھے ہٹ گئی۔ اپنی ساڑھی کو سمیٹتے ہوئے بولی۔

"یہ میں کیا کر رہی ہوں؟ یہ تو میں نے ایک خاص رات کے لئے سنبھال کر رکھنا ہے۔ جب تم میرے پچھلے اور آنے والے جنم کے خاوند مجھ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کرو گے۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟"

میں نے یونہی ہاں میں ہاں ملا دی۔

"بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اب میں نے تمہیں جو کچھ کہا ہے اس کے بارے میں بھی بتاؤ"

چندریکا بولی۔

"مسٹر پانڈے سے کہنا کہ صبح دس بجے کے بعد اپنے گردوں کا ایک اور ایکسرے کرائے اس ایکسرے میں اس کے گردوں کی پتھریاں ہمیشہ کے لئے غائب ہو چکی

ہو نگی"

"اور میناکشی کی بیماری کیسے دور ہو گی۔ وہ بھی پریشان ہے اور مجھے ابھی اس کی بھی ضرورت ہے۔"

چندریکا نے کہا۔

"صبح تمہارے لئے چائے لے کر میناکشی ہی آئے گی۔ اس کی ناف کے نیچے جو ابھار ہے اس پر اپنا ہاتھ رکھ کر ایک منٹ کے لئے آنکھیں بند کر لینا۔ جب ہاتھ اٹھاؤ گے تو میناکشی کی بیماری بھی ختم ہو گئی ہو گی"

میں چندریکا کا شکریہ ادا کرنے لگا تو وہ اٹھ کر میرے قریب آگئی اور میرے جسم کے ساتھ لگ کر بولی۔

"تم کیوں میرا شکریہ ادا کرتے ہو میرے پتی دیو! شکریہ تو میں تمہارا اس رات کو ادا کروں گی جب تم میرے ساتھ اپنا وعدہ پورا کرو گے"

میرے بدن میں خوف کی ایک سرد لہر سی دوڑ گئی۔ خدا جانے یہ عورت اپنی عنایات کے بدلے مجھ سے کس قسم کا وعدہ پورا کرانا چاہتی تھی۔ بہرحال اب میں پھنس چکا تھا۔ مجھے اس سے کیا ہوا کم از کم ایک وعدہ ضرور پورا کرنا تھا۔ چندریکا نے میرے ماتھے کو چوم لیا۔ پھر خود ہی شرما کر بیڈ روم کی خواب انگیز روشنی میں میری نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اب میں بے تابی سے صبح ہونے کا انتظار کرنا لگا۔

مگر ابھی صبح ہونے میں کافی دیر تھی۔ میں نے بیڈ روم کی بتی بجھائی اور سو گیا۔ جس وقت بیدار ہوا بیڈ روم دن کی روشنی سے جگ مگ کر رہا تھا۔ رات میں نے ٹیرس والے شیشے کے دورازوں کے سفید پردے سمیٹ دیئے۔ وہاں سے دھوپ بیڈ روم میں آرہی تھی۔ میں نے سب کو منع کر رکھا تھا کہ میرے کمرے میں کوئی نہ آئے۔ میں نے گھڑی دیکھی۔ دن کے آٹھ بجنے والے تھے۔ میں نے انٹرکام فون کا بٹن دبایا۔ نیچے یہ دوسرا فون میناکشی کے بیڈ روم میں تھا۔ یہ اسی کے بیڈ روم کے فون کا نمبر تھا۔ میناکشی نے فوراً ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو"

میں نے کہا۔

"میں تمہارا گورودیو داس ورھن بول رہا ہوں"

"گورو جی نمسکار نمسکار نمسکار۔ میں تو کب سے آپ کے فون کا انتظار کر رہی تھی مجھے معلوم تھا آپ مجھے ضرور فون کریں گے"

میں نے کہا۔

"میرے لئے کافی خود بنا کر اوپر لے آؤ اور تمہارے ڈیڈی ابھی دفتر تو نہیں گئے نا؟"

میناکشی کی آواز آئی۔

"جی نہیں گورو جی! ڈیڈی دفتر جانے کے لئے تیار ہو رہے ہیں"

میں نے کہا۔

"تم اکیلی ہی میرے لئے کافی لے کر آجاؤ اور اپنے ڈیڈی سے کہو کہ مجھ سے ملے بغیر دفتر نہ جائیں"

"جو حکم مہاراج۔ میں ابھی کافی لا رہی ہوں"

میں غسل خانے میں منہ ہاتھ دھونے چلا گیا

میں نے باتھ روم میں منہ ہاتھ دھویا۔

ماتھے پر ڈبی میں سے نیا تلک لگایا۔ اس ڈبی میں سفید جیسی تلک کا رنگ بھرا ہوا تھا اور بازار سے مل جاتی تھی۔ میری ڈاڑھی بڑھنے لگی تھی۔ چندریکا کے اشارے پر میں نے شیو کرنی بند کر دی تھی۔ غسل خانے سے باہر آ کر صوفے پر بڑے سکون سے بیٹھ گیا اور شیلف میں سے ایک جاسوسی ناول نکال کر پڑھنے لگا۔ بیڈ روم کی سیڑھیوں پر میناکشی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں نے جلدی سے جاسوسی ناول شیلف میں رکھا اور قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ آنکھیں بند کر لیں۔ اور ذرا اونچی آواز میں اشلوک پڑھنے شروع کر دیئے۔ دوسری بار دروازے پر دستک ہوئی تو میں نے بڑے جلالی انداز میں پوچھا۔

"کون ہے؟"

میناکشی کی سہمی ہوئی آواز آئی۔

"میں ہوں گورو جی میناکشی۔ آپ کی بالکا"

"آجاؤ"

ِیں نے اسی بارعب آواز میں کہا۔ میناکشی بیڈ روم میں آگئی۔ میں کنکھیوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آج اس نے ساڑھی کی بجائے بغیر آستینوں کی ٹی شرٹ اور جینز پہن رکھی تھی۔ اس لباس میں اس کا جسم باہر نکلنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔ میں نے اشارے سے اسے

ﮦ جانے کو کہا۔ وہ کافی کا ٹرے میرے قریب ہی قالین پر رکھ کر بڑی مشکل سے دو زانو ہو ر بیٹھ گئی۔ کیونکہ تنگ پتلون میں اس کے دو زانو ہو کر بیٹھا نہیں جا رہا تھا۔

میں یونہی اشلوک پڑھتا رہا۔ اشلوک سنسکرت کے تھے اور بالکل صحیح تھے۔ مجھے علوم تھا کہ کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ میں نے اشلوک پڑھنا بند کر کے آنکھیں کھول دیں ر میناکشی کی طرف دیکھا۔ اس کے بال شانوں پر کھلے تھے۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر مجھے سکار کیا۔ میں نے مسکرا کر کہا۔

"بالکا! تیرا کام ہو گیا ہے۔ بھگوان شو جی نے میری پرارتھنا سوئیکار کر لی ہے"

میناکشی کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ میرے قدموں پر دونوں ہاتھ رکھ دیئے اور بار یہی بولتی رہی۔

"دھن ہیں آپ میرے گورو دیو! دھن ہیں آپ میرے گورو جی! ----"

میں نے کہا۔

"اپنے ڈیڈی سے کہہ دیا تھا کہ مجھ سے مل کر آفس جائیں"

میناکشی میرے لئے کافی بنا رہی تھی۔ بولی۔

"جی ہاں گورو دیو! وہ کہہ رہے تھے میں سوامی جی سے ملنے خود اوپر آؤں گا"

میں نے کہا۔

"نہیں نہیں۔ انہیں اوپر آنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں کہو کہ میں خود فون پر پندرہ منٹ بعد ان سے بات کروں گا پندرہ منٹ بعد آکاش پر ایک شبھ لگن ہونے والا ہے۔ میں ٹھیک اس وقت تمہارے ڈیڈی سے بات کروں گا"

میناکشی نے اسی وقت انٹر کام پر نیچے ڈیڈی تک ساری بات پہنچا دی۔ میں نے کافی کے دو گھونٹ پیتے ہوئے میناکشی سے کہا۔

"تمہارے ڈیڈی کا کام بھی ہو گیا سمجھو"

میناکشی خوشی سے نہال ہو رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"گورو جی! میری بیماری شو بھگوان دور کر دیں گے نا؟"

میں نے کہا۔

"تمہاری بیماری ختم کرنے کا مجھے شوجی بھگوان نے حکم دے دیا ہے۔ صرف پندرہ منٹ انتظار کرو۔ میں سب سے پہلے تمہارے ڈیڈی سے بات کرنا چاہتا ہوں"

میں نے گھڑی کلائی پر سے اتار کر سامنے رکھ لی تھی اور اس پر نظر جمائے ہوئے تھا۔ یہ محض فراڈ تھا۔ ڈرامہ تھا۔ ابھی پندرہ منٹ پورے نہیں ہوئے تھے کہ میں نے میناکشی سے کہا۔

"نیچے اپنے ڈیڈی سے میری بات کراؤ"

میناکشی نے اس وقت نیچے ڈیڈی کے کمرے کا نمبر گھمایا۔ اور ڈیڈی سے کہا۔

"ڈیڈی! گورو جی سے بات کریں۔"

میں نے ریسیور ہاتھ میں لے لیا۔ دوسری طرف مسٹر پانڈے بول رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بڑی عاجزی سے نمسکار کہا اور بولے۔

"گورو جی! مجھے حکم کریں۔"

میں نے آواز میں جلال پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"گوکل داس! آج دن کے دس بجے سے پہلے پہلے اپنے گردے کا ایکس رے کرواؤ۔ ایک منٹ بھی زیادہ نہ ہو دس بجے سے پہلے پہلے گردے کا ایکس رے ہو جانا چاہیئے۔ پھر مہاویر بھگوان کی لیلا دیکھنا۔ بس اب زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں۔"

اور میں نے ریسیور رکھ دیا۔

میناکشی تجسس آمیز نظروں سے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں نے اسے تجسس میں ہی رہنے دیا اور کہا۔

"اب میں تمہاری بات کرتا ہوں۔ اٹھ کر بیڈ روم کے دروازے کو کنڈی لگا دو تاکہ کوئی اندر نہ آئے"

وہ جلدی سے اٹھی اور دروازے کی چٹخنی لگا کر میرے سامنے آکر ادب سے بیٹھ گئی۔ میں نے اسے پر جلال آواز میں کہا۔

"گھٹنوں کے بل میرے سامنے کھڑی ہو کر پتلون کو ناف سے نیچے کرو"

وہ تو میری سچی مریدنی تھی۔ میں اگرچہ پیر جھوٹا تھا مگر مریدنی سچی تھی۔ میں قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھا تھا۔ میں نے دونوں ہاتھ رشی مینوں کی طرح گھٹنوں پر رکھے ہوئے تھے۔ وہ فوراً میرے سامنے ہو کر گھٹنوں کے بل کھڑی ہو گئی۔ اس نے پتلون کے اوپر والے بٹن کھول کر پتلون ناف سے نیچے تک کھسکا دی۔ میں نے دیکھا کہ اس نے جانگیہ نہیں پہنا ہوا تھا۔ ناف کے نیچے پھوڑے کا ابھار باقاعدہ موجود تھا اور گلابی رنگت اختیار کرنے لگا تھا۔ میں دل میں سوچنے لگا کہ اگر میں اس ابھار کو ٹھیک نہ کر سکا تو میرے سارے کئے کرائے پر پانی پھر جائے گا۔ میں نے دل میں اپنے خدا کا نام لے کر اپنا ہاتھ میناکشی کے پیٹ کے ابھار پر رکھ دیا اور آنکھیں بند کر لیں۔

میرے کان میں چندریکا کی آواز آئی۔

"ایک منٹ تک ہاتھ ابھار کے اوپر ہی رکھو۔ اس کے بعد ہاتھ اٹھا دینا میں صرف یہی کہنے آئی تھی۔"

اس کے ساتھ ہی لوبان کی جو ہلکی سی خوشبو مجھے آنے لگی تھی وہ فوراً غائب ہو گئی۔ میری نگاہ گھڑی کی سوئیوں پر تھی۔ مجھے میناکشی کے جسم کے ابھار میں ہلکی ہلکی دھڑکن سی محسوس ہو رہی تھی۔ جب ٹھیک ایک منٹ گذر گیا تو میں نے ڈرتے ڈرتے ہاتھ اوپر کھسکانے لگا۔ دل میں یہی دعا مانگ رہا تھا کہ خدا میری لاج رکھ لینا۔ تو میری نیت کو جانتا ہے۔ مجھے ہاتھ رکھے رکھے محسوس ہو گیا کہ میناکشی کے جسم کا ابھار غائب ہو گیا ہے۔

میں نے ہاتھ پیچھے ہٹا لیا۔ ابھار واقعی غائب تھا۔

میں نے کہا۔

"میناکشی! جاؤ تمہارے پاپ دور ہو گئے ہیں۔ تمہاری بیماری جاتی رہی ہے"

میناکشی نے سر جھکا کر اپنی ناف کے نیچے دیکھا تو خوشی سے اس کی چیخ نکل گئی۔ اسے

پتلون کے بٹن بند کرنے بھی یاد نہ رہے۔ وہ اسی طرح پتلون چھوڑ کر میرے قدموں سے لپٹ گئی۔ میں گورو کی طرح اس کے جسم پر آہستہ آہستہ ہاتھ پھیرنے لگا۔ اور کہا۔

"بالکا! تیرا کلیان ہو گیا ہے۔ اب یہ تکلیف تجھے کبھی نہیں ہو گی۔ اب اٹھ کر پتلون کے بٹن بند کر اور دروازے کی چٹخنی کھول دے۔"

میناکشی نے سر قدموں سے اٹھایا اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ جلدی سے پتلون کے بٹن بند کر کے وہ دروازے کی طرف گئی اور چٹخنی کھول کر واپس میرے سامنے آکر ادب سے بیٹھ گئی۔ آنسوؤں بھری آواز میں بولی۔

"گورودیو! آپ نے میری کایا پلٹ دی ہے میں پھر سے زندہ ہو گئی ہوں۔ میرے گورودیو! میں آپ کے لئے کیا کر سکتی ہوں۔ مجھے آگیا دیں۔ میں اپنی جان بھی قربان کر سکتی ہوں"

میں نے ہلکے سے تبسم کے ساتھ کہا۔

"اب بھارت کی سب سے مشہور ڈانسر بننے کی تیاریاں شروع کر دو۔"

وہ بچوں کی طرح مسکرا اٹھی۔ کہنے لگی۔

"آپ کی کرپا میرے ساتھ رہی تو میں بھارت کی ہی نہیں ساری دنیا کی مشہور ڈانسر بن کر دکھاؤں گی"

"اوش! اوش!"

میں نے یہ لفظ جس کا مطلب تھا ضرور ضرور یقیناً یقیناً دوبار دہرایا اور میناکشی سے کہا۔

"اب میرے لئے کافی کی ایک اور پیالی بناؤ"

وہ فوراً میری پیالی میں کافی انڈیلنے لگی۔ پھر اس نے ان لڑکوں کی باتیں شروع کر دیں جو رینا لینی کے ڈانس سنٹر اور دوسری پارٹیوں میں اس سے محبت کا اظہار کرتے تھے۔ کہنے لگی۔

"میں نے چندر کانت کو صاف جواب دے دیا ہے۔ مجھے تو کوئی بھی لڑکا اب

اچھا نہیں لگتا۔ میں اب شادی ہی نہیں کروں گی۔ بس سارا جیون آپ کی سیوا میں بتا دوں گی"

میں آہستہ آہستہ سر ہلاتا رہا اور کافی پیتا رہا۔

دوسری طرف دس بجے سے پہلے پہلے کوئی سوا نو بجے دن مسٹر پانڈے اپنے ڈاکٹر کے کلینک میں جا کر اپنے گردوں کا ایکس رے کروایا۔ جب ایکس رے ریزلٹ دیکھا تو ڈاکٹر اور مسٹر پانڈے حیرت زدہ ہو کر رہ گئے۔ مسٹر پانڈے کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی اور ڈاکٹر ایکس رے کی فلم کو چمکتے ہوئے شیشے کی پلیٹ پر رکھ کر بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ کیونکہ ایکس رے کی فلم میں مسٹر پانڈے کے گردے کی تین پتھریوں میں سے دو بڑے سائز کی پتھریاں غائب تھیں۔

ڈاکٹر کہنے لگا۔

"سر! یہ تو کوئی چمتکار ہوا ہے میری میڈیکل لائف میں یہ پہلا کیس ہے کہ ایک دن پہلے گردے میں پتھریاں موجود ہوں اور دوسرے دن بغیر آپریشن اور بغیر کسی دوائی کے غائب ہو گئی ہوں"

مسٹر پانڈے کو اور میناکشی کو میں نے منع کر رکھا تھا کہ وہ میری شعبدہ بازیوں جن کو وہ میری کرامتیں سمجھ رہے تھے کسی سے بات نہ کریں اور اس راز کو اپنے تک ہی رکھیں۔ چنانچہ مسٹر پانڈے نے ڈاکٹر کو میرے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ بس یہی کہا۔

"یہ سب بھگوان کی کرپا ہے ڈاکٹر۔ بھگوان مہاویر نے میرے کشٹ دور کر دیئے ہیں۔"

مسٹر پانڈے اس وقت اپنی گاڑی میں بیٹھ کر میرے پاس آگیا۔ ایکس رے کی فلم والا لفافہ اس کے ہاتھ میں تھا۔ اس وقت میناکشی بھی میرے پاس ہی تھی۔ وہ میرے کپڑوں کو خود دھو کر استری کر رہی تھی۔ مسٹر پانڈے خود ہی اوپر چڑھ آئے تھے۔ ان کا سانس پھولا ہوا تھا مگر چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔ آتے ہی کہنے لگے۔

"گورو جی! آپ مہاویر بھگوان کے سچے اوتار ہیں۔ یہ دیکھئے ایکس رے۔

میرے گردے کی تین میں سے دو پتھریاں غائب ہیں۔"

میناکشی بھی دوڑ کر ہمارے پاس آگئی۔ میں نے ایکس رے فلم دیکھی۔ واقعی [illegible]
میں تین کی بجائے صرف ایک پتھری تھی۔ مسٹر پانڈے ہاتھ جوڑ کر بولا۔

"مہاراج! اب یہ پتھری جو رہ گئی ہے اسے بھی ختم کرا دیں۔ آپ تو پیونٹ کے
گھر میں نرائن بن کر پدھارے ہیں۔"

میناکشی بھی ایکس رے کی فلم دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ میں نے مسٹر پانڈے سے
کہا۔

"گوکل داس! جب تیسری پتھری کے ختم کرنے کا وقت آئے گا تو اسے بھی ختم
کر دوں گا ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔"

مسٹر پانڈے کی تیسری پتھری اور اس کی ترقی کی فائل کا معاملہ کسی مشکل وقت کے
لئے بچا کر رکھنا چاہتا تھا۔ لیکن اس وقت میرا سب سے بڑا مسئلہ جموں جانے والی اسلحہ کی
ملٹری ٹرین کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرنا تھا۔ اس حقیقت سے میں پوری طرح
باخبر تھا کہ خواہ میں نے لاکھ سوچ کر اپنی طرف کسی بہانے بھی بات کو چھیڑا اور اسلحہ کی
ٹرین کا ذکر کیا تو مسٹر پانڈے فوراً محتاط ہو جائے گا۔ آخر وہ ایک تجربہ کار عمر رسیدہ منجھا ہوا
انڈین آئی سی ایس افسر تھا اور بڑی ذمے دار پوسٹ پر تھا۔ وہ تو مجھے کبھی نہیں بتائے گا کہ
اسلحہ کی ٹرین دیو لالی سے کس دن کس وقت روانہ ہونے والی ہے۔ اسے چاہے مجھ پر
جاسوس ہونے کا شک نہ بھی پڑے پھر بھی وہ اپنے حساس ادارے کی ذمے داریوں کا خیال
کرتے ہوئے اس معاملے پر اپنی لاعلمی کا اظہار کر دے گا۔

اس میں کوئی شک شبہ نہیں تھا کہ دونوں باپ بیٹی میرے انتہائی معتقد ہو چکے تھے۔
میں نے انہیں زندہ کرامتیں دکھائی تھیں۔ وہ میرے مرید کیوں نہ ہوتے۔ لیکن جس
مقصد کے واسطے میں نے یہ سارا ڈرامہ رچایا تھا وہ پورا ہوتا نظر نہیں آرہا تھا۔ آخر میں
نے اس مسئلے میں اپنے ماسٹر سپاہی کریم بھائی سے مشورہ لینے کا فیصلہ کیا۔ کریم بھائی نے
مجھے اشد ترین ضرورت کے سوا ٹیلی فون کرنے سے منع کیا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس سے

رات کو ریڈیو ٹرانسمیٹر پر مرموز یعنی کوڈ الفاظ میں بات کروں گا۔

رات کے بارہ بجے میں نے بیڈ روم میں پلنگ پر بیٹھے بیٹھے بریف کیس سے سگریٹ
لائیٹر والا چھوٹا ریڈیو ٹرانسمیٹر نکال کر اسے آن کیا۔ کریم بھائی کے ٹرانسمیٹر کی فریکوینسی
ملائی اور کوڈ سگنل دیا۔ دوسری طرف سے بھی سگنل آنے لگے۔ میں نے دھیمی آواز میں
کوڈ الفاظ میں معلوم کیا۔ دوسری طرف کریم بھائی بول رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"میں ضروری بات کرنے کے لئے ملنا چاہتا ہوں"

کریم بھائی نے مختصر ترین کوڈ الفاظ میں جواب دیا۔

"کل اسی وقت اپنے ہائیڈ آؤٹ میں آجانا۔ اب سگنل مت دینا"

اور دوسری طرف سے ٹرانسمیٹر بند کر دیا گیا۔ اگلے دن میں نے مہاویر کے مندر میں
جا کر پوجا کرنے کا بہانہ بنایا اور کوئی دس بجے مسٹر پانڈے کی کوٹھی سے اس کی گاڑی میں
بیٹھ کر نکل گیا۔ اس کی گاڑی میں اس لئے گیا کہ باہر بیٹھی سی آئی ڈی کو کوئی شک نہ
پڑے۔ اور اتنی جلدی ان میں سے کوئی آدمی میرے تعاقب میں نہ آسکے۔ میں سیدھا
مہاویر کے بڑے مندر میں پہنچ گیا۔ ڈرائیور مجھے مندر کے باہر چھوڑ کر چلا گیا۔ بنگلے کی
نگرانی کرنے والے سی آئی ڈی کے آدمی اگر ڈرائیور سے پوچھیں گے بھی تو وہ بھی یہی
کہے گا کہ میں سوامی جی کو مہاویر کے مندر میں چھوڑ کر آرہا ہوں۔ اس لئے میں خفیہ
پولیس والوں سے مطمئن تھا۔ رات کے وقت اتنی جلدی کوئی ٹیکسی پکڑ کر میرے پیچھے
نہیں آسکتا تھا اور ابھی میرا معاملہ ان لوگوں کے لئے اتنا سنگین بھی نہیں ہوا تھا۔

مہاویر کے مندر میں میں وقت ضائع کئے بغیر دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا۔
ٹیکسی پکڑی اور اسے اس علاقے کی طرف جانے کو کہا جہاں ہماری خفیہ ہائیڈ آؤٹ یعنی
ریلوے لائن کے قریب واقع کریم بھائی کا پرانا اور بے آباد کوارٹر تھا۔ میں نے دو فرلانگ
پہلے ہی سڑک پر ٹیکسی چھوڑ دی اور وہاں سے پیدل چل کر کوارٹر پہنچ گیا۔ کریم بھائی ابھی
نہیں آیا تھا۔ میں کوارٹر کے صحن میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ رات گہری ہو چکی تھی۔
ہر طرف خاموشی چھائی تھی۔ دور احمد آباد کی کسی فیکٹری کی دھندلی روشنیاں نظر

آرہی تھیں۔ اتنے میں مجھے کوارٹر کے باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں ہوشیار ہو گیا اور اٹھ کر دیوار کی اوٹ میں چلا گیا۔ مگر یہ کریم بھائی تھا۔ اس نے صحن میں سے گزرتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

"اندر آجاؤ"

ہم کواٹر کے چھوٹے کمرے میں موم بتی جلا کر بیٹھ گئے۔ کریم بھائی نے مجھ سے اصل معاملے پر کوئی بات پوچھے بغیر کہا۔

"آئندہ مسٹر پانڈے کے گھر سے وائرلیس ٹرانسمیٹر پر کوئی خفیہ پیغام نہ بھیجنا۔ تم تربیت یافتہ کمانڈو ہو۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ پانڈے را کا چیف ہے اس کے گھر سے نکلنے والا ریڈیو سگنل ٹیپ ہو سکتا ہے۔"

واقعی مجھ سے بڑی خطرناک بھول ہو گئی تھی۔ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ کریم بھائی نے بیڑی سلگاتے ہوئے مجھ سے پوچھا کہ میں نے اسے کس لئے بلایا ہے۔ میں نے اسے اسرائیلی فوجی ماہرین کی مسٹر پانڈے کے گھر میں خفیہ میٹنگ کے بارے میں بتایا اور کہا۔

"مسٹر پانڈے ان اسرائیلی فوجی مشیروں کے ساتھ ٹاپ سیکریٹ میٹنگیں اپنے بنگلے میں کرتا ہے۔ دلی سے اسرائیلی فوجی مشیروں کا ایک وفد احمد آباد آیا ہوا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ اسی ہفتے مسٹر پانڈے کے گھر میں کوئی اور سیکریٹ میٹنگ ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ مجھے کوئی چھوٹے سائز کا مگر بڑا طاقتور مائیکرو فون اور ہیڈ فون دے دیا جائے جو میں نیچے ڈرائینگ روم میں کسی جگہ لگا دوں اور وہاں جو باتیں ہوں وہ میں اوپر سن سکوں کیونکہ اسرائیلی مشیروں کے ساتھ پانڈے کی میٹنگ پہلی منزل کے ڈرائینگ روم میں ہوتی ہیں۔"

کریم بھائی خود فوج کے سگنل کور میں رہ چکا تھا اور وائرلیس کے فن میں ماہر تھا۔ کہنے لگا۔

"میں تمہیں ایک ایسا طاقتور مائیکرو فون بھجوا دوں گا جس کے لئے تمہیں کسی

ہیڈ فون کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ یہ مائیکرو فون تم ڈرائینگ روم میں رکھے ہوئے ٹیلی فون کے اندر فٹ کر دینا۔ تم اوپر اپنے کمرے میں بیٹھ کر اپنے فون کا ریسیور اٹھاؤ گے تو نیچے جو کوئی بھی باتیں کر رہا ہو گا تم ان کی باتیں سن لو گے۔"

یہ بڑا ہی کار آمد اور محفوظ طریقہ تھا۔ میں نے کہا۔

"یہ مائیکرو فون مجھے جلد مل جانا چاہئے۔ کیونکہ اسرائیلی وفد ابھی تک احمد آباد میں ہی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ جانے سے پہلے ان کی مسٹر پانڈے سے ایک اور خفیہ میٹنگ ہو"

کریم بھائی بولا۔

"ایسا ممکن ہو سکتا ہے۔"

وہ کچھ سوچنے لگا۔ پھر میری طرف چہرہ اٹھا کر بولا۔

"احمد آباد کے کناری چوک میں ایک سینما ہاؤس ہے جس کا نام راکسی سینما ہے۔ اس کا شو دن ساڑھے تین بجے شروع ہوتا ہے۔ تم کل راکسی سینما میں دن کا شو دیکھو گے۔ انٹرول کے وقت تم سینما ہاؤس کی دوسری منزل والی کینٹین پر چائے پینے آؤ گے۔ جہاں تم کھڑے ہو کر چائے پی رہے ہو گے وہیں کاؤنٹر پر ایک آدمی تمہارے پاس آکر چائے کا آرڈر دے گا اور پھر تمہاری واسکٹ کی جیب میں ایک لفافہ ڈال دے گا۔ اسی لفافے میں مائیکرو فون ہو گا"

میں نے کہا۔

"کل سینما ہاؤس جانے سے یہ بہتر نہیں کہ میں کل کسی وقت یہاں اپنے کوارٹر والے ہائیڈ آؤٹ میں آجاؤں"

کریم بھائی نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں۔ اتنی چھوٹی سی بات کے لئے یہاں آنا مناسب نہیں۔ خفیہ پولیس کا آدمی تمہاری نگرانی کرتا تمہارے پیچھے پیچھے یہاں ضرور پہنچ جائے گا۔"

میں نے پوچھا۔

"وہ آدمی مجھے پہچانے گا کیسے؟"

کریم بھائی کہنے لگا۔

"اس آدمی نے تمہاری شکل دیکھ رکھی ہے۔ وہ تمہیں پہچان لے گا۔"

پھر اس نے مجھ سے جموں جانے والی اسلحہ کی ٹرین کے بارے میں سوال کیا کہ اس کے بارے میں مجھے کوئی معلومات ملی ہے یا نہیں۔ میں نے فکر مندی کے ساتھ کہا۔

"کریم بھائی! مجھے خود اس بارے میں بڑی فکر ہے۔ میں مسٹر پانڈے کی ناک کے نیچے تو جا کر بیٹھ گیا ہوں اور مجھے ان لوگوں کا بے حد اعتماد بھی حاصل ہو لیا ہے۔ مگر مجھے کوئی ایسا طریقہ نہیں سوجھ رہا کہ میں اسلحہ کی ٹرین کے متعلق معلومات حاصل کر سکوں۔ یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ میں نے جیسے ہی اس ٹرین کے بارے میں مسٹر پانڈے سے بہانے بہانے بھی کوئی بات کی تو وہ محتاط ہو جائے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مجھ پر بھی شک کرنے لگے کہ کہیں میں کوئی جاسوس تو نہیں ہوں"

کریم بھائی نے کہا۔

"جو کچھ بھی ہو ٹرین کی تاریخ اور وقت کا معلوم ہونا بہت ضروری ہے۔ اگر تم اس امتحان میں کامیاب نہ ہوئے تو میں بھی یہی کہوں گا کہ تمہاری کمانڈو سپائینگ کی تربیت ادھوری تھی یا تم اس قابل نہیں تھے کہ تمہیں ٹریننگ دی جاتی"

کریم بھائی نے ایسی بات کہہ دی تھی کہ جس کو سن کر مجھے غصہ آگیا۔ مگر وہ سچ کہہ رہا تھا۔ یہ میرے امتحان کی گھڑی تھی اور مجھے اس امتحان میں ہر حالت میں کامیاب ہو تھا۔ میں نے کچھ سوچ کر کہا۔

"ٹرین کی تاریخ اور اوقات کے متعلق دیولالی جا کر بھی پتہ چلایا جا سکتا ہے"

کریم بھائی نے کہا۔

"پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ اسلحہ سے بھری ہوئی ایسی فوجی گاڑی ہے جس میں جدید ترین نیپام بم راکٹوں کی بھاری تعداد کشمیر کے محاذ پر بھیجی جا رہی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ ٹرین دیولالی کے فوجی گیریزن سے روانہ ہو گی اور وہاں سیکورٹی اتنی سخت ہو گی کہ چڑیا بھی پر نہیں مار سکے گی تمہیں مسٹر پانڈے کے پیٹ میں گھس کر اس راز کو معلوم کرنا ہے۔ اب ایسا کرو کہ تم پہلے نکل جاؤ۔ میں تمہارے بعد یہاں سے نکلوں گا تم سارے راستوں سے واقف ہو چکے ہو۔ ریلوے لائن کی طرف سے ہو کر بڑی سڑک پر جانا"

کریم بھائی پہلے نکل گیا۔ میں کوارٹر میں ہی بیٹھا رہا۔ پانچ منٹ بعد میں بھی نکل کر ندھیرے میں احمد آباد سے دلی کی طرف جانے والی ریلوے لائن کی طرف چل پڑا۔ آگے ہاکر میں دوسری جانب کھیتوں میں اتر گیا اور پھر بڑی سڑک پر آگیا۔ یہاں کافی چلنے کے بعد ھے ایک موٹر رکشا ملا۔ اس میں سوار ہو کر میں سوامی نارائن جی کے مندر میں چلا آیا۔ یونکہ اتنی رات گئے میرا مسٹر پانڈے کے بنگلے پر جانا خفیہ پولیس والوں کو شک میں ڈال کتا تھا۔ ویسے بھی میں میناکشی کو اسی مندر میں رات بھر پوجا پاٹھ کرنے کا کہہ کر آیا تھا۔ لی صبح تک مندر میں ہی رہا۔ جب کافی دن نکل آیا تو بنگلے پر واپس آگیا۔

میں اپنے ساتھ مندر سے شرادھ کے پھول اور تھوڑی سے مٹھائی لایا تھا۔ وہ میں نے مسٹر پانڈے اور میناکشی کو دی۔ انہوں نے بڑی عقیدت سے ان چیزوں کو چوم کر آنکھوں سے لگایا اور کھانے لگے۔ میں نے کہا۔

"رات بھر پوجا کرتا رہا ہوں۔ اب اوپر جا کر آرام کروں گا۔ دوپہر کے بعد مجھے پھر مندر جانا ہے"

اوپر آکر میں نے کلاک پر الارم لگایا اور سو گیا۔ پورے دو بجے الارم بج اٹھا۔ میں ے اٹھ کر غسل کیا۔ کپڑے بدلے۔ میناکشی گھر پر ہی تھی۔ مسٹر پانڈے آفس جا چکے ے۔ میناکشی نے میرے ساتھ ہی کھانا کھایا۔ اتنی دیر میں سینما کا وقت ہو گیا۔ میں تیار بیٹھا تا۔ میں نے کہا۔

"اب میرے مندر جانے کا ٹائم ہو گیا ہے"

میناکشی کہنے لگی۔

"گوروجی! مجھے ڈانس سنٹر جانا ہے۔ میں آپ کو سوامی جی کے مندر ڈراپ کروں گی"

میں نے سختی سے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

"میناکشی! میں تمہیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ مہاویر کے بھگت اس کی پوجا کرنے میں مندر پیدل جاتے ہیں۔ کسی کی گاڑی میں بیٹھ کر نہیں جاتے"

میناکشی فوراً ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"شما کردیں گوروجی!"

میں نے مسکرا کر کہا۔

"تم مجھے بڑے بازار کے چوک تک چھوڑ سکتی ہو۔ وہاں سے مجھے اپنے تلک کے لئے نئی ڈبی خریدنی ہے"

میں میناکشی کی گاڑی میں بیٹھ کر ہی بنگلے سے نکلا۔ اس کا یہ فائدہ تھا کہ باہر جو پولیس والا بیٹھا تھا وہ اتنی جلدی ٹیکسی لے کر میرے پیچھے نہیں آسکتا تھا۔ اس روز آ پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ میں بڑے بازار کے چوک میں گیا اور یونہی ایک طرف فٹ پاتھ پر چلنے لگا۔ جب میناکشی کی گاڑی میری نظروں او جھل ہوگئی تو میں رک گیا۔ واپس چوک میں آکر ادھر ادھر دیکھا۔ سامنے سینما ہاؤس جس کے باہر بڑے بڑے بورڈ لگے تھے۔ یہاں کوئی دھارمک یعنی ہندو مائی تھالوجی کی چل رہی تھی۔

یہ بات میرے حق میں اچھی تھی۔ میرا حلیہ جین مت کے بھگتوں ایسا تھا۔ ما تلک بھی لگا تھا۔ کوئی دیکھتا تو یہی کہتا کہ بھگت جی دھارمک فلم دیکھنے آئے ہیں۔ میں ے کر سینما ہال میں بیٹھ گیا۔ فلم شروع ہوگئی۔ عجیب قسم کی فضول فلم تھی۔ دیوی بادلوں میں اڑ رہے تھے۔ ایک دوسرے پر آگ کے تیر برسا رہے تھے۔ مجھے انٹرو

انتظار تھا۔ بڑی مشکل سے انٹرول ہوا۔ میں نے ایک آدمی سے سینما ہاؤس کی دوسری منزل والی کینٹین کا پوچھا اور سیڑھیاں چڑھ کر دوسری منزل پر آگیا۔ یہاں ایک طرف کینٹین بنی ہوئی تھی۔ کاؤنٹر پر کچھ لوگ کھڑے چائے پی رہے تھے۔ میں بھی ایک طرف ہو کر کھڑا ہوگیا اور چائے پینے لگا۔ اتنی دیر میں ایک دبلے جسم کا آدمی میرے بالکل ساتھ آکر کاؤنٹر پر کھڑا ہوگیا۔ اس نے چائے کا آرڈر دیا اور میری طرف کنکھیوں سے دیکھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں رومال تھا جو اس نے سمیٹ کر اپنی ہتھیلی میں پکڑ رکھا تھا۔

میں چائے پی رہا تھا کہ اس آدمی نے بڑے اطمینان سے رومال میری واسکٹ کی جیب میں ڈال دیا اور خاموشی سے چائے پینے لگا۔ میں جس مقصد کے لئے وہاں آیا تھا وہ مقصد پورا ہوگیا تھا۔ میں نے پیالی کاؤنٹر پر رکھی۔ پیسے دیئے اور سیڑھیاں اتر کر سینما ہاؤس سے باہر آگیا۔ یہاں سے میں رکشا لے کر سیدھا سوامی نارائن کے مندر پہنچ گیا۔ مجھے یہاں کچھ وقت ضرور گزارنا تھا۔ میں پوجا والے کمرے کے کونے میں صف پر بیٹھا مالا کا منکا پھیر رہا تھا۔ یہ مالا جھوٹے موتیوں کی تھی اور مجھے اسی مندر کے مہنت نے دی تھی۔ میں نے ابھی تک واسکٹ میں سے رومال نکال کر مائیکرو فون نہیں دیکھا تھا۔ اس کے دیکھنے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ کوئی ایک گھنٹے بعد میں اٹھا اور مندر سے نکل کر ٹیکسی لی اور بنگلے کی طرف روانہ ہوگیا۔ میں نے خاص طور پر ٹیکسی اس لئے لی تھی کہ میں بڑے آرام سے پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر مائیکرو فون کا جائزہ لے سکوں گا۔ جب ٹیکسی کافی آگے نکل گئی تو میں نے جیب سے نکال کر کھولا۔ اس میں ایک لفافہ تھا۔ لفافے میں انگوٹھے کے ناخن کے سائز کا پلاسٹک کا ایک مائیکرو فون تھا۔ اس کا رنگ سیاہ تھا اور اس کے اوپر کی جانب بڑی باریک جالی سی لگی تھی۔ پیچھے لوہے کی باریک تہہ چڑھی ہوئی تھی۔ اصل میں یہ مقناطیس تھا۔

میں نے اسے لفافے میں بند کر کے جیب میں رکھ لیا اور رومال وہیں ٹیکسی کی سیٹ کے نیچے چھپا دیا۔ بنگلے پر آیا تو گجراتن ملازمہ بائی جی نے کہا کہ میناکشی کا فون آیا تھا کہ وہ شام کی چائے میرے ساتھ پینا چاہتی ہے۔ میں نے آہستہ سے سرہلایا اور اوپر اپنے کمرے

میں آکر دروازہ بند کیا اور صوفے پر بیٹھ کر ایک بار پھر مائیکرو فون کا جائزہ لینے لگا۔ اس کی ساخت سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ انتہائی طاقتور آلہ ہے اب اس مائیکرو فون کو نچلی منزل کے ڈرائینگ روم والے ٹیلی فون کے اندر فٹ کرنا تھا۔ یہ کام میں میناکشی کے ہوتے ہوئے نہیں کر سکتا تھا۔ اس وقت بڑا سنہری موقع تھا۔ اس گھر میں مجھے بڑی آزادی تھی۔ میں سارے بنگلے میں جہاں چاہے جا سکتا تھا۔ نوکر نوکرانیاں بھی میرے اس رتبے سے بڑے مرعوب تھے۔ وہ بھی مجھے کوئی بہت بڑا رشی منی سمجھ رہے تھے۔

میں نچلی منزل میں آکر ڈرائینگ روم میں سامنے والے صوفے کے کونے میں بیٹھ کر اخبار پڑھنے لگا۔ یہاں میں اس لئے بیٹھا تھا کہ میرے قریب ہی چھوٹی تپائی پر ٹیلی فون پڑا تھا۔ ڈرائینگ روم کے پردے گرے ہوئے تھے۔ بائی اندر آگئی۔ کہنے لگی۔

"گورو جی! آپ کے لئے کافی بنا کر لاؤں؟"

میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں بائی لے آؤ۔ آج یہاں بیٹھ کر کافی پینے کو دل چاہتا ہے"

وہ خوش خوش کچن کی طرف چل دی۔ دوسرے نوکر ادھر ادھر کام کاج میں لگے تھے۔ ڈرائینگ روم اور باہر والی لابی بالکل خالی تھی۔ میں نے جلدی سے ٹیلی فون کو نیچے کھولا۔ جیب سے مائیکرو فون نکال کر اس کے اندر پیچھے کر کے رکھا تو وہ فوراً چپک گیا ایک نظر دیکھنے سے مائیکرو فون ٹیلی فون کی مشینری کا حصہ ہی لگتا تھا۔ میں نے فون کو اچھی طرح سے بند کیا اور دوبارہ تپائی پر رکھ کر اخبار پڑھنے لگا۔ اب مجھے اس مائیکرو فون کی طاقت کو آزمانا تھا۔ اتنے میں ملازمہ بائی جی کافی لے کر آگئی۔ میں بڑے سکون سے کافی پینے لگا۔ بائی جی ایک بار پھر اپنے خاوند کا رونا لے کر بیٹھ گئی اور مجھ سے پرارتھنا کرنے کی التجائیں کرنے لگی۔ مجھے ایک خیال سوجھا۔ میں نے بائی سے کہا۔

"تم ایک کام کرو بالکا!"

"آگیا کریں مہاراج"

بائی جی فوراً چوکس ہو گئی۔ میں نے کہا۔

"میں اوپر جا کر سمادھی لگاتا ہوں۔ تم یہاں بیٹھ کر پچاس بار اوم نام کا جاپ کرو بھگوان نے چاہا تو تمہارا خاوند بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ بڑی خوش ہوئی اور فوراً صوفے کے پاس چوکڑی مار کر بیٹھ گئی۔ میں نے کہا۔

"جب میں کمرے سے نکلا جاؤں تب جاپ شروع کرنا۔ اور آواز کے ساتھ رام کا نام لینا"

یہ کہہ کر میں کمرے سے نکل کر اوپر والی منزل کے اپنے ڈرائینگ روم میں آگیا۔ اس بنگلے میں تو ہر کمرے میں ٹیلی فون لگا تھا جو انٹر کام کے ساتھ ایک دوسرے سے ملا ہوا تھا۔ ڈرائینگ روم میں آتے ہی میں نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر کان کے ساتھ لگایا تو خوشی سے اچھل سا پڑا۔

مجھے نیچے ملازمہ کے ہری اوم ہرے راما' ہرے کرشنا کا جاپ کرنے کی صاف آواز آرہی تھی۔ میرے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ پھیل گئی۔ ایک آدھ منٹ میں ملازمہ کے ہری اوم ہرے راما ہرے کرشنا کا پاٹھ سنتا رہا۔ پھر میں نے ریسیور رکھ دیا۔ یہ مرحلہ کامیابی سے طے ہو گیا تھا۔ اب ڈرائینگ روم میں مسٹر پانڈے جس کے ساتھ جو بات بھی کرے گا میں اسے آسانی سے سن سکوں گا۔ لیکن اس بارے میں مجھے یقین نہیں تھا کہ اگر اسرائیلی ماہرین میں سے کوئی آدمی وہاں آئے گا تو وہ ایمونیشن ٹرین کے بارے میں بھی ضرور بات کرے گا۔ کیونکہ بظاہر اسرائیلی فوجی ماہرین یا فوجی مشیروں کا جموں جانے والی اسلحہ کی ٹرین سے کیا تعلق ہو سکتا تھا۔ اس کے باوجود مجھے مسٹر پانڈے کی گفتگو سے کئی دوسرے فوجی اور بھارت کے دفاع کے بارے میں اور پاکستان میں را کے ایجنٹوں کے ذریعے انڈیا کی حکومت جو تخریبی پروگرام تیار کر چکی تھی اس کے بارے میں بھی معلومات حاصل ہونے کی توقع تھی۔

باہر بادل زیادہ گہرے ہو گئے تھے۔ میں کمرے سے اٹھ کر باہر کشادہ بالکونی میں آکر بید کی آرام کرسی پر بیٹھ گیا۔ بڑی خوشگوار خشک ہوا چل رہی تھی۔ بادل جھکے ہوئے تھے۔ لگتا تھا کہ بارش ہو گی۔ مجھے بالکونی سے میناکشی کی گاڑی بنگلے میں داخل ہوتی نظر آئی۔

اس کے ساتھ ہی بوندا باندی شروع ہوئی۔ میں بالکونی سے اٹھ کر واپس کمرے میں آ
بیٹھ گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ میناکشی پہلے نیچے اپنے کمرے میں جائے گی۔ وہ ڈرائینگ رو
میں سے گذر کر اپنے کمرے میں جائے گی۔ اپنے کمرے میں جا کر اپنا میک اپ دوبارہ سیٹ
کرے گی۔ واپسی میں پھر ڈرائینگ روم میں سے گذر کر اوپر میرے پاس آئے گی۔ اس
دوران ہو سکتا ہے وہ کسی نوکر یا ملازمہ سے کوئی بات بھی کرے۔ چنانچہ میں اپنا لگایا ہوا
مائیکرو فون دوبارا ٹیسٹ کرنے کے لئے کمرے میں گیا اور صوفے پر بیٹھ کر ٹیلی فون ریسیور
کان سے لگایا۔

تھوڑی دیر بعد مجھے میناکشی کی آواز آئی۔ اس نے ڈرائینگ روم میں سے گذرتے
ہوئے کسی نوکر کو آواز دی تھی۔ اس کے بعد باہر باغیچے میں بولتے پرندوں کی ہلکی ہلکی
آوازیں سنائی دینے لگیں۔ میں ریسیور کان سے لگائے بیٹھا رہا۔ کوئی پانچ منٹ بعد میناکشی
کی دور سے قریب ہوتی ہوئی آواز دوبارہ سنائی دی۔ وہ ملازمہ بائی جی سے کہہ رہی تھی کہ
گوروجی کو بتا دیا تھا کہ میں چائے ان کے ساتھ پیوں گی؟ پھر بائی جی کی آواز آئی کہ جی ہاں
بی بی جی میں نے بتا دیا تھا۔ بائی کی آواز ذرا دور سے آئی تھی۔

مائیکرو فون واقعی انتہائی طاقتور تھا۔ اب مجھے یقین ہو گیا کہ اس کے ذریعے مجھے ر
کے ہیڈ آفس کے تھوڑے بہت راز ضرور معلوم ہو جائیں گے۔ میں نے ریسیور رکھ د
اور بالکونی کی دروازہ نما لمبی کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ باہر بارش شروع ہو گئی تھی۔
اتنے میں میناکشی اوپر آ گئی۔ اس نے بڑے ادب سے مجھے نمسکار کیا اور میرے پاؤں
چھوئے۔ آج اس نے فالسہ کلر کی چھاپ دار ریشمی ساڑھی پہن رکھی تھی اور اس کے
لباس سے بالکل نئی قسم کے پرفیوم کی مہک اٹھ رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"گوروجی! آج بڑی خوبصورت بارش ہو رہی ہے۔ میں آپ کے لئے چائے
کے ساتھ کھانے کے لئے رس ملائی لائی ہوں۔"

احمد آباد کی رس ملائی کا واقعی جواب نہیں تھا۔ ہم نے بالکونی والے درواز
کھڑکی کے پاس بیٹھ کر چائے پی۔ میناکشی مجھ سے بھارت ناٹیم رقص کی باتیں کرنے لگی۔

جب سے میں نے اسے بتایا تھا کہ وہ ایک دن بھارت کی مشہور ڈانسر بن جائے گی اس نے
بڑی محنت سے ڈانس سیکھنا شروع کر دیا تھا۔ میری بڑھی ہوئی شیو کو دیکھ کر اس نے
پوچھا۔

"گوروجی! آپ ڈاڑھی بڑھا رہے ہیں کیا؟"

میں نے کہا۔

"ہاں۔ یہ پربھو جی کی مرضی ہے کہ میں داڑھی رکھ لوں۔"

خوش ہو کر بولی۔

"گوروجی! آپ کو داڑھی بڑی سجے گی مجھے داڑھی اچھی لگتی ہے۔ اس سے
آدمی مرد لگتا ہے اور آپ تو میرے گورو دیو ہیں۔"

میناکشی کا باپ مسٹر پانڈے کو دفتر سے دیر ہو گئی تھی۔ وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔ میں
نے اس سے پوچھا کہ اس کا ڈیڈی ابھی تک دفتر میں ہی ہے کیا؟ میناکشی بولی۔

"ڈیڈی کا بمبئی سے کوئی مہمان آیا ہوا ہے وہ اس کے ساتھ ہی آئیں گے"

میں نے کریدتے ہوئے پوچھا۔

"یہ مہمان کون ہے؟ کیا کوئی انگریز گورا ہے؟"

میناکشی نے مسکرا کر کہا۔

"نہیں گوروجی یہ تو ہندوستانی کرنل ہے۔ میں نے ڈیڈی کو فون کیا تھا انہوں
نے بتایا تھا کہ بمبئی سے کرنل شرما آئے ہیں ہم گھر پر چائے پئیں گے۔ ان کے
لئے بھی میں رس ملائی لائی ہوں۔"

میرے کان کھڑے ہو گئے۔ بمبئی سے فوجی کرنل آیا ہے تو انکی باتیں ضرور سننی
چاہئیں۔ ہو سکتا ہے کوئی کام کی بات ہاتھ لگ جائے۔ باہر بارش ہلکی ہو گئی۔ میناکشی نے
اپنے پیٹ پر ناف کے نیچے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"گوروجی! آپ کی مہربانی اور کرپا سے تو میری ساری تکلیف دور ہو گئی ہے۔
آپ نے تو مجھے اک نیا جیون دے دیا ہے۔"

اور اس نے فرط عقیدت سے آگے بڑھ کر میرا ہاتھ چوم کر آنکھوں سے لگایا۔ میں نے کہا۔

"میناکشی! میں نے جو کچھ کیا وہ میرا فرض تھا میں جب تک تمہارے شہر میں رہوں گا تمہارا ہر طرح سے خیال رکھوں گا۔ تم فکر نہ کیا کرو"

میناکشی تو خوشی سے نہال ہو گئی۔ کہنے لگی۔

"نہیں نہیں گوروجی! ہم آپ کو یہاں سے نہیں جانے دیں گے۔ ہم ہمیشہ آپ کو اپنے پاس رکھیں گے۔ ڈیڈی کہہ رہے تھے کہ گوروجی تو مہاویر جی کا اوتار بن کر ہمارے گھر میں اترے ہیں۔ ہمارے گھر کے سارے دکھ درد دور ہو گئے ہیں۔"

اس دوران میری آنکھیں بالکونی سے آگے بنگلے کے گیٹ پر لگی رہیں۔ میں نے دور سے گاڑی کی ہیڈ لائیٹس دیکھیں۔ میناکشی نے بھی گاڑی کی روشنیاں دیکھیں تو کہا۔

"ڈیڈی آگئے ہیں۔ میں نیچے جا کر مہمان کے لئے چائے کا انتظام کرتی ہوں۔ میں پھر آؤں گی کھانا آپ کے ساتھ ہی کھاؤں گی"

اس وقت بادلوں کی وجہ سے شام کو ہلکا ہلکا اندھیرا جلدی ہو گیا تھا۔ میناکشی چلی گئی اس کے جانے کے بعد میں کمرے میں آکر صوفے پر اخبار لے کر بیٹھ گیا۔ میں نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر کان کے ساتھ لگایا۔ مسٹر پانڈے کی آواز آئی وہ اپنے بھارتی فوجی افسر مہمان کرنل شرما کو انگریزی میں بے تکلفی سے بیٹھنے کو کہہ رہے تھے۔ مجھے ایک ہی فکر تھی کہ کہیں وہ چائے ڈائننگ روم میں نہ پئیں۔ کیونکہ اس طرح میں ان کی باتیں نہیں سن سکتا تھا۔

آخر وہی ہوا جس کا مجھے ڈر تھا۔ مسٹر پانڈے اپنے مہمان کرنل شرما کو لے کر باتیں کرتے ڈائننگ روم کی طرف چلے گئے۔ اب ان کی آوازیں دور سے بھنبھناہٹ کی طرح سنائی دے رہی تھیں۔ سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ میں نے مایوس ہو کر ریسیور رکھ دیا اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پھر بالکونی کے پاس چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد میں ریسیور

کان سے لگا کر دیکھ لیتا۔ ابھی تک یہ لوگ ڈائننگ روم میں ہی بیٹھے تھے۔ ایک بار ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو مجھے مسٹر پانڈے اور کرنل شرما کی انگریزی میں باتیں کرنے کی آواز سنائی دی۔ وہ باتیں کرتے ڈرائینگ روم کی طرف آرہے تھے۔ پھر ان کی باتوں کی آواز ایک ہی جگہ سے آنے لگیں۔ معلوم ہوا کہ وہ ڈرائینگ روم میں بیٹھ گئے ہیں۔ کرنل شرما مسٹر پانڈے سے دلی کے فوجی سیکریٹریٹ میں جو دفتری سیاست چل رہی تھی اس کی باتیں کر رہا تھا۔ مسٹر پانڈے کہنے لگا۔

"میری ترقی کے کاغذات بھی ہیڈ آفس میں ایک شخص نے دبا رکھے ہیں۔ وہ اندارا جی کے پاس فائیل جانے ہی نہیں دیتا۔ بھارت کو ایسے ہی لوگوں نے تباہ کیا ہے۔"

پھر کرنل شرما کی آواز آئی۔

"لگتا ہے کہ ابھی ہم دونوں میں سے کسی کی بھی ترقی نہیں ہو گی"

"وہ کیوں؟"

مسٹر پانڈے نے انگریزی میں پوچھا۔ کرنل شرما نے کہا۔

"آپ کو تو مجھ سے زیادہ معلوم ہونا چاہئیے کہ اندرا گاندھی پاکستان کو سبق سکھانا چاہتی ہے۔ کشمیر میں مجاہدین کی سرگرمیاں بہت تیز ہو گئی ہیں۔ ہم اخباروں میں چاہے کچھ بیان دیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ کشمیر میں ہمارے فوجی یونٹ بہت نقصان اٹھا رہے ہیں۔"

مسٹر پانڈے نے کہا۔

"لیکن ہماری طرف سے تو کشمیر کے محاذ پر برابر اسلحہ سپلائی کیا جا رہا ہے اور اب تو اسرائیل نے جو ہمیں نیپام بم کے راکٹ دیئے ہیں ان کی آدھی ٹرین بھر کر ہم کشمیر کے محاذ پر اپنی فوجوں کو بھجوا رہے ہیں۔"

کرنل شرما نے ہنس کر کہا۔

"پانڈے جی! جب یہ ایمونیشن وہاں پہنچے گا تب دیکھیں گے۔ یہ سب کہنے کی

باتیں ہیں۔"

میں اپنی جگہ پر بالکل ساکت ہو گیا۔ جس راز کی مجھے تلاش تھی وہ راز افشا ہونے والا تھا۔ میں نے ریسیور اپنے کان کے بالکل ساتھ لگا لیا اور انگلی سے دوسرا کان بند کر لیا۔ مجھے مسٹر پانڈے کی آواز سنائی دی۔ اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ انگریزی میں کہا۔

"کیا بات کرتے ہو کرنل شرما۔ میں نے ڈیپارچر آرڈر بھی ایشو کر دیا ہے۔ یہ ٹرین دیو لالی سے اس مہینے کی بیس تاریخ کو رات کے بارہ بجے دیولالی کے فوجی گریزن والے ریلوے ہالٹ سے روانہ ہو جائے گی"

کرنل شرما نے قہقہہ لگا کر پوچھا۔

"کیا واقعی؟"

مسٹر پانڈے نے کہا۔

"یار تم کو یقین کیوں نہیں آتا۔ تم کشمیر فرنٹ پر جا رہے ہو۔ وہاں جا کر بریگیڈیئر تیواڑی کو میری طرف سے بتا دینا کہ اس بار ہم کشمیریوں کو مزا چکھانے کے لئے اسرائیلی نیپام راکٹ بھیج رہے ہیں بریگیڈیئر کو کہنا کہ بے شک ان بموں سے کشمیر کے سارے مسلمانوں کے گھروں کو آگ لگا دے۔ آدھی ٹرین راکٹوں سے بھر کر بھیج رہا ہوں۔ تم مذاق سمجھتے ہو کیا؟ کشمیر بھارت کے لئے بڑا اہم فرنٹ ہے----"

کرنل شرما کی آواز آئی۔

"ویری گڈ! اگر یہ بات ہے تو ہماری فوجی یونٹوں کے لئے تو یہ بہت بڑی خوشخبری ہے۔ اچھا یار اب میں چلتا ہوں۔ گیارہ بجے کی فلائیٹ پکڑ کر بمبئی واپس جانا ہے اور وہاں سے صبح صبح سری نگر والی ملٹری فلائیٹ پکڑنی ہے۔"

مسٹر پانڈے کی آواز سنائی دی۔

"میں تو چاہتا تھا کہ تم کھانا کھا کر جاتے"

"نو مائی ڈیئر فرینڈ۔ پھر کسی روز سہی۔ اب میں چلتا ہوں۔"

"او کے----"

ان دونوں کے باتیں کرنے کی آوازیں کمرے سے باہر نکل کر میرے کانوں سے دور ہو گئیں۔ مسٹر پانڈے نے دیو لالی کے فوجی گیریزن سے ٹرین کے چلنے کی جو تاریخ اور وقت بتایا تھا وہ میں اس وقت سے اپنے دماغ میں دہرائے جا رہا تھا۔ جب ریسیور پر ان کی آوازیں آنا بند ہو گئیں تو میں جلدی سے ریسیور رکھ کر اٹھا۔ بریف کیس میں سے نوٹ بک نکال کر اس پر کوڈ لفظوں میں بیس جون رات بارہ بجے دیو لالی لکھا اور نوٹ بک بریف کیس میں رکھ کر بریف کیس کو لاک کر دیا۔

پھر میں صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر یوں دراز ہو گیا جیسے میں سو میٹر کی دوڑ جیت کر آ رہا ہوں۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ راز جو میرے لئے اہم ہی نہیں تھا بلکہ میرے لئے ایک امتحان بن چکا تھا مجھے اتنی آسانی سے اپنے کمرے میں صوفے پر بیٹھے بیٹھے معلوم ہو جائے گا۔ میں نے حساب لگایا۔ بیس تاریخ کے آنے میں ابھی دس روز باقی تھے۔ پورے دس دن ---- ان دس دنوں میں مجھے اپنے ٹارگٹ پر اٹیک کرنے کے لئے تمام ضروری اور ابتدائی تیاریاں مکمل کرنی تھیں۔ اب کریم بھائی سے ملاقات ضروری تھی۔ میں نے اسی رات کریم بھائی سے بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ رات کا کھانا ہم سب نے مل کر نیچے کھایا۔ مسٹر پانڈے نے دبی زبان میں مجھ سے اپنی ترقی والی فائل کے بارے میں ذکر کیا اور کہا۔

"گوروجی! اب یہ کرپا بھی کر دیجئے۔ آپ کا داس ہوں۔ کسی طرح میری فائل پر اندراجی کے دستخط ہو جائیں۔ پھر میری ترقی کے راستے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہے گی---"

میں نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"گوکل داس! وقت آنے پر بھگوان مہاویر کی کرپا سے سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ بہت جلد یہ وقت آنے والا ہے۔ اس کے لئے مجھے ایک خاص چلہ کرنا ہوگا۔ جس رات چلہ کروں گا اس کے دوسرے دن

تمہاری فائل پر اندراجی کے دستخط ہو کر تمہارے پاس پہنچ جائے گی۔"

مسٹر پانڈے ہاتھ باندھے جو آپ کی اچھیا مہاراج جو آپ کی مرضی گورودیو کہتا رہا۔
رات کے دس بجے میں سونے کا کہہ کر اوپر اپنے بیڈ روم میں آگیا۔ مجھے رات کے بارہ بجے کے بعد کریم بھائی سے ریڈیو ٹرانسمیٹر پر بات کرنی تھی۔ میں نے سوائے ٹیبل لیمپ کے بیڈ روم کی باقی ساری بتیاں بجھا دی تھیں۔ ٹیبل لیمپ کی روشنی بڑی مدھم تھی اور صرف پلنگ تک ہی محدود تھی۔ اتنی دیر تک میں انگریزی کا ایک جاسوسی ناول پڑھتا رہا۔
جب گھڑی نے رات کے بارہ بج کر پانچ منٹ بجائے تو میں نے خفیہ جگہ پر رکھا ہوا ریڈیو ٹرانسمیٹر نکالا۔ اس کو آن کر کے فریکوئینسی ملائی اور کوڈ سگنل کے اشارے دیئے۔ دوسری طرف سے بھی مجھے سگنل کے اشارے ملنے لگے۔ میرا ماسٹر سپاہی اپنے ٹرانسمیٹر کے پاس موجود تھا۔ میں نے کوڈ میں کریم بھائی کا نام پوچھا اس نے اپنا کوڈ نمبر اور نام بتایا۔ پھر مجھ سے میرا خفیہ نمبر اور کوڈ نام پوچھا۔ میں نے اسے بتایا کہ ملاقات کل ضرور ہونی چاہیئے۔ مجھے ٹرین کا راز مل گیا ہے۔ دوسری طرف سے کریم بھائی نے کوڈ میں کہا۔

"کل اپنے وقت پر ہائیڈ آؤٹ میں پہنچ جانا۔ اور کوئی بات؟"

میں نے کہا۔

"نہیں"

اس نے کہا۔

"راجر"

اور ریڈیو ٹرانسمیٹر کے سگنل بند ہو گئے۔ میں نے ٹرانسمیٹر بند کر کے ٹرانسمیٹر کو جو ک
سگریٹ لائیٹر کی شکل میں تھا کمرے میں ایک خاص جگہ پر چھپا دیا۔ دراصل میں ٹرانسیٹ
والا سگریٹ لائیٹر اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اس خیال سے کہ کسی نے دیکھ لیا تو خو
مخواہ اس کے دل میں یہ خیال نہ آئے کہ اگر میں سگریٹ نہیں پیتا تو میں نے لائیٹر ا
پاس کیوں رکھا ہوا ہے۔ میں نے ٹیبل لیمپ بجھایا اور پلنگ پر دراز ہو گیا۔ اس وقت ب
بالکونی سے بارش کی آواز آرہی تھی۔ بارش دوبارہ شروع ہو گئی تھی۔

میں نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں اور کشمیر کے محاذ پر جانے والی اسلحے کی ٹرین کو اڑانے کے بارے میں مختلف منصوبوں پو غور کر رہا تھا۔ اچانک مجھے ایسے لگا جیسے کوئی سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آرہا ہے۔ میں نے آنکھیں کھول دیں اور ہمہ تن گوش ہو گیا۔ آواز میرے بیڈ روم والے دروازے کے پاس آکر رک گئی۔ پھر دروازے پر آہستہ سے کسی نے دستک دی۔ میں فوراً دستک کی آواز کو پہچان گیا۔ یہ میناکشی تھی۔ مجھے اس پر سخت جھنجلاہٹ ہوئی کہ اتنی رات گئے وہ میرے بیڈ روم میں کیا کرنے آئی ہے۔ کیا کرنے آئی ہے اس کے بارے میں میں اچھی طرح جانتا تھا۔ مجھے غصہ اس لئے آرہا تھا کہ یہ کیوں آئی ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کروں اور اسے کس طرح سمجھاؤں۔ وہ واقعی مجھ سے بے حد محبت کرنے لگی تھی۔ اور ایک انتہائی عقیدت مند ہندو عورت کی طرح وہ مجھ سے جسمانی ملاپ چاہتی تھی جو میرے مسلک کے خلاف بات تھی۔ میں اسے دھتکارنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ یہ بات میرے حق میں کسی مرحلے پر نقصان دہ ثابت ہو سکتی تھی۔

میں اٹھ کر دروازے کے پاس گیا اور پوچھا کون ہے۔ دوسری طرف سے میناکشی کی سرگوشی ایسی آواز آئی۔

"میں ہوں گوروجی۔ میناکشی!"

میں نے دروازہ کھولا تو میناکشی میرے قدموں پر گر پڑی۔

"مجھے شما کر دیں گورودیو! میرے بدن میں آپ کے پریم کی آگ لگی ہوئی ہے۔
آپ میرے لئے شوجی بھگوان کے مہمان ہیں۔ مجھے اپنی پاروتی بنالیں۔ مجھے
اپنی پاروتی بنالیں----"

وہ ایسے التجائیں کر رہی تھی۔ جیسے اس پر کوئی بھاری مصیبت نازل ہو گئی ہو۔ وہ سلیپنگ ڈریس میں تقریباً نیم عریاں تھی۔ ہندو عورتیں جیسا کہ میرے مشاہدے میں آیا ہے اپنے جسم کو عریاں کرنے میں کوئی عار یا شرم محسوس نہیں کرتیں۔ خاص طور جب ان پر کسی دیوی دیوتا یا سادھو سنت سے پریم وغیرہ کا بھوت سوار ہو گیا ہو۔ میناکشی کی بھی یہی

حالت تھی۔ لیکن مجھے اسلام کے اصولوں کے مطابق جو کمانڈو ٹریننگ دی گئی تھی اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ اپنے کردار کو چٹان کی طرح مضبوط رکھنا ہے۔ کبھی جنسی ترغیبات کو اپنے قریب بھی نہیں پھٹکنے دینا۔ ایک مرد مومن کمانڈو کی اصل طاقت اس کا ایمان اور خدا پر یقین ہوتا ہے اور خدا پر یقین اور ایمان کو جو چیز طاقت اور توانائی پہنچاتی ہے وہ انسان کا بلند کردار ہوتا ہے۔ وہ جانوروں کی طرح کبھی جذبات کی رو میں نہیں بہتا۔ وہ ہر حالت اور صورت حال میں اپنے جنسی جذبات کو اپنے کنٹرول میں رکھتا ہے۔ وہ خود اپنا فاتح ہوتا ہے۔ ہوشنگ آباد کی پہاڑیوں میں جس مرد مجاہد نے مجھے پہلی بار ٹریننگ دی تھی وہ پانچ وقت کا نمازی تھا۔ اس کی زبان پر اقبال کا یہ شعر ہر وقت رہتا تھا۔

وہی جواں ہے قبیلے کی آنکھ کا تارا
شباب جس کا ہے بے داغ ضرب ہے کاری

وہ مجھے کہا کرتا تھا۔

"جوان! اپنے جسم کی طاقت کو اپنے اندر سنبھال کر رکھو۔ یہ خدائی نور ہے۔ یہ خدائی توانائی ہے اس کی طاقت کا مقابلہ کڑکتی ہوئی بجلیاں بھی نہیں کر سکتیں۔ جب تک آدمی کے اندر اس کے بدن کی طاقت موجود ہے وہ بڑی سے بڑی چٹان سے بھی ٹکرا کر اسے پاش پاش کر سکتا ہے۔ یہ طاقت ہی انسان کے اندر رہ کر اس کے جسم کی کمزوریوں کا علاج کرتی ہے اور ایک وقت آنے پر خدا کا نور بن کر اس کے جسم کو اس کی روح کو منور کر دیتی ہے۔"

اس مرد مومن کی ساری باتیں مجھے یاد تھیں اور میں نے اپنے کمانڈو مشن پر نکلنے کے بعد آج تک ان پر عمل کیا تھا۔ میں نے میناکشی کو بازوؤں سے پکڑ کر اٹھایا۔

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو میناکشی! نہ تو میں بھگوان سمان ہوں اور نہ تم میری پاروتی بن سکتی ہو۔ میں تو مہاویر کا بھگت ہوں جاؤ نیچے جا کر سو جاؤ۔ کسی نے تمہیں اس حالت میں دیکھ لیا تو کیا کہے گا۔ تمہارے ساتھ میری بھی بدنامی ہو گی"

مگر میناکشی پر تو جنسی عشق کا بھوت سوار تھا۔ وہ مجھ سے لپٹ گئی۔ میں نے بڑی

مشکل سے اسے اپنے آپ سے الگ کر کے اس کے منہ پر زور سے طمانچہ مارا اور ڈانٹ کر کہا۔

"خبردار اگر تم نے آئندہ اس قسم کی حرکت کی۔ نہیں تو یاد رکھو۔ میں تمہیں ایسی بددعا دوں گا کہ تمہارے جسم میں پھر سے کینسر کے پھوڑے نکل آئیں گے----"

یہ سن کر میناکشی خوف کے مارے تھر تھر کانپنے لگی۔ اس کا بھوت اسی وقت اتر گیا۔ ہاتھ جوڑ کر میرے آگے سر جھکا دیا اور روتے ہوئے بولی۔

"گورودیو! مجھے شما کر دیں۔ میں بھٹک گئی تھی۔ مجھے شما کر دیں۔ مجھے بھول ہو گئی----"

وہ روئے جا رہی تھی اور مجھ سے معافیاں مانگے جا رہی تھی۔ مجھ پر جو زبردست بلا ایک نیم عریاں عورت کی شکل میں نازل ہوئی تھی وہ دور ہو گئی تھی۔ میرا یہ ایمان ہے کہ انسان کے اندر اپنے آپ کو کنٹرول کرنے کی خواہ کتنی ہی طاقت کیوں نہ ہو' جب تک اللہ کی رضا اور اللہ کا فضل اس میں شامل حال نہ ہو وہ گناہ سے نہیں بچ سکتا۔ اس لئے انسان کو اپنے کردار کو بلند تر' مضبوط تر بنانے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کا بھی طالب رہنا چاہیے۔

میناکشی سر جھکائے شرمسار سی ہو کر وہیں سے واپس سیڑھیاں اتر گئی۔ میں نے دروازہ بند کر کے چٹخنی لگائی اور خدا کا شکر ادا کیا۔ بستر پر آ کر لیٹ گیا اور خدا کا شکر ادا کرنے لگا کہ اس نے مجھے گناہ سے بچا لیا تھا۔ رات گزر گئی۔

دوسرے دن میناکشی میرے سامنے آئی تو اس کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔ وہ شرمسار سی تھی۔ میں نے اسے پاس بلا کر اسے دو تین اچھی اچھی باتیں کہیں۔ وہ خوش ہو گئی اور میرے پاؤں چھو کر بولی۔

"گوروجی! آپ سچ مچ بھگوان سمان ہیں"

میں نے اسے کہا کہ آج رات کو مجھے پوجا کے لئے سوامی نارائن کے مندر میں جانا ہو

گا۔ رات آٹھ بجے جاؤں گا اور ایک دو بجے رات واپس آجاؤں گا۔ تم اپنی گاڑی کی چابیاں مجھے دے دینا۔ میناکشی نے انتہائی عقیدت سے کہا۔

"گوروجی! آپ ابھی سے چابیاں لے کر اپنے پاس رکھ لیں"

میں نے کہا۔

"نہیں نہیں بالکا! مجھے رات آٹھ بجے دے دینا۔"

دن بھر میں اپنے اوپر والے کمرے میں ہی رہا آدھی رات کے وقت مجھے اپنے ماسٹر سپائی کریم بھائی سے ملنے جانا تھا اور اسے یہ اچھی خبر سنانی تھی کہ مجھے جموں جانے والی ایمونیشن کی ٹرین کی تاریخ اور وقت کا سراغ مل گیا ہے۔ رات کو میں نے میناکشی اور مسٹر پانڈے نے مل کر کھانا کھایا۔ مجھے آدھی رات کے وقت ماسٹر سپائی سے ملنا تھا مگر میں گھر سے آٹھ نو بجے ہی نکل جانا چاہتا تھا تاکہ ان لوگوں کو شک نہ پڑے کہ میں آدھی آدھی رات کو کہاں جاتا ہوں۔

ٹھیک نو بجے میں نے میناکشی سے چابیاں لیں اور اس کی گاڑی لے کر سوامی نارائن کے مندر کی طرف چل پڑا۔ مجھے بہرحال مندر ضرور جانا تھا۔ تاکہ اگر کوئی میرا پیچھا بھی کر رہا ہو تو اسے یہی پتہ چلے کہ میں مندر میں پوجا کرنے آیا ہوں۔ میں رات گیارہ بجے تک مندر میں بیٹھا بظاہر پوجا کرتا اور منکوں کی مالا پھیرتا مگر دل میں اسلحہ کی گاڑی کو اڑانے کے بارے میں طرح طرح کے منصوبے سوچتا رہا۔ گیارہ بج کر تین منٹ پر میں مندر سے گاڑی لے کر نکلا اور شہر کے باہر کے نسبتاً ویران اور غیر آباد علاقوں سے گذرتا ہوا ریلوے لائن کے قریب واقع اپنے کوارٹر والے ہائیڈ آؤٹ میں پہنچ گیا۔ گاڑی میں نے وہاں سے تھوڑی دور ایک جگہ درختوں کے جھنڈ کے نیچے اندھیرے میں کھڑی کر دی تھی۔

میں ذرا پہلے آگیا تھا۔ رات بارہ بجے ماسٹر سپائی کریم بھی پہنچ گیا۔ ہم کوارٹر کے خالی خالی سے کمرے میں بیٹھ گئے۔ میں نے فرش کے کونے میں موم بتی روشن کر رکھی تھی۔ جب میں نے کریم کو بتایا کہ میں نے جموں جانے والی اسلحہ کی فوجی ٹرین کا سراغ لگالیا۔ تو اس نے میری طرف تحسین آمیز نظروں سے دیکھا اور بولا۔

"ذرا ٹھہرو"

وہ اٹھ کر دروازے کے پاس گیا۔ دروازے کو تھوڑا سا کھول کر اندھیرے میں باہر دیکھا۔ دروازے کو بند کیا اور واپس آکر میرے سامنے سٹول پر بیٹھ گیا۔

"ٹرین کے بارے میں تمہیں کیا معلوم ہوا ہے؟"

میں نے اسے بتایا کہ اسلحہ سے بھری ہوئی یہ فوجی مال گاڑی اس مہینے کی بیس تاریخ کو آدھی رات کے وقت دیولالی کے فوجی گیریزن کی ہالٹ لائن سے روانہ ہوگی۔ پھر میں نے خفیہ مائیکروفون کے ذریعے مسٹر پانڈے اور کرنل شرما کی جو باتیں سنیں تھیں وہ ساری کی ساری بیان کر دیں۔ کریم بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا۔

"تم نے اپنے پہلے کمانڈو ایکشن کا پہلا امتحان پاس کر لیا ہے۔ اب تمہیں یہ گاڑی تباہ کرنی ہوگی"

میں نے اسے بتایا کہ کرنل شرما اور مسٹر پانڈے کی باتوں سے تمہاری اس بات کی بھی تصدیق ہوگئی ہے کہ اس ٹرین میں اسرائیل کے دیئے ہوئے نیپام راکٹ بموں کی بہت بھاری تعداد کشمیر کے محاذ پر لے جائی جا رہی ہے۔

"مسٹر پانڈے نے کرنل شرما سے کہا تھا کہ کشمیر فرنٹ پر بریگیڈیئر کو بتا دینا کہ ہم تمہیں اتنے زیادہ نیپام راکٹ سپلائی کر رہے ہیں کہ تم کشمیر کے سارے مسلمانوں کے گھروں کو جلا کر راکھ کر سکتے ہو"

کریم بولا۔

"اس گاڑی کو تباہ کرنا بڑا ضروری ہو گیا ہے۔ یہ گاڑی ہرگز ہرگز جموں صحیح سلامت نہیں پہنچنی چاہیے۔"

میں نے اس سے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں ہمیں کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہیے؟"

ماسٹر سپائی کریم بھائی نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ کسی گہری سوچ میں تھا۔

وہ کچھ دیر گہری سوچ میں گم رہا۔
پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔ میری طرف متوجہ ہو کر بولا۔
"ہمیں اس گاڑی کو جھانسی اور بھوپال کے درمیان تباہ کرنا ہو گا۔ میرے ذہن میں ایک ویران ریلوے سٹیشن آگیا ہے جس کا نام ڈگھاٹ ہے۔ یہاں سے ہم ٹرین پر اٹیک کر سکتے ہیں"
میں نے پوچھا۔
"ڈگھاٹ ریلوے سٹیشن میں کون سی خاص بات ہے اور اس سے پہلے ہم کسی جگہ گاڑی کو تباہ کیوں نہیں کر سکتے۔"
ماسٹر سپائی کریم نے مجھے تفصیل سے سمجھاتے ہوئے کہا۔
"یہ ایک ملٹری ٹرین ہے۔ اسلحہ سے بھری ہوئی ہے اور خاص طور پر اس میں نیپام بم کے راکٹوں کی بھاری تعداد موجود ہے۔ ظاہر ہے اس کی سیکورٹی کے زبردست انتظام کئے گئے ہوں گے سیکورٹی گارڈز کی پوری پلاٹون اس کے ساتھ سفر کر رہی ہو گی۔"
میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔
"لیکن ہم اس گاڑی کو بھارتی پنجاب کے علاقے میں بھی تباہ کرنے کی کوشش

کر سکتے ہیں وہاں ہمیں خالصتان تحریک کے سکھوں کی بھی مدد مل سکتی ہے۔"
کریم بھائی بولا۔
"پنجاب میں گاڑی پر ہمارا حملہ ناکام بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ خالصتان کی تحریک اور کشمیری کمانڈوز کے خطرے کے پیش نظر اسلحہ سے لدی ہوئی یہ گاڑی جب بھارتی پنجاب کی حدود میں داخل ہو گئی تو اس کی سیکورٹی مزید سخت کر دی جائے گی۔ بہت ممکن ہے کہ اس کے آگے اور پیچھے سیکورٹی گارڈز کا ایک ایک اضافی ڈبہ بھی لگا دیا جائے جس کی چھت پر انڈین گنر مشین گنیں لگائے مورچے بنا کر بیٹھے ہوں۔ پنجاب سے پہلے پہلے خاص طور پر مدھیہ پردیش کا جو علاقہ ہے یہاں فوجی نقطہ نگاہ سے ٹرین کو کسی تخریبی کاروائی کا خطرہ نہیں ہے یہاں کبھی کسی فوجی ٹرین پر کشمیریوں کا کمانڈو اٹیک نہیں ہوا۔ اس لئے سیکورٹی کے حکام یہاں ٹرین کی سیکورٹی کی جانب سے نارمل رہیں گے۔ ہمارے کمانڈو اٹیک کے لئے یہی علاقہ سب سے موزوں رہے گا اور اس علاقے میں صرف ڈگھاٹ نام کا ایک ایسا غیر آباد ویران سا دیہاتی ریلوے سٹیشن ہے جہاں سے ہم ٹرین پر اٹیک کر سکتے ہیں۔"
میں نے ڈگھاٹ کے بارے میں مزید پوچھا تو ماسٹر سپائی نے کہا۔
"یہ سارا علاقہ میرا دیکھا ہوا ہے۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں اس مشن میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔"
میں نے کہا۔
"ٹرین کو تباہ کرنے کے لئے ہمیں تمہارے خیال میں کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہم ریلوے لائن میں دو تین جگہوں پر زبردست دھماکے سے پھٹنے والے بم لگا دیں۔"
ماسٹر سپائی کریم کہنے لگا۔
"اگر ٹرین میں صرف گولہ بارود ہی لدا ہوتا تو ہم ایسا کر سکتے تھے۔ لیکن میری

اطلاع کے مطابق ٹرین کے تین ڈبے نیپام راکٹوں سے بھرے ہوئے ہیں اور نیپام راکٹوں کے بارے میں تازہ ترین تحقیقات کی روشنی میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس کے ڈیٹونیٹر فیوز کو ضرب نہ لگائی جائے یا اس پر کسی دوسرے راکٹ کی ڈائریکٹ ہٹ نہ لگائی جائے یہ نہیں پھٹتا۔ ہم اگر ریلوے لائن کو اکھاڑ بھی دیتے ہیں تو اس کے دو ہی نتیجے سامنے آسکتے ہیں۔ پہلا نتیجہ یہ کہ ہو سکتا ہے انجن ڈرائیور دور سے پٹڑی کو اکھڑا ہوا دیکھ لے۔ یا قریب جا کر ٹرین روکنے میں کامیاب ہو جائے۔ یا اگر روکتے روکتے ٹرین کے دو تین ڈبے الٹ بھی جائیں تو اس سے ساری گاڑی کو نقصان پہنچنے کا امکان نہیں ہے۔ کیونکہ نیپام راکٹ یقیناً پچھلے ڈبوں میں بھرے ہوئے ہوں گے۔ فرض کریں کہ ساری کی ساری گاڑی ہی الٹ جاتی ہے تب بھی یہ ضروری نہیں کہ ساری ٹرین کے اسلحے کو آگ لگ جائے۔ یہ جدید سائنس کا زمانہ ہے۔ اسلحہ کو یقیناً پوری طرح سے محفوظ بنا کر ٹرین میں لے جایا جا رہا ہو گا۔"

میں نے بھی کمانڈو تربیت کے دوران اسلحہ وغیرہ کی پوری ٹریننگ لے رکھی تھی۔ میں نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں ان ڈبوں یا بوگی پر جس میں نیپام راکٹ لے جائے رہے ہیں راکٹ فائر کرنے ہوں گے"

کریم نے مسکرا کر میری طرف دیکھا۔ کہنے لگا۔

"تم نے بالکل ٹھیک کہا۔ ہمیں راکٹ لانچر سے راکٹ فائر کرنے ہوں گے اور چلتی ٹرین پر نشانہ لگانا ہو گا اور نشانہ بھی صرف ان ڈبوں کا لگانا ہو گا جن میں نیپام راکٹ ہوں گے"

میں نے کہا۔

"اس بارے میں کیسے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ نیپام راکٹ پچھلے ڈبوں میں ہی بھرے ہوئے ہوں گے"

کریم بولا۔

"اس کا مجھے پورا یقین ہے۔ مجھے اس بارے میں اپنے ذرائع سے بھی یہی اطلاع ملی ہے کہ خطرناک اسلحہ ٹرین کی عقبی بوگیوں یا بوگی میں لدا ہوا ہو گا"

مجھے ایک خیال آگیا۔ میں نے کہا۔

"کیا راستے میں کوئی پہاڑی سرنگ نہیں آتی؟ میرا مطلب ہے کہ کیا ہم سرنگ میں ٹرین پر حملہ نہیں کر سکتے؟"

"نہیں نہیں۔ یہ ہرگز نہ سوچنا۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ سرنگیں بمبئی سے پوری سٹیشن تک اوپر تلے آتی ہیں۔ دیولالی سے آگے برہان پور تک دو ایک سرنگیں آتی ہیں مگر وہ چھوٹی ہیں۔ ویسے بھی سرنگ میں چھپ کر ہم ڈبے پر راکٹ فائر نہیں کر سکتے۔ اگر فائر کر بھی دیا تو ساتھ ہی ہمارے بھی پرخچے اڑ جائیں گے۔ مڈ گھاٹ کا سٹیشن اس کمانڈو ایکشن کے لئے بالکل موزوں رہے گا۔ میں تمہیں پہلے ساتھ لے جا کر یہ جگہ دکھا دوں گا۔ ابھی ٹرین کے چلنے میں دس دن باقی ہیں۔ ہم کل ہی مڈ گھاٹ کا سپاٹ دیکھنے کے لئے احمد آباد سے روانہ ہو جائیں گے۔ ہمیں احمد آباد سے بذریعہ بس رتلام تک سفر کرنا ہو گا۔ رتلام سے ہم ٹرین پکڑیں گے اور بھوپال آجائیں گے۔ مڈ گھاٹ بھوپال اور جھانسی کے درمیان ایک سٹیشن ہے تم ایسا کرنا۔ صبح دس بجے احمد آباد کے شو پوری والے بس اڈے پر پہنچ جانا۔ وہاں سے رتلام کے لئے لاریاں چلتی ہیں تمہیں جو پہلی لاری ملے تم اس میں سوار ہو کر رتلام پہنچ جانا۔ میرا انتظار نہ کرنا۔ تم رتلام کے لاری اڈے پر میرا انتظار کر سکتے ہو۔ میں وہاں تمہارے تھوڑی دیر بعد ہی پہنچ جاؤں گا۔ ہم احمد آباد سے اکٹھے سفر نہیں کریں گے۔ اور کوئی خاص بات؟"

میں نے کہا۔

"بالکل نہیں"

ماسٹر سپائی اٹھ کھڑا ہوا۔

"او کے۔ میں جاتا ہوں"

یہ کہ کر کریم تیزی سے باہر نکل گیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد میں بھی اپنی گاڑی میں بیٹھا مسٹر پانڈے کے بنگلے کی طرف جا رہا تھا۔ رات کے اڑھائی بجے میں گھر پہنچا۔ کمرے میں آتے ہی صبح آٹھ بجے کا الارم لگا کر سو گیا۔ صبح الارم نے مجھے جگا دیا۔ ناشتے کی میز پر مینا کشی اور مسٹر پانڈے موجود تھے۔ میں نے مندر سے کچھ پھول لے کر گاڑی میں رکھ لئے تھے۔ میں نے وہ پھول انہیں دیئے اور کہا۔

"رات میں دو بجے تک بھگوان مہاویر کے نام کی مالا کا جاپ کرتا رہا۔ یہ پھول تمہارے لئے بھگوان مہاویر نے بھیجے ہیں"

مینا کشی اور مسٹر پانڈے نے گیندے کے پھول بڑی عقیدت سے لئے اور انہیں بار بار چوم کر آنکھوں سے لگانے لگے۔ پھر میں نے انہیں کہا کہ مجھے دو ایک دن کے لئے دلی جانا پڑ گیا ہے۔ مینا کشی نے فکرمند سی ہو کر پوچھا۔

"گورو جی! خیر تو ہے ناں؟"

"ہاں ہاں"

میں نے کہا۔

"رات کو میں نے دلی اپنی بھانجی کو فون کیا تھا۔ تمہیں تو معلوم ہی ہے وہ تمہارے ڈانس سنٹر میں داخل ہو کر بھارت ناٹیم سیکھنا چاہتی تھی۔ مگر رات معلوم ہوا کہ وہ بڑی بیمار ہے۔ اسی لئے مجھے آج ہی احمد آباد سے دلی جانا پڑ گیا ہے"

مسٹر پانڈے نے فوراً کہا۔

"میں ابھی فون کر کے آپ کی کسی فلائٹ میں سیٹ ریزرو کروا دیتا ہوں"

میں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

"نہیں نہیں۔ میں ہوائی جہاز میں سفر کرنا پسند نہیں کرتا۔ تم لوگ فکر نہ کرو۔

دس بجے بڑودہ ایکسپریس دلی جاتی ہے میں اسی میں چلا جاؤں گا۔"

مسٹر پانڈے کو ذرا تشویش سی ہوئی۔ کیونکہ ابھی اس کے گردے کی ایک پتھری اس کے گردے میں موجود تھی اور اس کے ترقی کی فائیل پر اندرا گاندھی کے دستخط ہونے بھی باقی تھے کہنے لگا۔

"گورو جی! آپ جلدی واپس آجائیں گے نا؟ آپ نہیں ہوں گے تو مجھے تو ایسے لگے گا جیسے اس گھر سے بھگوان روٹھ کر چلا گیا ہے"

میں نے اسے تسلی دی۔

"گوکل داس! تمہارا ہمارا ایسا سمبندھ ہو گیا ہے کہ یہ اس جنم میں تو نہیں ٹوٹے گا۔ میں دو تین دن سے زیادہ دلی نہیں ٹھہروں گا۔ مجھے بھی تو یہاں مہاویر جی کے مندر میں ہر روز حاضر ہو کر پوجا پاٹھ کرنی ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک طرح سے میں ایک چلہ کاٹ رہا ہوں۔"

مسٹر پانڈے اور مینا کشی دونوں کی تسلی ہوئی۔ مسٹر پانڈے نے ناشتے کی ٹیبل سے اٹھتے ہوئے مینا کشی سے کہا۔

"بیٹی تم خود گورو جی کو سٹیشن پر چھوڑ آنا۔ ڈرائیور کے ساتھ مت بھیجنا"

مینا کشی نے فوراً کہا۔

"ٹھیک ہے ڈیڈی!"

جب مسٹر پانڈے اپنے آفس چلے گئے تو میں نے مینا کشی سے کہا۔ کہ میں اکیلا ہی سٹیشن جاؤں گا۔ اس کے ساتھ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ مینا کشی تو میرے ہر حکم کو بھگوان کا حکم سمجھتی تھی۔ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"جیسے آپ کی مرضی گورو جی"

مجھے معلوم تھا کہ جیسے ہی میں بنگلے سے باہر نکلا خفیہ پولیس کا آدمی اپنے معمول کے مطابق میرے پیچھے نکل پڑے گا۔ ہاں اگر میں گاڑی میں جاؤں گا تو وہ میرا تعاقب کرنے کا اتنا تردد نہیں کرے گا۔ کیونکہ ابھی تک میں ان کی نظروں میں مسٹر پانڈے کے گھر ٹھہرا

ہوا ایک سادھو سنت ہی تھا۔ انہیں ابھی میرے بارے میں کچھ بھی علم نہیں تھا۔ وہ بس روٹین میں میری نگرانی کر رہے تھے۔ چنانچہ میں نے میناکشی سے کہا

"تم ایسا کرنا کہ مجھے سوامی نارائن کے مندر چھوڑ دینا میں دلی جانے سے پہلے وہاں پرارتھنا کرنا چاہتا ہوں"

میناکشی فوراً تیار ہو گئی۔

ابھی دس نہیں بجے تھے۔ میں میناکشی کی گاڑی میں اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھ بنگلے سے نکلا۔ ظاہر ہے خفیہ پولیس والوں نے مجھے دیکھا ہو گا۔ لیکن گاڑی میں دیکھ کر میرا پیچھا کرنے کا خیال دل سے نکال دیا ہو گا۔ دوسری بات یہ بھی تھی کہ میری نگرانی سے انہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ میں بنگلے سے نکل کر مندر ہی جاتا ہوں۔

میناکشی نے مجھے نارائن جی کے مندر کے دروازے پر اتار دیا اور مجھے نمسکار کہہ کر چلی گئی۔ میں نے کچھ وقت مندر میں گزارا۔ اور پھر مندر کے دوسرے دروازے سے نکل کر موٹر رکشا لیا اور پوری بازار کے لاری اڈے پر پہنچ گیا۔ آدھ گھنٹہ بعد مجھے رتلام جانے والی بس مل گئی۔ اور میں رتلام کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ سارا راستہ کافی لمبا تھا۔ احمد آباد سے نکلنے کے بعد کچھ دیر تک علاقہ تھوڑا ریتلا اور تھوڑا سرسبز آتا رہا۔ پھر نیم پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا۔ بہر حال بس ڈیڑھ بجے کے قریب رتلام پہنچی۔ رتلام شہر میرے لئے بالکل اجنبی تھا۔ یہاں میں پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔ کریم بھائی نے کہا تھا کہ میں لاری اڈے پر ہی اس کا انتظار کروں۔ چنانچہ میں نے وہیں ایک چھوٹی سی کینٹین میں بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا اور کریم بھائی کا انتظار کرنے لگا۔ میں ایسی جگہ بیٹھا تھا جہاں اور لاریاں قریب ہی آ کر رکتی تھیں اور مسافر اترتے تھے۔ کافی دیر بعد ایک لاری آ کر رکی۔ اس میں سے جو مسافر اترے ان میں کریم بھائی بھی تھا۔ میں احتیاطاً اپنی جگہ پر ہی بیٹھا رہا۔ کریم نے اتر کر ارد گرد کا جائزہ لیا۔ اس کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ میرے پاس آ گیا۔

"جب تم بنگلے سے نکلے تھے تو کوئی انٹیلی جینس کا آدمی تو تمہارے پیچھے نہیں لگا

تھا؟"

میں نے اسے بتایا کہ میں میناکشی کی گاڑی میں بیٹھ کر پہلے سیدھا مندر گیا تھا۔ پھر وہاں کچھ دیر ٹھہرنے کے بعد رکشا لے کر لاری اڈے آیا تھا۔ وہ بولا۔

"میرے ساتھ آؤ"

ہم لاری اڈے سے نکل کر بازار میں آ گئے۔ اس نے ایک موٹر رکشا کو ہاتھ دے کر روکا اور کہا۔

"ریلوے سٹیشن چلو"

راستے میں اس نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے کھانا کھا لیا تھا۔ میں نے کہا۔ ہاں کھا لیا تھا۔ اس کے بعد وہ خاموش ہو گیا اور ریلوے سٹیشن تک خاموش رہا۔ میں نے کوئی بات کرنی چاہی تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے روک دیا۔

ریلوے سٹیشن آ کر معلوم ہوا کہ بھوپال جانے والی گاڑی شام کے وقت چلے گی۔ کریم کہنے لگا۔

"یہاں سے بھوپال تک کا سارا علاقہ جنگلوں سے بھرا ہوا ہے۔ ان جنگلوں میں شیر ہاتھی سب درندے ہوتے ہیں رات تو ہمیں بھوپال میں پڑ جائے گی۔ ہم شام کی گاڑی ہی پکڑیں گے اتنی دیر ہم ایک گھاٹ پر چل کر بیٹھتے ہیں"

کریم کو اس شہر کے سارے علاقوں کا پتہ تھا۔ وہ مجھے ایک گھاٹ پر لے آیا جس کے ساتھ ہی ایک بڑی کشادہ ندی بہہ رہی تھی۔ یہاں گھاس پھونس کی جھونپڑی کی ایک چائے کی کینٹین بنی ہوئی تھی۔ ہم کینٹین کے باہر لوہے کی پرانی کرسیوں پر چائے منگوا کر بیٹھ گئے۔ وہ کہنے لگا۔

"یہاں سے واپس احمد آباد پہنچتے ہی مجھے سب سے پہلے اپنے ایک خاص آدمی کو دیولالی بھیجنا ہو گا۔ وہ اپنے ذرائع سے اس بات کی تصدیق کرنے کی کوشش کرے گا کہ دیولالی کے فوجی گیریزن سے بیس تاریخ کی رات کو ایک فوجی مال گاڑی روانہ ہو رہی ہے کہ نہیں۔ وہ اس گاڑی کا نمبر اور اس کے ڈبوں کا کلر

وغیرہ معلوم نہیں کر سکے گا۔ اگرچہ اس وقت یہ گاڑی گیریژن کے اندر تک گئی ہوئی ریلوے لائن پر کھڑی ہو گی مگر وہ گیریژن میں داخل نہیں ہو سکے گا۔ وہ صرف اس کی روانگی کی تصدیق کرنے کی ہی کوشش کرے گا۔"

میں نے پوچھا۔

"ہمیں کیسے پتہ چلے گا کہ فوجی مال گاڑی دیو لالی سے روانہ ہو چکی ہے"

ماسٹر سپائی نے کہا۔

"ہمارا ایک آدمی جل گاؤں کے ریلوے سٹیشن پر اس رات ریلوے قلی کے بھیس میں موجود ہو گا۔ دیو لالی سے آگے جل گاؤں کا بڑا سٹیشن ہے۔ جیسے ہی فوجی مال گاڑی جل گاؤں سے رن تھرو گزرے گی وہ ریڈیو ٹرانسیٹر پر ہمیں مڈ گھاٹ خبر کر دے گا۔ ہم دونوں مڈ گھاٹ کے سٹیشن کی قریبی پہاڑی میں موجود ہوں گے۔"

میرے اس سوال پر کہ یہ ٹرین دیو لالی کے فوجی گیریژن سے روانہ ہونے کے بعد مڈ گھاٹ کے سٹیشن پر کب پہنچے گی اس نے کہا۔

"اس فوجی گاڑی کا روٹ میرے حساب سے یہ ہونا چاہئیے۔ وہ دیو لالی سے جل گاؤں' بھوساول' برہان پور' کھنڈوا' ہوشنگ آباد' بھوپال' جھانسی' گوالیار' آگرہ اور دلی ۔ دلی سے آگے دو روٹ ہو سکتے ہیں۔ ایک روٹ پانی پت کرنال کی طرف سے جالندھر اور دوسرا روٹ میرٹھ انبالہ لدھیانہ اور جالندھر۔ جالندھر سے پہنچ کر اسی گاڑی کو ہوشیار پور کٹھوعہ سے ہوتے جموں توی پہنچنا ہے۔ اگرچہ یہ گاڑی کسی سٹیشن پر نہیں رکے گی۔ اس کا سفر رن تھرو ہو گا۔ لیکن کسی کسی جگہ تھوڑی دیر کے لئے پانی وغیرہ لینے کے لئے رک سکتی ہے۔"

میں نے پوچھا۔

"پھر تو یہ مڈ گھاٹ کے سٹیشن پر بھی نہیں رکے گی اور ہمیں چلتی ٹرین پر اٹیک کرنا ہو گا"

وہ بولا۔

"ہمیں موونگ ٹارگٹ یعنی چلتی ٹرین پر ہی راکٹ فائر کرنے کے لئے تیار رہنا ہو گا۔ اور ٹرین کی پچھلی تین چار بوگیوں پر اوپر تلے راکٹوں کا ریپڈ فائر کرنا ہو گا۔ اگلے ڈبوں پر فائر کرنے سے فائدہ حاصل نہیں ہو گا۔"

میں نے کہا۔

"اور اگر اتفاق سے یا کسی خطرے کے پیش نظر نیپام راکٹوں کی پیٹیاں اگلے ڈبوں میں لدی ہوئی ہوئیں تو پھر کیا ہو گا؟"

کریم نے کندھے سکیڑتے ہوئے کہا۔

"پھر جو اللہ کی مرضی ہو گی وہی ہو گا بہر حال ہم پچھلے ڈبوں کو ہٹ کریں گے"

جب میں نے یہ سوال کیا کہ ہمارے پاس راکٹ لانچر اور راکٹ کہاں سے آئیں گے تو ماسٹر سپائی اور پاکستان اور اسلام کے سچے عاشق کریم بھائی نے کہا۔

"ہندوستان کی ہندو حکومت مسلمانوں کی جانی دشمن ہے۔ وہ ہندوستان سے ہمارا نام ونشان مٹا دینا چاہتی ہے۔ اس کے لئے وہ باقاعدہ ایک پروگرام بنا کر اس پر عمل کر رہی ہے ہندوؤں کا اپنا تو کوئی دین مذہب نہیں ہے۔ وہ ہندوستان کے نئی نسل کے مسلمان نوجوانوں کو ہندو بنانے کی مذموم کوشش کر رہی ہے۔ اس کے علاوہ ہر مہینے کسی نہ کسی شہر میں ہندو مسلم فسادات کرائے جاتے ہیں اور مسلمانوں کو بے دریغ موت کے گھاٹ اتارا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ان ناپاک عزائم کے خلاف ہم بھارتی مسلمان اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ مگر ہماری جنگ خفیہ جنگ ہے۔ اس جنگ کی حکمت عملی یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو زیادہ سے زیادہ دینی تعلیم کی طرف لا رہے ہیں اور ان کو ہندو حکومت کے اسلام دشمن عزائم سے آگاہ کر رہے ہیں۔ اب میں تمہیں یہ بتاتا ہوں کہ انڈین ملٹری ٹرین کو اڑانے کے لئے راکٹ کہاں سے آئیں گے۔ میں نے اپنے طور پر یہاں کچھ پرجوش' اسلام کے شیدائی اور پاکستان دوست مسلمانوں

کو خفیہ طور پر ساتھ ملا کر ایک خفیہ جمعیت بنائی ہوئی ہے۔ اس کا مظاہرہ تم
نے دیکھ ہی لیا ہو گا۔ یہ اسی ہماری اسلامی جمعیت کے ممبر تھے جو تمہارے پاس
ہوٹل میں پھولوں کا گلدستہ دے گئے اور مائیکرو فون پہنچا گئے یہ کوئی اتنی
بردست جمعیت ہے۔ اور ہمارا مقصد تخریب کاری بھی نہیں ہے بلکہ اپنے
حقوق کا تحفظ ہمارا مقصد ہے اور سب سے اہم مقصد یہ ہے کہ پاکستان کے
استحکام کا خیال رکھا جائے اور کشمیر کے محاذ پر اپنی آزادی اور بقا کی جنگ لڑنے
والے کشمیری مجاہدوں کی ہر طرح سے مدد کی جائے۔ ہمارے آدمی احمد آباد میں
زندگی کے ہر شعبے کے ادارے میں موجود ہیں۔ وہ ہمیں جدید قسم کے دور سے
مار کرنے والے راکٹ اور راکٹ لانچر مہیا کریں گے۔ تم ان کی فکر نہ کرو۔
صرف انڈین فوجی اداروں میں ہماری ابھی تک رسائی نہیں ہو سکی۔ اس کی
وجہ صرف یہ ہے کہ اول تو مسلمانوں کو نازک اور حساس فوجی اداروں میں
ملازم نہیں رکھا جاتا اور اگر مزدوروں ایسے کام کرنے کے لئے ملازم رکھا بھی
جاتا ہے تو انہیں حساس مقامات کے نزدیک بھی نہیں آنے دیا جاتا یہ راکٹ
لانچر ہمارے اعلیٰ ترین کاری گر خود بنا کر ہمیں دیں گے اور راکٹ یہ لوگ
کہاں سے لائیں گے؟ اس کی خود مجھے بھی خبر نہیں ہے بہر حال یہ لوگ یہ
تمام چیزیں ہمیں مہیا کر دیں گے۔"

کافی دیر تک ہم اس چھوٹے سے ندی کنارے والے ریستوران کے باہر بیٹھے باتیں
کرتے رہے۔ جب دن کی روشنی کم ہونے لگی تو ہم اٹھ کر ریلوے سٹیشن آ گئے۔ یہاں
سے بھوپال کی طرف جانے والی گاڑی میں سوار ہوئے۔ یہ پسنجر ٹرین تھی۔ اس نے رات
کے دس بجے ہمیں بھوپال پہنچایا۔ رات ہم نے سٹیشن کے قریب ایک چھوٹے سے ہوٹل
میں گزاری۔ صبح صبح اٹھ کر ایک بار پھر ریلوے سٹیشن پہنچے۔ یہاں سے پھر آگے جھانسی کی
طرف جانے والی ایک مسافر ٹرین میں سوار ہوئے اور آدھ گھنٹے بعد مڈگھاٹ کے سٹیشن
اتر گئے۔ یہ سٹیشن ایک پہاڑی کے دامن میں تھا۔ بالکل ویران سٹیشن تھا۔ مسافر گاڑی

ی تو اس میں ہمارے علاوہ صرف ایک مسافر اترا جو تھوڑی دیر کے بعد نظروں سے
جھل ہو گیا۔ پلیٹ فارم پر سٹیشن کے عملے کا صرف ایک آدمی نظر آیا جو سٹاف کے
مرے کے باہر ہاتھ میں سبز اور سرخ جھنڈیاں لئے خاموش کھڑا تھا۔ گاڑی نے سیٹی دی تو
ں نے سبز جھنڈی لہرا دی۔ گاڑی چھک چھک کرتے سٹیشن سے نکل گئی۔ اس آدمی نے
ارے ٹکٹ چیک کئے اور بولا۔

"کہاں جاؤ گے؟"

کریم بھائی اس علاقے کا واقف تھا۔ اس نے کسی جگہ کا نام لے کر کہاں وہاں جنگل
ں کٹائی ہو رہی ہے وہاں جائیں گے۔ ٹکٹ چیکر نے کہا۔

"دھیان سے جانا۔ آج کل ادھر ایک آدم خور شیر آیا ہوا ہے"

یہ کہکر وہ دفتر کے کمرے میں گیا اور دروازہ بند کر دیا۔ کریم بھائی مجھے ساتھ لے کر
یٹ فارم کے شمال کی طرف چل پڑا۔ کہنے لگا۔

"میں نے تمہیں کہا تھا نا۔ یہ جنگل بڑے خطرناک ہیں۔ یہ ہندوستان کے وسطی
پہاڑی جنگلوں کا علاقہ ہے۔ یہ خطرناک گھنے جنگل آگے جھانسی سے لے کر
نجیب آباد کی پہاڑیوں تک پھیلے ہوئے ہیں۔"

ہم باتیں کرتے پلیٹ فارم کے آخری سرے تک پہنچ گئے۔ یہاں سے ہم نے ایک
یلے کی چڑھائی چڑھنی شروع کر دی۔ میں نے اردگرد کا جائزہ لیا۔ دور دور تک ان کی
وشنی میں بھورے رنگ کی اونچی نیچی پہاڑیاں پھیلی ہوئی تھیں۔ ان پہاڑیوں کے دامن
ور ڈھلانیں درختوں سے ڈھکی ہوئی تھیں۔ کریم بھائی کہہ رہا تھا۔

"اس مڈگھاٹ نام کے ویران ریلوے سٹیشن پر ریلوے ملازم بھی آنے سے
گریز کرتے ہیں۔ جس سے دشمنی لینی ہو اس کو یہاں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔
ہ اس سٹیشن پر کوئی کوئی مسافر ٹرین ہی رکتی ہے۔ میں نے بھوپال سے ٹکٹ لینے
سے پہلے دریافت کر لیا تھا کہ یہ ٹرین مڈگھاٹ رکے گی یا نہیں۔ جب ٹکٹ بابو
نے بتایا کہ گاڑی مڈگھاٹ رکے گی تو میں نے ٹکٹ لئے تھے۔ بہر حال یہ اس

اعتبار سے بھی خطرناک سٹیشن ہے کہ رات کبھی کبھار جنگلی درندے آجاتے
ہیں اور پلیٹ فارم پر آزادی سے چلتے پھرتے رہتے ہیں۔"

ہم ٹیلے کی چڑھائی تھوڑی سی چڑھنے کے بعد زمین کے متوازی ہو کر ٹیلے کے
جھاڑیوں میں چلنے لگے۔ کوئی دس پندرہ منٹ اسی طرح چلنے کے بعد ایک چٹان کے پیچھے
نکلے تو کریم یہاں رک گیا اور بولا۔

"یہاں سے ذرا نیچے نظر ڈالو"

میں نے نیچے نگاہ ڈالی تو دن کی روشنی میں مجھے ریل کی پٹڑی چمکتی نظر آئی۔ یہ
کوئی پچاس فٹ کی ڈھلان تھی۔ ڈھلان جہاں ختم ہوتی تھی وہاں مڈ گھاٹ سٹیشن کا پلیٹ
فارم شروع ہو جاتا تھا۔ ریلوے لائن مشرق سے جنوب تک دور تک نظر آ رہی تھی۔ کریم
بھائی بولا۔

"یہاں سے ہم ملٹری ٹرین کو دور سے آتا ہوا بھی دیکھ سکتے ہیں اور وہ دیر تک
ہماری نگاہوں کے سامنے سے گذرتی رہے گی۔ یہ پہاڑ کی چڑھائی ہے یہاں
ٹرین کی رفتار بھی نہیں ہوگی۔"

اس نے ایک کھمبے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ کھمبا پانی کا پائپ ہے۔ یہاں ٹرین کا انجن پانی لینے کے لئے بھی رک سکتا ہے۔"

میں نے کہا۔

"اگر انجن یہاں پانی لینے کے لئے رکے گا تو باقی کی ساری ٹرین تو پیچھے دور ہو گی اس طرح
ٹارگٹ ہماری رینج سے دور ہو جائے گا۔"

اس نے کہا۔

"بھوپال سے آگے مال گاڑی کو دو انجن لگا دیئے جاتے ہیں۔ تاکہ پہاڑی علاقے
میں سے ٹرین آسانی سے گذر سکے۔ چنانچہ ملٹری مال گاڑی کے بھی دو انجن
ہوں گے۔ ایک انجن آگے لگا ہو گا۔ ایک انجن پیچھے لگا ہو گا۔ جب پہلا انجن
پانی لے لے گا تو ٹرین آہستہ آہستہ آگے کھسکنے لگے گا تاکہ پچھلے انجن کو پانی

لینے کے واسطے کھمبے کے نیچے لایا جائے۔ اگرچہ واقعی ٹرین یہاں پانی لینے کے
لئے رک گئی تو ہمیں ٹرین کو اڑانے کے لئے بڑا آسان ٹارگٹ مل جائے گا۔"

میں نے اس سے پوچھا۔

"ٹرین یہاں پہنچے گی کس وقت؟"

کریم بھائی نے کہا۔

"دیو لالی سے چل کر عام ٹرینیں یہاں دوسرے دن رات کے وقت پہنچتی ہیں
مگر یہ اسلحے سے لدی ہوئی مال گاڑی رن تھرو ہوگی۔ میرے اندازے کے
مطابق یہ دوسرے دن شام کے وقت پہنچی تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔
یہاں پلیٹ فارم کے کھمبوں پر بجلی کے بلب روشن ہوں گے۔ ہم گاڑی پر
راکٹ فائر کر سکیں گے۔ ٹرین پر حملہ کرنے کے لئے اس ریلوے سٹیشن کو میں
نے اس لئے چنا ہے کہ دیو لالی سے جھانسی تک سارے راستے میں اس سے
زیادہ دور افتادہ ویران اور بے نام ونشان سٹیشن اور کوئی نہیں ہے۔ پھر یہ
چاروں طرف سے چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور چٹانوں میں گھرا ہوا ہے ہم ٹرین
اڑانے کے بعد آسانی سے روپوش ہو سکتے ہیں۔ آس پاس کوئی پولیس سٹیشن یا
کوئی فوجی گیریزن بھی نہیں ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ اس سٹیشن پر ریلوے
کا عملہ بھی دو تین آدمیوں کا ہی ہوتا ہے یہاں کوئی قلی بھی کہیں دیکھنے میں
نہیں آیا۔ یہ ساری باتیں ہمارے مشن کے لئے بڑی موزوں اور فائدہ مند
ہیں۔ اسی لئے میں نے اس سٹیشن کا انتخاب کیا ہے۔ جھانسی سے آگے نیم
پہاڑی اور نیم میدانی علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔ ایک تو وہاں ہر سٹیشن کے آس
پاس آبادیاں ہیں۔ دوسرے وہاں ٹرین کی رفتار بھی تیز ہو جاتی ہے۔ یہاں تو
مال گاڑیاں رینگ رینگ کر چلتی ہیں ہاں اگر رن تھرو گاڑی ہو اور اس کو دو
انجن لگے ہوں تو اس کی رفتار ذرا تیز ہوتی ہے۔"

میں نے ایک تربیت یافتہ کمانڈو کی حیثیت سے اس جگہ کا جائزہ لیا۔ واقعی یہاں سے

ٹرین پر راکٹ فائر کرنا آسان تھا۔ ٹرین اگر تیز رفتار بھی ہو تب بھی اسے نشانہ بنانا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ کیونکہ ایک تو ریلوے لائن نیچے اترائی میں تھی دوسرے راستے میں رکاوٹ کوئی نہیں تھی۔ ٹارگٹ رات کے وقت بھی اور موونگ حالت میں بھی دکھائی دیتا تھا اور زیادہ فاصلے پر بھی نہیں تھا۔ میں نے اپنے ماسٹر سپائی سے پوچھا۔

"اگر ہم ٹارگٹ ہٹ کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو یہاں سے ہمارے فرار کی کیا صورت ہو گی؟"

کریم کہنے لگا۔

"میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں وہ راستہ دکھاتا ہوں جہاں سے ہم فرار ہوں گے"

ہم واپس ٹیلے کی ڈھلان اترنے لگے۔ میں نے کہا۔

"ہم یہاں کسی پہاڑی غار میں بھی رات کو چھپ سکتے ہیں"

وہ کہنے لگا۔

"اسلحہ سے بھری ہوئی ایک فوجی ٹرین کی تباہی کے ساتھ ہی اس سارے علاقے کو فوج اپنے گھیرے میں لے لے گی اور فوجی کمانڈو سدھائے ہوئے کتوں کے ساتھ تخریب کاروں کی تلاش میں نکل پڑے گی۔ ہم جنگل میں اگر کسی شیر کی کچھار میں بھی چھپے ہوں گے یا زمین کے اندر بھی چھپ کر بیٹھے ہوں گے تو کمانڈو ہمیں پکڑ لیں گے۔ ٹرین اڑانے کے بعد ہمیں فوراً اس علاقے سے نکل جانا ہو گا۔ میں تمہیں وہ علاقہ دکھانا چاہتا ہوں جہاں سے ہم فرار ہوں گے۔"

پہاڑی ٹیلے سے اترنے کے بعد ہم درختوں کے گھنے جھنڈوں میں آ گئے۔ یہاں زمین ہموار تھی۔ گھاس کے بیچ میں ایک پتلی سی پگ ڈنڈی بنی ہوئی تھی۔ اس پگ ڈنڈی پر سے گذرتے ہوئے ہم سیاہ اور بھورے رنگ کی چٹانوں کے درمیان آ گئے۔ اس کے تھوڑا آگے ایک دریا بہہ رہا تھا۔ دریا کا پاٹ زیادہ چوڑا نہیں تھا۔ اس کے دوسرے کنارے کے درخت بالکل صاف نظر آ رہے تھے۔ مگر دریا کا بہاؤ تیز تھا۔ کریم نے کہا۔

"ہم یہاں آ کر دریا پار کریں گے۔ یہاں ہمیں کوئی کشتی وغیرہ نہیں مل سکے گی۔ ہمیں تیر کر دریا پار کرنا ہو گا۔"

"کیا دوسرے کنارے پر ہم محفوظ ہوں گے؟ کیا ادھر انڈین سیکورٹی پولیس کے آدمی نہیں آ جائیں گے؟"

کریم نے کہا۔

"دریا کے دوسرے کنارے کوئی دو فرلانگ کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے۔ اس گاؤں کے درمیان سے بھوپال جانے والی سڑک گذرتی ہے۔ اس سڑک پر رات کے وقت سبزیوں پھلوں اور ڈیزل تیل لے جانے والے ٹرکوں کی ٹریفک تقریباً ساری رات جاری رہتی ہے۔ ہمیں کسی نہ کسی ٹرک میں لفٹ مل جائے گی۔ اگر لفٹ نہ ملی تو ہم وہاں سے آگے جانے کا کوئی دوسرا انتظام کر لیں گے۔ بہر حال یہاں سے فرار ہونا ہمارے لئے زیادہ مشکل نہیں ہو گا۔"

ہم کچھ دیر کے لئے دریا کے کنارے اونچے اونچے نرکلوں کے پاس بیٹھ گئے۔ بڑی خوشگوار ہوا چل رہی تھی۔ کریم کہنے لگا۔

"اگر کوئی حادثہ ہو جائے اور ہم ایک دوسرے سے بچھڑ جائیں تو یہ بات یاد رکھنا کہ تمہیں ہر حالت میں اس دریا کو ضرور پار کرنا ہے۔ کیونکہ دریا پار کرنے کے بعد ہی تم بھوپال جانے والی سڑک پر آ کر وہاں سے بھوپال یا کسی دوسرے شہر جا سکو گے۔"

میں نے اس سارے علاقے کا نقشہ اچھی طرح ذہن میں بٹھا لیا۔ کچھ دیر ہم وہاں ئے اپنے منصوبے کے بارے میں گفتگو کرتے رہے۔ اس کے بعد اٹھ کر دوسری طرف پہاڑیوں میں سے ہوتے ہوئے مڈگھاٹ کے سٹیشن پر آ گئے۔ یہاں سے کوئی ایک گھنٹہ ہمیں مسافر ٹرین ملی جو آگرہ سے آ رہی تھی۔ اس میں بیٹھ کر ہم واپس بھوپال آ گئے۔ پال سے ہمیں شام کے وقت ایک ایکسپریس ٹرین میں سوار ہوئے اور رتلام پہنچے۔ ں سے دوسری لاری میں بیٹھے اور رات کے گیارہ بجے احمد آباد پہنچ گئے۔

ماسٹر سپائی کریم بھائی سٹیشن ہی سے جدا ہو گیا۔ میں نے ٹیکسی لی اور مسٹر پانڈے کے بنگلے پر آ گیا۔ میناکشی جاگ رہی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر حسب معمول بڑی خوش ہوئی۔ کہنے لگی۔

"سوامی جی! آپ نے بڑی کرپا کی جو دلی سے واپس آ گئے۔ میں تو سمجھی تھی کہ اب شاید آپ کے درشن نہ ہوں"

میں نے اس کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"یہ کیسے ہو سکتا ہے بالکا"

اس نے میری کزن کا حال پوچھا۔ میں نے کہا۔

"وہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس کے ماتا پتا نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ اسے اپنے ساتھ امریکہ لے جائیں اور وہیں اس کا علاج کرائیں۔ اچھا اب میں اوپر جاتا ہوں۔ سفر کی وجہ سے بہت تھک گیا ہوں"

میناکشی جلدی سے بولی۔

"سوامی جی! میں آپ کے پاؤں دبا دوں؟"

"نہیں نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں"

میں اوپر اپنے کمرے میں آ گیا۔ پیچھے مجھے دو باتوں کی فکر تھی۔ ایک تو میں اپنا لائٹر ٹرانسمیٹر بیڈ روم میں چھوڑ آیا تھا۔ اگرچہ میں نے اسے خفیہ جگہ پر چھپایا ہوا تھا۔ پھر بھی مجھے اس کی فکر ضرور تھی۔ دوسرے مجھے یہ تشویش بھی تھی کہ کہیں پہلی منزل کے ڈرائنگ روم والے ٹیلی فون کے اندر لگایا ہوا میرا چھوٹا مائیکروفون کسی نے نہ دیکھ لیا ہو۔ ایسا ہو سکتا تھا کہ میرے پیچھے ڈرائنگ روم کا فون خراب ہو جائے۔ مکینک آ کر اسے کھولے اور اندر لگے ہوئے مائیکروفون کا راز فاش ہو جائے۔ مگر خدا کا شکر رہا۔ ایسی کوئی بات نہ ہوئی۔ پھر بھی میں نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ مائیکروفون اپنی جگہ پر ٹھیک ہے اپنے کمرے کے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ نیچے ڈرائنگ روم میں خاموشی تھی۔ ہلکی ہلکی بھنبھناہٹ کی آواز آ رہی تھی۔ پھر ایسی آواز آئی جیسے کسی نے میز پر کوئی چیز

رکھی ہو۔ ساتھ ہی میناکشی کے گنگنانے کی آواز آنے لگی میں نے ریسیور رکھ دیا۔

ابھی تک میرا کوئی راز افشا نہیں ہوا تھا۔

اب میں نے سگریٹ لائیٹر والا ریڈیو ٹرانسمیٹر اپنی جیب میں رکھنا شروع کر دیا تھا۔ تاکہ اس کے کسی کے ہاتھ لگنے کا بالکل ہی اندیشہ نہ رہے۔ دوسرے یا تیسرے دن شام کے وقت میں ریتا لینی کے ڈانس سنٹر میں ریتا لینی کے پاس بیٹھا سٹوڈنٹ لڑکیوں کو ڈانس کی تعلیم حاصل کرتے دیکھ رہا تھا۔ کچھ لڑکیوں کے ماتا پتا بھی کمرے میں موجود تھے۔ میناکشی ابھی تک نہیں آئی تھی۔ طبلے پر ٹھیکہ لگا ہوا تھا۔ لڑکیاں تال پر رقص کر رہی تھیں۔ ریتا لینی دیوی میرے پاس صوفے پر بیٹھی تالی بجا کر طبلے کے بول دہرا رہی تھی۔ اتنے میں نوکر نے بڑے ادب کے ساتھ صوفے کے پیچھے سے آ کر مجھے آہستہ سے کہا۔

"مہاراج! آپ کا فون آیا ہے۔ کوئی ورما صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں"

میں چپکے سے اٹھ کر ساتھ والے کمرے میں آ گیا جہاں فون میز پر پڑا تھا۔ اس کا ریسیور الگ رکھا ہوا تھا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ سوائے کریم بھائی کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں نے ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا تو دوسری طرف سے کریم بھائی کی آواز آئی۔

"آج رات ہائیڈ آؤٹ پر پہنچو۔ تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے"

اس کے ساتھ ہی فون بند ہو گیا۔ میں نے ریسیور رکھا اور واپس ہال کمرے میں ریتا لینی کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ ریتا لینی دیوی رقص کی تال دینے میں مگن تھی۔ تھوڑی دیر بعد میناکشی آ گئی گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ وہ بھی رقص کرتی رہی۔ پھر ہم دونوں بنگلے پر واپس آ گئے۔ میں نے اسے کہا۔

"مجھے رات کو مہاویر جی کے درشنوں کے لئے مندر جانا ہے۔ مجھے گاڑی کی چابی دے دینا۔ تم نے کہیں نہیں جانا؟"

میناکشی نے عاجزی سے کہا۔

"گورو جی! مجھے تو کہیں نہیں جانا۔ اگر جانا بھی ہوتا تو میں نہ جاتی"

میں رات کے ساڑھے گیارہ بجے گاڑی لے کر بنگلے سے نکل گیا۔ پہلے حسب معمول نارائن جی کے مندر گیا۔ وہاں پندرہ بیس منٹ گذارے اور پھر اپنے ہائیڈ آؤٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ ویران کوارٹر سے تھوڑے فاصلے پر درختوں میں گاڑی کھڑی کی اور کوارٹر میں آ کر بیٹھ گیا۔ کوئی پانچ منٹ بعد کریم بھائی بھی پہنچ گیا۔

آتے ہی بولا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ کوئی انٹیلی جینس کا آدمی تمہارے پیچھے نہیں لگا ہوا؟"

میں نے اس طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ میں مسٹر پانڈے کے بنگلے کے باہر بیٹھی ہوئی انٹیلی جینس ٹیم سے قدرتی طور پر کچھ بے نیاز سا ہو گیا تھا۔ خاص طور پر جب میں گاڑی میں نکلتا تھا تو اپنی نگرانی کئے جانے کے اندیشے سے بالکل بے پروا ہو جاتا تھا۔ میں نے کہا۔

"میرا نہیں خیال کہ کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے"

کریم بھائی اٹھ کر بند دروازے کے پاس گیا۔ اس نے دروازہ ذرا سا کھول کر باہر جھانک کر دیکھا۔ پھر دروازہ بند کر دیا۔ میرے پاس آ کر سٹول پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا۔

"تمہیں اب بے حد محتاط رہنے کی ضرورت ہے مجھے شک ہے کہ تمہاری نگرانی ہو رہی ہے ممکن ہے کوئی آدمی تمہارا پیچھا کرتا یہاں تک بھی آیا ہو۔ بہر حال واپسی پر تم میرے نکلنے کے آدھ گھنٹہ بعد نکلنا اور یہاں سے سیدھا مندر جانا۔ وہاں کچھ دیر بیٹھنے کے بعد بنگلے پر جانا۔"

میں نے یہ بات نوٹ کر لی۔ میں نے کریم بھائی سے پوچھا کہ وہ خاص بات کیا جس کے لئے اس نے مجھے بلایا ہے۔ وہ بولا۔

"میرے آدمی نے دیو لالی سے اس بات کی اطلاع دی ہے کہ بیس تاریخ کو رات کے وقت جو ملٹری ٹرین اسلحہ لے کر جموں جا رہی ہے اس کے تین ڈبوں کا رنگ سرخ ہے۔ سارے ڈبے مال گاڑی کے بند ڈبے ہیں مگر ساتھ ایک مسافر ٹرین والا ڈبہ بھی لگا ہے جس میں فوجی جوان سیکورٹی کی خاطر ساتھ جا

رہے ہیں۔"

میں نے یہ بات بھی نوٹ کر لی اور کریم بھائی سے کہا۔

"یہ نشانی ٹرین کو پہچاننے میں ہماری مدد کرے گی۔ اب ہمیں بالکل تیار رہنا چاہئے۔"

وہ کہنے لگا۔

"کل رات کو دو راکٹ لانچر اور بارہ راکٹ میرے پاس پہنچ جائیں گے ہمیں اٹھارہ تاریخ کو ہی یہ سامان لے کر منڈ گھاٹ سٹیشن پر پہنچ جانا ہو گا۔ ہم سٹیشن کے پیچھے ایک پہاڑی غار میں چھپ کر ٹرین کا انتظار کریں گے۔ آج کے بعد ہماری ملاقات اٹھارہ تاریخ کو بھوپال کے ریلوے سٹیشن والے اسی ہوٹل میں ہو گی جہاں ہم نے ایک رات گذاری تھی۔ تم جس روز چاہو احمد آباد سے روانہ ہو جانا۔ مگر اٹھارہ تاریخ کو بھوپال کے ہوٹل میں موجود ہونا۔ میں تمہارے پاس اٹھارہ تاریخ کی رات کو پہنچوں گا اور ایک الگ کمرے میں ٹھہروں گا۔ وہاں میں تمہیں تلاش کر لوں گا۔ وہ اتنا بڑا ہوٹل نہیں ہے۔"

میں نے راکٹ لانچر اور راکٹوں کے بارے میں پوچھا کہ یہ سامان کیا وہ اپنے ساتھ لائے گا۔ اس نے کہا۔

"جب ہم منڈ گھاٹ کی پہاڑی غار میں پہنچیں گے تو یہ سامان پہلے سے وہاں موجود ہو گا۔ تم اس کی فکر نہ کرو۔ اب نہ میں تمہیں فون کروں گا اور نہ تم مجھے فون کرو گے۔ ہماری ملاقات اب اٹھارہ تاریخ کو بھوپال کے ہوٹل میں ہو گی۔ تم پہلے نکل جاؤ۔ میں بعد میں نکلوں گا۔ مگر ہوشیار رہنا۔ مجھے شبہ ہے کہ تمہارا پیچھا کیا جا رہا ہے۔"

میں خاموشی سے باہر نکل گیا۔ کوارٹر کے احاطے میں اندھیرا تھا۔ میری آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کی عادی تھیں۔ میں نے پوری آنکھیں کھول کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ مجھے اندھیرے میں کوئی شک شبے والی بات محسوس نہ ہوئی۔ پھر بھی میں کوارٹر کی

عقبی دیوار کو پھاند کر ان درختوں کی طرف گیا جہاں میں نے میناکشی کی گاڑی کھڑی کی ہو
تھی۔ میں اندھیرے میں ایک طرف کھڑا ہو گیا اور یہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگا کہ کو
شخص میری گاڑی کے گرد تو نہیں منڈلا رہا۔ میں پانچ منٹ تک چھپ کر گاڑی کو دیکھ
رہا۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھر میں خاموشی سے چل کر گاڑی کے پاس آیا۔ گاڑی سٹارٹ ک
اور جس طرف سے آیا تھا اسی طرف سے واپس شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ کریم بھائی
ہدایت کے مطابق میں وہاں سے سیدھا سوامی نارائن جی کے مندر پہنچا۔ وہاں کوئی آدھ
گھنٹہ گذارا اور اس کے بعد بنگلے کی طرف چل پڑا۔

میں نے اپنے کمرے میں جین مت کے بانی مہاویر کی ایک کانسی کی مورتی منگوا کر
رکھ چھوڑی تھی اور اس کے پاؤں میں روز پھول رکھ دیتا تھا اور اگربتیاں بھی سلگا دیا کر
تھا۔ میناکشی بھی پھول لے آیا کرتی تھی۔ میں نے وہاں یہ بتا دیا ہوا تھا کہ میں دن بھر اپنے
کمرے میں بھگوان مہاویر کی پوجا پاٹھ میں مصروف ہوتا ہوں میری اجازت کے بغیر میرے
کمرے میں کوئی نہ آئے۔ لیکن یہ میرا معمول تھا کہ جب شام کو مسٹر پانڈے اپنے کس
خاص مہمان کے ساتھ یا اکیلا یا میناکشی کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھتا تو میں اپنے
ٹیلی فون کا ریسیور تھوڑی دیر بعد اٹھا کر سن لیتا تھا کہ مسٹر پانڈے کسی سے کوئی اہم
بات تو نہیں کر رہا۔ ابھی تک اس نے کسی سے کوئی ایسی خفیہ رازداری کی بات نہیں کی
تھی اور کوئی اسرائیلی یا بھارتی فوج کا افسر بھی اسے ملنے نہیں آیا تھا۔

رات کو کھانے پر کبھی کبھی یا صبح ناشتے پر میری مسٹر پانڈے سے ملاقات ہو جاتی
تھی۔ وہ ہر بار ہاتھ باندھ کر یہی کہتا کہ آپ کی مہربانی سے میرا گردے کا درد تو بالکل ختم ہو
گیا ہے۔ اب جو تیسری پتھری گردے میں رہ گئی ہے اسے بھی دور کر دیں۔ یا پھر مجھ سے
اپنی ترقی کی فائیل کے بارے میں بڑی عاجزی سے فرمائش کرنے لگتا کہ بھگوان مہاویر سے
کہہ کر میری فائیل پر اندرا گاندھی جی کے دستخط کروا دیں۔ میں اسے صرف تسلی دیتا کہ
یہ کام وقت آنے پر پورا ہو جائے گا۔ حقیقت یہ تھی کہ مسٹر پانڈے کی یہ دونوں کمزوریاں
میں نے اپنے قبضے میں کر رکھی تھیں اور میں چندریکا سے اس بارے میں ابھی کچھ نہیں کہنا

ہتا تھا۔ چندریکا سے بھی کئی روز سے ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ مجھے اس سے ملاقات
نے کی ضرورت بھی نہیں تھی اور وہ اپنے طور پر بھی مجھ سے ملنے نہیں آئی تھی۔
اسلحہ کی ٹرین پر حملہ کرنے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ میں نے پندرہ تاریخ کو میناکشی
مسٹر پانڈے سے کہا کہ میں سومنات جی کے مندر کی یاترا کو جانا چاہتا ہوں۔ دو ایک
ز میں جاؤں گا اور وہاں دو دن مندر میں بھگوان سومنات کی پوجا کروں گا۔

"مجھے مہاویر بھگوان نے حکم دیا ہے کہ وہاں جاؤں اور پھول مالا چڑھاؤں"

میناکشی اور مسٹر پانڈے نے فرمائش کی کہ میں ان کے لئے بھی وہاں پرارتھنا کروں۔
میں ایک ایک دن گن گن کر گزار رہا تھا۔ آخر میری روانگی کا وقت آ گیا۔ میں سترہ
یخ کو دوپہر کو احمد آباد سے بظاہر سومنات کے مندر کے لئے اور حقیقت میں بھوپال
نے کے لئے روانہ ہو گیا۔ ایک رات اور ایک دن سفر میں گزرا۔ اٹھارہ تاریخ کی شام کو
بھوپال میں تھا۔ وہاں ریلوے سٹیشن کے قریب جو معمولی سا ہوٹل تھا وہاں ایک کمرہ
کر ٹھہر گیا۔ اب مجھے اپنے ماسٹر سپائی کریم بھائی کا انتظار تھا۔ اسی روز رات کے وقت
یم بھائی بھی آ گیا۔ اس نے ہوٹل کے رجسٹر میں سے میرے کمرے کا نمبر معلوم کر لیا
ا۔

رات کافی گزر چکی تھی کہ اس نے میرے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔ میں
نے دروازہ کھولا اور تو کریم بھائی اندر آ گیا۔ اس نے پرانی سی ٹھنڈی جیکٹ اور اسی کلر کی
انی جینز پہنی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک لفافہ تھا۔ اندر آ کر کہنے لگا۔

"اس لفافے میں تمہاری جیکٹ اور پتلون ہے۔ یہ جین بھگتوں والے کپڑے
اتار کر پتلون جیکٹ پہن لو۔ اپنے کھدر کے کپڑے اسی لفافے میں بند کر کے
پلنگ کے نیچے رکھ دینا۔ ہوٹل والوں سے کہہ دینا کہ تم اپنی ماتا جی سے ملنے
جھانسی جا رہے ہو۔ کمرے کا تین چار دن کا ایڈوانس کرایہ بھی ادا کر دینا۔ کہہ
دینا کہ تمہارے واپس آنے تک کمرہ بند رہے۔ میں بھی ایسا ہی بہانہ بنا کر یہاں
سے نکلوں گا۔ کمرے کی چابیاں ہمارے پاس ہی رہیں گی۔ مشن مکمل ہونے

کے بعد اگر ہم زندہ رہے تو اسی ہوٹل میں آکر تم اپنا لباس تبدیل کر کے واپس احمد آباد روانہ ہو جاؤ گے۔ ہم صبح چھ بجے مڈگھاٹ جانے کے لئے یہاں سے نکلیں گے۔ اب تم آرام کرو"

وہ چلا گیا۔ میں نے دروازہ بند کر کے کھدر کا کرتہ پاجامہ اتار کر گہرے نیلے رنگ کی پرانی جینز پہنی۔ جیکٹ پلنگ کے پاس ہی رکھ دی اور بستر پر لیٹ گیا۔ چھوٹے کلاک پر میں نے صبح پانچ بجے کا الارم لگا دیا تھا۔

ٹھیک پانچ بجے صبح الارم بجنے لگا۔

میں نے اٹھ کر منہ ہاتھ دھویا۔ جیکٹ پہنی اور نیچے آگیا۔ کاؤنٹر پر رات کی ڈیوٹی والا ملازم موجود تھا۔ میں نے اسی سے کہا کہ میں اپنی ماتا جی سے ملنے جھانسی جا رہا ہوں۔ دو تین دن میں واپسی ہو گی۔ کمرے میں میرا سامان پڑا ہے۔ اسے کوئی نہ کھولے اس کے ساتھ ہی میں نے چار دن کا کرایہ اور اوپر ایک سو روپے ملازم کو انعام کے طور دیئے۔ وہ بے حد خوش ہوا کہنے لگا۔

"سر! آپ کا کمرہ بالکل بند رہے گا کوئی فکر ہی نہ کریں"

میں ہوٹل سے باہر آکر ایک طرف اوٹ میں کھڑا ہو گیا۔ تھوڑی دیر ہی گذری تھی کہ کریم بھائی بھی میرے پاس آگیا۔ کہنے لگا۔

"سٹیشن پر چل کر ناشتہ کریں گے"

بھوپال کا سٹیشن بڑا بارونق سٹیشن تھا۔ شہر بھی مسلمانوں کی تاریخی روایات کا حامل ہے۔ یہ کبھی مسلمانوں کی بہت بڑی مشہور ریاست تھی مگر کانگریس حکومت کے وزیر داخلہ پٹیل نے جب ہندوستان کی ساری ریاستوں کو ختم کیا تو ریاست بھوپال کا سورج بھی غروب ہو گیا۔ شہر ہمیشہ سے علمی ادبی سرگرمیوں کا مرکز رہا تھا۔ مگر اب وہاں ہندو کلچر کی چھاپ روز بروز گہری ہوتی جا رہی تھی۔ اندرا گاندھی کی حکومت ریاست بھوپال میں مسلمانوں کی روایات کو مسخ کر رہی تھی اور مسلمانوں پر ترقی کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے تھے۔ بھوپال سٹیشن سے ہمارے ہوتے ہوئے دو تین گاڑیاں جھانسی دلی کی

طرف گئیں لیکن ان میں سے کوئی بھی مڈگھاٹ کے ویران سٹیشن پر نہیں ٹھہرتی تھی۔ آخر رات کے ایک بجے ہمیں ایک پسنجر ٹرین ملی جو اس سٹیشن پر تھوڑی دیر کے لئے رکتی تھی۔ ٹرین آہستہ آہستہ چلتی رہی۔ مڈگھاٹ کا سٹیشن وہاں سے زیادہ فاصلے پر نہیں تھا مگر اس پسنجر ٹرین نے پورے دو گھنٹے کے بعد ہمیں وہاں پہنچایا۔

سٹیشن پر سوائے ہم دونوں کے اور کوئی مسافر نہ اترا۔

سٹیشن پر ہو کا عالم تھا۔ عملہ غائب تھا۔ دفتر بند تھا۔ پلیٹ فارم پر جو تین چار کھمبے لگے تھے ان کے بلب روشن تھے۔ میں نے دیکھا کہ اس روشنی میں ریلوے لائن پلیٹ فارم کے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک صاف نظر آرہی تھی۔ گاڑی ہمیں اتار کر آہستہ آہستہ چلتی آگے نکل گئی۔ ہم ایک طرف ہو کر کھڑے ہو گئے۔ کریم کہنے لگا۔

"اس روشنی میں ہمیں ٹارگٹ اوپر سے صاف نظر آجائے گا۔ چونکہ ملٹری ٹرین میں سوائے ایک ڈبے کے باقی سارے ڈبے مال گاڑی کے لگے ہوں گے اس لئے ان ڈبوں میں روشنی نہیں ہوگی۔ پلیٹ فارم کے کھمبوں کی روشنی ہماری مدد کرے گی۔ چلو اب ہم اوپر چلتے ہیں۔"

چاروں طرف پہاڑیوں میں گھرے ہوئے اس ویران سٹیشن پر ہیبت ناک خاموشی طاری تھی۔ ہم پیچھے سے ہو کر ٹیلے کی چڑھائی چڑھتے ہوئے سٹیشن سے کوئی پچاس ساٹھ فٹ کی بلندی پر ایک دوسری پہاڑی کے دامن میں آگئے۔ یہی وہ پہاڑی تھی جہاں ہماری پناہ گاہ تھی۔ یہ ایک قدرتی غار تھا جو پہاڑی کے اندر پندرہ بیس فٹ تک چلا گیا تھا۔ کریم بھائی نے جیب سے چھوٹی ٹارچ نکال کر روشن کی۔ مجھے اس کی روشنی میں غار کی دیوار کے ساتھ ایک بڑا تھیلا لگا ہوا دکھائی دیا۔ یہ کافی بڑا تھیلا تھا۔ کریم نے ٹارچ مجھے تھمائی اور تھیلے کا زپ کھول دیا۔ تھیلے میں دو راکٹ لانچر' چھ راکٹ' چار بڑی موم بتیاں دو تام چینی کے مگ اور ایک بڑے سائز کی تھرمس بوتل تھی۔ ہم نے سب سے پہلے موم بتی روشن کر کے پتھر پر لگا دی۔ میں نے راکٹ لانچروں اور راکٹوں کو بڑے غور سے دیکھا۔

یہ بالکل نئے راکٹ لانچر تھے۔ لگتا تھا کسی آرڈیننس ڈپو سے اڑائے گئے ہیں۔

ہم نے تھرمس میں سے کافی نکال کر پی۔ ایک بڑا ڈبہ بسکٹوں کا بھی تھیلے میں سے نکل آیا تھا۔ کچھ بسکٹ کھائے اور اپنے منصوبے کی تفصیلات پر گفتگو کرنے لگے۔ غار میں جو آدمی تھیلا رکھ گیا تھا اس نے پہلے ہی سے جگہ کو صاف کر کے وہاں ناریل کی شاخوں کی ایک صف بچھا دی ہوئی تھی۔ ہم صف پر لیٹ کر سو گئے۔ صبح اس وقت آنکھ کھلی جب غار میں دن کی روشنی کا غبار پھیلا ہوا تھا۔ ہم نے تھرمس میں سے کافی نکال کر پی۔ پھر قریبی دریا پر جا کر منہ ہاتھ دھویا۔ وہاں جو گھاس پھونس کی جو جھونپڑا نما کینٹین درختوں کے نیچے بنی ہوئی تھی۔ وہ بند تھی۔ کریم نے کہا۔

"یہ دوپہر کے وقت کھلے گی۔ یہاں سے ہمیں کھانے کو کچھ نہ کچھ ضرور مل جائے گا۔"

کریم بھائی نے جیب سے ایک ماچس کی ڈبی کے سائز کا ٹرانسمیٹر نکال کر مجھے دکھایا اور کہا۔

"اس ٹرانسمیٹر پر ہمارا آدمی ہمیں اطلاع کر دے گا کہ گاڑی دیولالی کے گیریزن سے چل پڑی ہے۔"

یہ انیس تاریخ کا دن تھا۔ سارا دن ہم نے ان پہاڑیوں میں ادھر ادھر چل پھر کر ماحول کا جائزہ لیتے گزار دیا۔ جھونپڑے والی کینٹین کھل گئی تھی۔ وہاں سے ہم نے کچھ چاول اور مچھلی کھائی۔ رات کو بھی وہیں سے کھانا کھایا۔ کینٹین والے کو ہم نے یہی بتایا کہ ہم نے یہاں کٹائی کا ٹھیکہ لینا ہے اور جنگل میں درختوں کا ذخیرہ دیکھنے آئے ہیں۔ آخر بیس تاریخ کا دن طلوع ہوا۔ بیس تاریخ کی رات کو بارہ بجے کے بعد اسلحہ سے لدی ہوئی ملٹری ٹرین نے دیولالی کے فوجی گیریزن کی توپ لائن سے جموں کے لئے روانہ ہونا تھا۔ ہم دریا کے گھاٹ والی جھونپڑا کینٹین کے باہر بیٹھے کافی دیر تک اپنے منصوبے پر غور کرتے رہے۔ ہم نے اس کمانڈو ایکشن کے ایک ایک پہلو پر غور کیا۔ بظاہر یہ کمانڈو ایکشن بڑا آسان اور واضح تھا۔ ایک مال گاڑی نے بہت ہلکی رفتار کے ساتھ سٹیشن کے کھلے پلیٹ فارم پر سے

گزرنا تھا۔ ہم نے پچاس ساٹھ فٹ کی بلندی سے اس پر یکے بعد دیگرے چھ راکٹ فائر کرنے تھے۔ اور پھر وہاں سے فرار ہو جانا تھا۔ لیکن اس بظاہر آسان ایکشن میں کئی مسائل پوشیدہ تھے۔ پہلا مسئلہ تو یہ تھا کہ ٹرین کا شیڈول ہی بدل گیا ہو۔ کسی وجہ سے ٹرین کی تاریخ تبدیل کر دی گئی ہو۔ دوسرا مسئلہ یہ تھا کہ عین ممکن ہے اسرائیل سے لئے گئے نیپام راکٹ اس ٹرین میں نہ آ رہے ہوں۔ تیسرا مسئلہ یہ تھا کہ ٹرین کو دو انجن لگے ہوں گے۔ ممکن ہے اس کی رفتار ہمارے اندازے کے خلاف زیادہ تیز ہو اور ہم متحرک ٹارگٹ پچھلے تین چار ڈبوں کو براہ راست ہٹ نہ کر سکیں۔ یہ بہت ضروری تھا کہ ہمارے راکٹ یا تو گولہ بارود والے یا نیپام راکٹوں والے ڈبوں کو ہٹ کریں۔ اگرچہ میں نے متحرک ٹارگٹ کو ہٹ کرنے کی زبردست ٹریننگ لے رکھی تھی لیکن اس بات کا امکان موجود تھا کہ جذباتی ہیجان میں میرا راکٹ نشانے پر نہ لگے۔ تین راکٹ مجھے اور تین ہی راکٹ میرے ساتھی کریم بھائی نے فائر کرنے تھے۔ اس کے بارے میں مجھے کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ نشانے اور خاص طور پر متحرک ٹارگٹ پر نشانہ لگانے میں کتنی مہارت رکھتا ہے۔

دیولالی سے بیس تاریخ کی آدھی رات کو چلی ہوئی مال گاڑی نے ہمارے حساب کے مطابق اکیس تاریخ کی شام کو مڈگھاٹ سٹیشن پر سے گزرنا تھا۔

اکیس تاریخ کی سہ پہر کو جب کہ سورج ابھی بھوپال کی جنگلاتی پہاڑیوں کے اوپر ہی تھا میں اور کریم بھائی اپنے پہلے سے چنے ہوئے ٹھکانے پر آ کر بیٹھ گئے۔ یہ وسطی ہند کے خطرناک جنگلوں کا ایک ویران اور غیر آباد علاقہ تھا۔ ہم نے ایک چٹان کی اوٹ میں مورچہ بنا لیا تھا۔ نیچے پچاس ساٹھ فٹ کی پتھریلی ڈھلان مڈگھاٹ سٹیشن کے پلیٹ فارم تک چلی گئی تھی۔ پلیٹ فارم خالی پڑا تھا۔ ریلوے لائن بھی خالی پڑی تھی۔ راکٹ لانچر اور چھ کے چھ راکٹ ہمارے قریب ہی گھاس میں پڑے تھے۔ چھوٹا ریڈیو ٹرانسمیٹر کریم بھائی کے ہاتھ میں تھا اور وہ بار بار اسے اون کر کے کان سے لگا کر اپنے اس ساتھی کی آواز سننے کی ناکام کوشش کرتا جس نے ایمونیشن ٹرین کی دیولالی سے روانہ ہوتے وقت ہمیں اطلاع

دینی تھی مگر اس کی کوئی اطلاع ہمیں نہیں ملی تھی۔ میں پریشان تھا کہ کہیں کوئی گڑ بڑ نہ ہو گئی ہو۔ کہیں ٹرین کی روانگی کا شیڈول نہ تبدیل کر دیا گیا ہو۔ مگر کریم بھائی کوئی خاص پریشان نہیں تھا۔ وہ یہی کہتا کہ ہمارا آدمی اگر کل کسی وجہ سے اطلاع نہ دے سکا تو عین وقت پر اس کا سگنل ضرور ملے گا۔ اور اس کا اندازہ ٹھیک نکلا۔ ہمیں چٹان کی اوٹ میں آکر بیٹھے بمشکل دس منٹ گزرے ہوں گے کہ ٹرانسمیٹر پر سگنل آنے لگے۔ پھر کوڈ الفاظ میں کسی نے کچھ کہا۔ کریم بھائی نے جواب میں کوڈ الفاظ میں کچھ کہا۔ ٹرانسمیٹر بند کر دیا اور میری طرف دیکھ کر بولا۔

"ٹرین بھوپال کے آؤٹر سگنل سے رن تھرو کر دی گئی ہے۔"

اس وقت سورج پہاڑیوں کے پیچھے ہو رہا تھا۔

جنگل اور ڈھلان کے درختوں پر شام کا اندھیرا اترنے لگا تھا۔ کریم بھائی کے چہرے پر خوشی کے تاثرات تھے۔ کہنے لگا۔

"ہمارا آدمی دیولالی گیریزن سے ٹرین کی روانگی کا سراغ نہیں لگا سکا ہو گا۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہاں سیکورٹی بہت سخت ہو گی۔ خیر اچھا ہوا ہمیں ٹرین کی اطلاع مل گئی۔ اب ہمارا وار خالی نہیں جانا چاہئے۔"

میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"انشاء اللہ ہم ٹارگٹ مار لیں گے۔ ہم پاکستان' اسلام اور کشمیر کے مسلمانوں کی دشمن اندرا گاندھی کو بتا دیں گے کہ مسلمان زندہ ہے۔ اسلام زندہ ہے اور انہیں دنیا کی کوئی طاقت نہیں دبا سکتی"

کریم بھائی نے گھاس میں چھپائے ہوئے راکٹ لانچر نکال کر ایک لانچر مجھے دیا۔ ایک اپنے پاس رکھ لیا اور بولا۔

"یہ اسلام اور کفر کی جنگ ہے جس میں اگر ہم ثابت قدم رہے اور صرف خدا اور اس کے رسول پاکؐ کی خاطر جہاد کرتے رہے تو کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔ لانچر سامنے رکھ کر ٹارگٹ کو دیکھو"

ہم دونوں نے راکٹ لانچر گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر اپنے اپنے کاندھوں پر رکھے اور نیچے پلیٹ فارم کو اور ریلوے لائن کو نشانے میں سے دیکھا۔ پلیٹ فارم پر جو تھوڑے تھوڑے فاصلے پر چھ سات کھمبے لگے تھے ان کی بتیاں روشن ہو گئی تھیں اور ٹارگٹ بالکل صاف نظر آ رہا تھا۔ ابھی ہم نے لانچروں میں راکٹ نہیں ڈالے تھے۔ ہم بیٹھ گئے اور لانچر سامنے جو پتھر کی بڑی ڈھلوان سی تھی اس کے ساتھ لگا دیئے۔ اب مجھے محسوس ہوا کہ ہمارا اس ماسٹر سپائی نے ٹرین پر راکٹ فائر کرنے کے لئے بڑی موزوں جگہ کا انتخاب کیا تھا۔ اس سے بہتر اس سے زیادہ ویران اور بے آباد ریلوے سٹیشن شاید ساری بھوپال جھانسی لائن پر نہیں تھا۔ خدا جانے انگریزوں نے یہاں کیا سوچ کر سٹیشن بنا دیا تھا۔ کیونکہ آس پاس کوئی گاؤں تک نہیں تھا۔ ہو سکتا ہے انگریزوں کے زمانے میں یہاں کوئی آبادی ہو مگر اب تو وہاں دور دور تک ویرانی چھائی ہوئی تھی اور یہ ویرانی ہماری بے حد مددگار ثابت ہو رہی تھی۔

جس طرف سے ٹرین نے آنا تھا اس طرف ریلوے لائن پر دور ایک آؤٹر سگنل تھا۔ یہ ڈبل سگنل تھا۔ چونکہ یہ سنگل ٹریک ریلوے سٹیشن تھا اس لئے پیچھے کسی سٹیشن پر پسنجر اور مال گاڑیوں کو روک کر ایکسپریس گاڑیوں کو پہلے گزارا جاتا تھا۔ جب دلی کی طرف سے کوئی گاڑی یہاں سے بھوپال اور دیولالی کی طرف جاتی تو ڈبل سگنل کی جو بتی سرخ ہوتی وہ سبز ہو جاتی۔ اور جب بھوپال کی طرف سے کوئی ٹرین آتی تو دوسرے سگنل کی جو بتی بادامی روشنی دے رہی ہوتی تھی وہ غائب ہو جاتی۔ اس کا مطلب تھا کہ بھوپال کی طرف والی سگنل کی بتی جو پہلے سرخ تھی اب سبز ہو گئی ہے اور ٹرین کو سٹیشن کے رن تھرو گزرنے کا اشارہ مل گیا ہے۔ یہ ساری باتیں مجھے کریم نے بتائیں۔ ہماری نظریں تھوڑی تھوڑی دیر بعد ریلوے لائن پر کچھ فاصلے پر لگے ہوئے سگنل کے کھمبے کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ ڈبل سگنل کی ایک بتی سرخ تھی اور دوسری بتی میں سفید روشنی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ابھی سگنل ڈاؤن نہیں ہوا ہے۔

ہمارے پیچھے پہاڑی کی چڑھائی تھی جس پر اگی ہوئی جنگلی جھاڑیاں رات کے

اندھیرے میں ڈوب گئی تھیں۔ کیونکہ سورج پہاڑیوں کے پیچھے غروب ہو چکا تھا۔ اگر اوپر سے کوئی نیچے دیکھتا تو ہم اسے نظر نہیں آ سکتے تھے۔ ایک تو جہاں ہم بیٹھے تھے وہاں اندھیرا تھا دوسرے ہم چٹانوں کی اوٹ میں تھے۔ کریم نے چمکیلی سوئیوں والی کلائی کی گھڑی پر نگاہ ڈال کر کہا۔

"ٹرین کو بھوپال سے چلے ہمارے آدمی کی اطلاع کے مطابق ایک گھنٹہ ہو گیا ہے۔ اسے کسی سٹیشن پر رکنا نہیں ہے۔ اس لئے اب کسی وقت بھی یہاں پہنچ جائے گی۔"

اب رات ہو گئی تھی۔ اندھیرا ہمارے چاروں جانب پھیل گیا تھا۔ سوائے نیچے پلیٹ فارم کی روشنیوں کے سارے علاقے میں کسی جگہ کوئی روشنی نہیں تھی۔ ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ گھنے جنگل کی طرف سے تھوڑی تھوڑی دیر بعد کسی پرندے کی کوہو کوہو کی آواز آ جاتی تھی۔ حیرانی اور خوشی کی بات تھی کہ ابھی تک نیچے مڈگھاٹ سٹیشن کے پلیٹ فارم پر ایک بھی آدمی چلتا پھرتا نظر نہیں آیا تھا۔ پھر ایک آدمی سٹیشن آفس کے برآمدے سے نکل کر پلیٹ فارم کے مغربی سرے کی طرف جاتا نظر آیا۔ کریم بھائی اور میں اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔ اس نے کہا۔

"یہ سگنل ڈاؤن کرنے جا رہا ہے۔ مجھے یقین ہے یہ ملٹری ٹرین کو رن تھرو کیا جا رہا ہے۔"

ہم بالکل بے حس و حرکت نیچے اس آدمی کو آؤٹر سگنل کی طرف جاتے دیکھ رہے تھے۔ جہاں پلیٹ فارم ختم ہوتا تھا اور ڈھلان اترتی تھی وہ وہاں جا کر ریل کی پٹڑی کے قریب اندھیرے میں ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ کریم کہنے لگا۔

"سگنل کی روشنیوں پر نگاہ رکھنا۔ اگر سرخ بتی سبز ہو گئی تو اس کا مطلب ہو گا کہ جھانسی سے آنے والی کوئی ایکسپریس ٹرین یہاں رکے بغیر گزرنے والی ہے۔ اگر دوسرے سگنل کی سفید روشنی غائب ہو گئی تو اس کا مطلب ہو گا کہ بھوپال کی جانب سگنل کی جو بتی پہلے سرخ تھی وہ سبز ہو گئی ہے اور کوئی ٹرین یہاں

سے رن تھرو گزرنے والی ہے۔ اور یہ ٹرین فوجی ایمونیشن والی مال گاڑی ہی ہو گی۔"

ہم نے اپنے اپنے لانچروں میں راکٹ چڑھا لئے۔ یہ راکٹ لانچر سیفٹی کیچ والے لانچر تھے۔ ہماری انگلیاں ٹریگر پر تھیں مگر ہم نے ابھی سیفٹی کیچ نہیں کھولے تھے۔ ہم اندھیرے میں بت بنے اپنی آنکھیں دور سگنل کی سرخ اور سفید بتیوں پر جمائے ہوئے بیٹھے تھے۔ رات کی موت ایسی خاموشی میں ہمیں سگنل بدلنے کی ہلکی سی آواز آئی۔ اس کے ساتھ ہی ایک سگنل کی سفید روشنی غائب ہو گئی۔ کریم بھائی نے بے اختیار ہو کر کہا۔

"ہماری گاڑی آ رہی ہے۔ لانچروں کے سیفٹی کیچ کھول دو۔ مگر انگلی ٹریگر کے نیچے رہے۔"

میں نے بھی اپنے لانچر کا سیفٹی کیچ کھول دیا اور لانچر اپنے سامنے رکھ کر انگلی ٹریگر کے نیچے کر لی۔ ہم نے کل چھ راکٹ ٹرین پر فائر کرنے تھے۔ ایک ایک راکٹ ہمارے لانچر میں لوڈ تھا۔ اور دو دو راکٹ ہمارے قریب ہی زمین پر پڑے تھے۔

سگنل کی بتی سبز ہو چکی تھی۔ یہ روشنی ہمیں نظر نہیں آ رہی تھی کیونکہ اس کا رخ بھوپال سے آنے والی ٹرین کی طرف تھا۔ ہماری جانب اس سگنل کا جو رخ تھا اس کی سفید روشنی غائب تھی۔ ہماری آنکھیں اس طرف تھیں جدھر سے ٹرین نے گھنے جنگلوں کی تاریکی میں سے نکل کر آنا تھا۔ ہم ہمہ تن گوش بھی تھے۔ کیونکہ وہاں اتنی گہری خاموشی تھی کہ انجن کی آواز دور ہی سے ہمیں آ جانی چاہئے تھی اور ایسا ہی ہوا۔ سگنل ڈاؤن ہونے کے کوئی پندرہ بیس منٹ بعد دور بہت دور گھنے جنگلوں کی خاموشی میں ریل کے انجن کی سیٹی کی آواز سنائی دی۔

کریم بھائی نے یہ آواز سنتے ہی کہا۔

"الرٹ ٹرین آ رہی ہے"

ہم چوکس ہو گئے اور لوڈڈ لانچر ہم نے اپنے سینے کے ساتھ لگا لئے۔ ہم بالکل خاموش تھے۔ ہماری نگاہیں دور جنگل کے اندھیرے میں اس طرف لگی تھیں جس طرف

ے انجن کی روشنی نے نمودار ہونا تھا۔ الٹی گنتی شروع ہو رہی تھی۔ ٹارگٹ لحہ بہ لحہ ہارے قریب آ رہا تھا۔ اگر یہ ایمونیشن والی فوجی ٹرین ہی تھی تو تھوڑی ہی دیر بعد مڈ ھاٹ کے ویران سٹیشن پر قیامت برپا ہونے والی تھی۔ بارود کے دھماکوں اور شعلوں کا یک ایسا جوالا مکھی پھٹنے والا تھا کہ جس کا اس سارے علاقے کے درختوں اور پہاڑیوں نے پہلے کبھی مشاہدہ نہیں کیا ہو گا۔ اب ہمیں دور سے ریل کے انجن کی چھک چھک کی آواز نائی دینے لگی۔ یہ آواز دور سے آ رہی تھی اور بڑی آہستہ آہستہ قریب ہو رہی تھی۔

کریم بولا۔

"گاڑی کی رفتار بہت کم ہے"

واقعی انجن کی چھک چھک بہت آہستہ آہستہ ہو رہی تھی۔ یہاں پہاڑی ٹریک کی ھائی تھی۔ کریم بھائی آہستہ سے بولا۔

"گاڑی کی رفتار کم ہونا ہمارے لئے بہت بہتر ہے۔ ٹرین اگر یہاں پانی لینے کے لئے نہ بھی رکی تب بھی ہمارے لئے ٹارگٹ مار لینا آسان ہو گا"

ٹرین نے رات کے اندھیرے میں کسی پہاڑی کا موڑ کاٹا تو اس کے انجن کی روشنی ر سے جھلملاتی ہوئی نظر آئی۔ یہ روشنی اور انجن کی آواز آہستہ آہستہ قریب ہونے لی۔ میرے ماسٹر سپاہی نے کمانڈو آفیسر کی طرح آہستہ سے حکم دیا۔

"سٹینڈ ٹو"

ہم نے اپنے اپنے لانچروں میں لوڈ کئے ہوئے راکٹ چیک کئے۔ سیفٹی کیچ پر ہاتھ ر کر دیکھا کہ وہ اوپن تھے۔ اس کے بعد لانچر اپنے اپنے بائیں کاندھے پر رکھ لئے۔ ن آہستہ آہستہ قریب آ رہی تھی۔ اس کے انجن کی روشنی پھیلتی جا رہی تھی۔ انجن نے بارہ وسل دیا۔ دوسرے انجن کی سیٹی کی آواز پیچھے سے آئی۔ ٹرین کو دو انجن لگے ۔ انجن کی چھک چھک کی آواز میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ نہ وہ کم ہوئی تھی نہ ہوئی تھی۔ اس کا مطلب یہی تھا کہ ٹرین اسٹیشن پر رکے گی نہیں بلکہ گذر جائے خدا جانے کہاں سے سٹیشن کا ایک بد قسمت ملازم ہاتھ میں سبز بتی والی لالٹین لئے

پلیٹ فارم پر آگیا اور لالٹین کو آہستہ آہستہ ہلانے لگا۔ کریم بھائی نے کہا۔ "نیلنگ"

اور ہم دونوں گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے۔ ٹرین اب آؤٹر سگنل کی حدود سے نکل کر پلیٹ فارم میں داخل ہو گئی تھی۔ بجلی کے کھمبوں کی روشنی میں ہمیں ٹرین صاف نظر آنے لگی۔ ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ یہ مال گاڑی تھی اس کا اگلا انجن ایک ہی رفتار سے چھک چھک کرتا پلیٹ فارم پر آگے بڑھ رہا تھا۔ پیچھے ایک ڈبے میں روشنی تھی۔ کریم نے آہستہ سے کہا۔

"تم اس روشنی والے ڈبے کو ہٹ کرو گے یہ سیکورٹی گارڈ کا ڈبہ ہے"

میں نے لانچر سیدھا کر کے انجن کو زد میں لے لیا۔ کریم سرگوشی میں بولا۔

"ٹارگٹ ہٹ ہونا چاہئے۔ میں پچھلے چوتھے ڈبے کو ہٹ کروں گا۔ او کے۔ گو"

مال گاڑی کا انجن اب پلیٹ فارم کے بالکل درمیان میں آگیا تھا اور وہ ایک ہی رفتار سے آگے ہی آگے بڑھتا جا رہا تھا۔ میں نے اپنی ٹریننگ کے مطابق انجن سے کچھ سینٹی میٹر آگے کا نشانہ لیا اور اللہ کا نام لے کر ٹریگر دبا دیا۔ میرے لانچر میں سے شوں کر کے راکٹ نکلا اور انجن کے ساتھ والے سیکورٹی گارڈ والے ڈبے میں لگنے کی بجائے انجن پر جا کر لگا اور ایک خوفناک دھماکے سے پھٹ گیا۔ انجن میں آگ لگ گئی اور اس کی چھک چھک ہلکی ہو گئی۔ میرا راکٹ شاید انجن کے پہیوں پر جا کر لگا تھا۔ کریم نے چیخ کر کہا۔

"کیا کر رہے ہو"

اس کے ساتھ ہی اس کے راکٹ لانچر سے راکٹ فائر ہوا جو سیکورٹی گارڈ والے ڈبے میں گھس کر زبردست دھماکے سے پھٹا اور اس ڈبے کو آگ لگ گئی۔ آدمیوں کے چیخنے چلانے کی آوازیں آنے لگیں۔ انجن آہستہ آہستہ رینگ رہا تھا۔ گاڑی بھی آہستہ آہستہ رینگ رہی تھی۔ گاڑی کی آخری بوگیاں ہمارے سامنے تھیں۔ گاڑی کے پیچھے سے مشین گنوں اور رائفلوں کی فائرنگ شروع ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ پیچھے بھی سیکورٹی گارڈز کا ڈبہ لگا تھا۔ ہمارے دوسرے دونوں راکٹ باری باری ٹرین کے درمیانی ڈبوں میں جا کر لگے اور لوہے کی چادروں کو چیر کر اندر جا کر پھٹے اندر جو اسلحہ تھا اس میں قیامت خیز دھماکے

شروع ہو گئے۔ ہم دوڑ کر دوسری طرف چلے گئے۔ کریم نے چلا کر کہا۔

"پچھلے دونوں ڈبوں کو ہٹ کریں گے"

ہمارے لانچروں میں آخری ایک ایک راکٹ لوڈ تھا۔ دوسرے ہی لمحے ہمارے یہ ونوں راکٹ ایمونیشن کی ٹرین کی پچھلی دو بوگیوں میں آگے پیچھے جا کر ہٹ ہوئے۔ یہ وہ بے تھے جن میں نیپام راکٹوں کے کریٹ بھرے ہوئے تھے۔ میرے اللہ! ان دونوں بوں میں جو دو دھماکے ہوئے ان کی آواز میں قیامت تک نہیں بھول سکوں گا۔ پہاڑوں یں جیسے زلزلہ آگیا۔ آگ دھوئیں اور شعلوں کی کالی گھٹائیں سی مڈگھاٹ کے پلیٹ فارم ے بلند ہوئیں۔ ان گھٹاؤں میں دھماکوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ نیپام راکٹ پھٹنے لگے۔ نہوں نے اسلحہ کی ساری گاڑی میں آگ لگا دی۔ یہ بارود کی آگ تھی جس کے شعلے ھماکوں کے ساتھ بلند ہو رہے تھے۔ راکٹ دھوئیں کے بادلوں میں سے نکل نکل کر ائیں بائیں اوپر نیچے درختوں پہاڑیوں' چٹانوں سٹیشن کی دیواروں سے ٹکرا کر ہیبت ناک ھماکوں کے ساتھ پھٹ رہے تھے اور آگ لگاتے جا رہے تھے۔ ساری ٹرین شعلوں کی زد ں تھی۔ ہر طرف آگ لگی تھی۔ سٹیشن اڑ گیا تھا۔ زبردست دھماکے ہو رہے تھے۔ گولہ رود پھٹ رہا تھا۔ پہاڑ ہل رہے تھے۔ چٹانیں لرز رہی تھیں۔ نیپام راکٹ ہوائیوں کی رح فضا میں بلند ہو کر پھٹ رہے تھے۔ کریم نے چلا کر کہا۔

"گو"

ہم نے راکٹ لانچر جھاڑیوں میں پھینکے اور ٹیلے کی دوسری طرف نشیب میں دوڑ ے۔ ہم اندھیرے میں دوڑتے چلے جا رہے تھے۔ یہ راستہ ہم نے ان کی روشنی میں کھا ہوا تھا۔ اس لئے ہمیں کوئی دقت پیش نہیں آ رہی تھی۔ ہم ڈھلان سے اتر کر ہموار ن پر درختوں کے درمیان آگئے۔ یہاں اونچی ہاتھی چھواں گھاس کے درمیان ایک پگ ڈی تھی جس پر گذر کر ہم دن کے وقت دریا پر گئے تھے۔ ہم آگے پیچھے تیز تیز قدم تے پگ ڈنڈی سے گذر گئے۔

سامنے دریا آگیا۔ سٹیشن پر گولہ بارود کے دھماکے ابھی تک جاری تھے۔ نیپام راکٹ

آس پاس کے درختوں میں پھٹ رہے تھے۔ ان راکٹوں نے جگہ جگہ آگ لگا دی تھی۔ ان راکٹوں میں آگ لگانے والا مواد بھرا ہوا تھا۔ سٹیشن کی طرف آسمان روشن تھا۔ شعلے بلند ہو رہے تھے۔ بجلیاں سی چمک رہی تھیں۔ دھماکوں سے زمین لرز رہی تھی۔ آگ کے شعلوں کی وجہ سے آسمان روشن تھا۔ اس روشنی میں دریا کی سطح نظر آ رہی تھی۔ دریا چڑھاؤ پر تھا۔ اس کا بہاؤ کافی تیز تھا۔ کریم بھائی نے مجھ سے پوچھا۔

"تمہارے پاس کتنے پیسے ہیں؟"

میں نے اسے بتایا کہ چار پانچ سو روپے ہیں۔ وہ دریا کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

"اب ہمیں دریا کے پار جانا ہے۔ دریا کا بہاؤ تیز ہے۔ ہو سکتا ہے ہم دریا پار کرتے ہوئے ایک دوسرے سے دور ہو جائیں۔ لیکن ایک بات یاد رکھنا۔ تم دریا کے دوسرے کنارے پر جہاں بھی نکلو وہاں میرا انتظار نہ کرنا۔ راتوں رات بھوپال والے ہوٹل میں پہنچ کر تمہارا جو کھدر کا لباس وغیرہ پڑا ہے اسے غائب کر دینا۔ اگر تم سے پہلے میں وہاں پہنچ گیا تو میں تمہارے کپڑوں کو وہاں سے لے جاؤں گا۔ کیونکہ صبح ہونے تک ملٹری پولیس بھوپال کے سٹیشن کے اردگرد کے علاقے کو گھیرے میں لے کر چیکنگ شروع کر دے گی۔ ہو سکتا ہے وہ سٹیشن والے ہوٹل میں بھی آئے۔ انہیں تمہارے کمرے میں جینی بھگتوں والے تمہارے کپڑے ملے تو یہ بات تمہارے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ بہرحال اگر راتوں رات بھوپال پہنچ سکے تو ٹھیک ہے۔ اگر دن نکل آیا تو بھوپال والے ہوٹل کا رخ نہ کرنا۔ وہاں ملٹری انٹیلی جنس کے آدمی یقیناً موجود ہوں گے۔

میں نے کہا۔

"ہمیں یہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرنا چاہئے"

کریم بھائی نے کہا۔

"او کے۔ میں دریا میں اترتا ہوں"

اور کریم نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ میں نے بھی اس کے پیچھے چھلانگ لگا دی۔ انی کا بہاؤ واقعی بڑا تیز تھا۔ دیکھتے دیکھتے دریا کی تیز رفتار موجیں کریم کو مجھ سے کافی دور لے گئیں۔ ہم دریا کے دوسرے کنارے کی طرف تیرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کچھ ور تک مجھے کریم پانی میں ہاتھ چلاتا نظر آتا رہا۔ پھر رات کے اندھیرے میں غائب ہو گیا۔ ں خود بڑی تیزی سے تیر کر دوسرے کنارے کی طرف جانے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ گر دریا کا بہاؤ مجھے آگے ہی آگے لئے جا رہا تھا۔ دریا چڑھا ہوا ہو تو اس میں تیرنا بہت شکل ہوتا ہے۔ آدمی صرف پانی کے بہاؤ کے ساتھ ہی آسانی سے تیر سکتا ہے۔ میں بڑا چھا تیراک تھا۔ میرے بدن میں طاقت بھی تھی۔ اس کے باوجود دریا کی بپھری ہوئی وجیں مجھے کچھ نہیں کرنے دے رہی تھیں۔ ایک جگہ دریا کے عین درمیان میں گرداب ا۔ یہاں پانی ایک مرکز کے گرد تیزی سے گھوم رہا تھا۔ میں اس گرداب میں پھنستے پھنستے ا۔ میں نے تیرتے تیرتے ادھر ادھر دیکھا۔ مگر کریم بھائی مجھے کہیں نظر نہ آیا۔ یہاں دھیرا تھا اور پھٹتے ہوئے گولہ بارود اور نیپام راکٹوں کے پھٹنے کی روشنی اور دھماکے دور تے جا رہے تھے۔

دریا کا پاٹ بھی کافی بڑا تھا۔ مجھے اسی بات کی خوشی تھی کہ ہمارا کمانڈو آپریشن انتہائی میاب رہا تھا اور ہم نے نیپام راکٹوں اور گولہ بارود سے بھری ہوئی بھارتی فوجی ٹرین اڑا ی تھی جس کا سارا اسلحہ کشمیر کے محاذ پر کشمیری مجاہدین کے خلاف استعمال کیا جانا تھا۔ میں یا کی طوفانی موجوں سے لڑتا ایک خاص رفتار کے ساتھ بازو اور ٹانگیں چلاتا دریا کے سرے کنارے کی طرف بڑھتا جا رہا تھا۔ اندھیرے میں مجھے دوسرے کنارے کے خت قریب آتے نظر آنے لگے۔ آخر میں دوسرے کنارے پر پہنچ گیا اور جھاڑیوں کو ٹا ہوا کنارے کی گیلی اور کچی منڈیر پر چڑھ گیا۔ میں تھک گیا تھا۔ وہیں دو چار منٹ بیٹھا رہا۔ میری پتلون اور جیکٹ پانی میں شرابور ہو گئے تھے۔ میں نے دونوں کپڑے ر کر جتنا نچوڑ سکتا تھا نچوڑ کر دوبارہ پہنے اور خدا کا نام لے کر درختوں میں چلنے لگا۔

وہاں مجھے کریم بھائی آس پاس کہیں نظر نہیں آیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ دریا کے

دوسرے کنارے پر درختوں کے پیچھے ایک سڑک آئے گی جہاں سے رات کو چلنے والے کسی ٹرک میں مجھے لفٹ مل جائے گی۔ یہ کوئی یقینی بات نہیں تھی۔ بہرحال ایک تربیت یافتہ کمانڈو ٹارگٹ مارنے کے بعد دشمن کے علاقے سے نکل آئے تو اس کے لئے واپس اپنے ہائیڈ آؤٹ میں پہنچنا اتنا مشکل کام نہیں ہوتا۔ لیکن مجھے یہ علم نہیں تھا کہ میں جھانسی بھوپال روڈ سے کافی دور ہو گیا ہوا تھا اور مدھیہ پردیش کے سب سے زیادہ خطرناک اور گنجان جنگلوں والے علاقے میں نکل آیا تھا۔ یہاں درخت اس قسم کے تھے کہ ان کے تنے ستونوں کی طرح کافی اوپر تک چلے گئے تھے اور ان کے اوپر گھنی شاخیں ایک دوسرے سے مل گئی تھیں۔ درختوں کے درمیان گھاس جنگلی جھاڑیاں اور پتھر بکھرے ہوئے تھے۔ اندھیرا زیادہ تھا۔ میں کافی دیر تک چلتا رہا۔ نہ درختوں کا سلسلہ ختم ہوا نہ جھانسی بھوپال روڈ ہی نظر آئی۔ مجھے احساس ہوا کہ دریا کی موجوں نے مجھے کافی آگے پہنچا دیا ہے۔ ایک جگہ رک کر میں نے سمت کا تعین کرنے کی کوشش کی اور پھر چلنے لگا۔

ایک تو اندھیرا بہت زیادہ تھا۔ دوسرے جھاڑیاں راستہ روک رہی تھیں۔ میں غیر ارادی طور پر مشرق کی جانب ہوتا گیا جب کہ مجھے مغرب کی سمت چلنا چاہئے تھا۔ اونچے اونچے درختوں کا سلسلہ ختم ہو گیا اور اب اتنے گھنے درخت آگئے کہ ان کی شاخیں زمین کو چھو رہی تھیں۔ میں نے سوچا کہ کوئی مناسب جگہ دیکھ کر مجھے رات گذار دینی چاہئے۔ دن کی روشنی میں پتہ چل سکے گا کہ میں کہاں آگیا ہوں اور مجھے کس طرف جانا چاہئے۔ مناسب جگہ وہاں کوئی بھی نہیں تھی۔ اندھیرے میں میرے اردگرد درخت اور جھاڑیاں اور اونچی نیچی گھاس ہی گھاس تھی۔ حبس اتنا تھا کہ سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ مجھے سانپ بچھو کا بھی ڈر تھا۔ اور یہ بھی ڈر تھا کہ کسی آدم خور قسم کے شیر سے آمنا سامنا نہ ہو جائے۔ میرے پاس چاقو تک نہیں تھا۔ آخر میں ایک درخت پر چڑھ کر اس کے دو شاخہ پر ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ یہاں مجھے چیونٹیوں اور مچھروں نے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ چیونٹیاں اتنی تھیں کہ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔ میں جلدی سے درخت سے نیچے اتر آیا۔ کپڑوں کو اچھی طرح سے جھاڑا اور گنجان درختوں سے باہر نکلنے کے لئے ایک طرف

آہستہ آہستہ چلنے لگا۔

تھوڑی دور چلا ہوں گا کہ ایک کھلی جگہ آگئی۔

آدمی گھپ اندھیرے میں بھی کچھ دیر رہے تو اسے چیزوں کے خاکے سے نظر آنے لگتے ہیں۔ میں ویسے بھی جنگل کے اندھیروں کا عادی تھا۔ اپنی کمانڈو ٹریننگ کے دوران مجھے ہوشنگ آباد کے گھنے جنگلوں میں نہ جانے کتنی راتیں اسی طرح گذارنی پڑی تھیں۔ یہاں زمین پر گرے پڑے گیلے پتوں اور درختوں کی شاخوں کا فرش سا بچھا ہوا تھا۔ ایک طرف اندھیرے میں ایک چٹان نظر پڑی جس کا ایک چھجہ سا آگے کو نکلا ہوا تھا۔ رات گذارنے کے لئے یہ بڑی موزوں جگہ تھی۔ چٹان پر جنگلی بیل چڑھی ہوئی تھی جس کی شاخیں رسوں کی طرح لٹک رہی تھیں۔ میں ان کو پکڑ کر چٹان کے چھجے پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ یہاں مچھر ضرور تھے مگر چیونٹیاں نہیں تھیں۔ میں نے چٹان سے ٹیک لگا لی اور آنکھیں بند کر لیں۔ میں سو جانا چاہتا تھا۔ مگر حبس اور گرمی کی وجہ سے نیند نہیں آرہی تھی۔ میں نے جیکٹ اتار دی۔ اب میں صرف بنیان میں تھا۔ اس سے مجھے تھوڑا سا سکون ملا اور آہستہ آہستہ مجھ پر غنودگی طاری ہونے لگی۔ اس کے بعد مجھے کوئی ہوش نہ رہا۔

چڑیوں اور دوسرے پرندوں کی پرشور جھنکاروں نے مجھے جگا دیا۔ آنکھیں کھولیں تو سارے جنگل میں دن کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ دھوپ بعض درختوں سے چھن چھن کر نیچے آرہی تھی۔ دن کی روشنی نے مجھے ایک نئی توانائی عطا کی۔ میں چٹان کے چھجے سے اتر آیا اور شمال کے رخ چلنے لگا۔ چلتے چلتے پسینے میں شرابور ہو گیا۔ اچانک ایک چھوٹی سی ندی سامنے آگئی۔ یہاں کنارے پر دھوپ پڑ رہی تھی۔ میں یہاں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ جیکٹ کی جیب میں سے انڈین کرنسی کے سو سو کے پانچ نوٹ نکال کر دھوپ میں سکھانے کے لئے رکھ دیئے۔ پتلون اور جیکٹ اتنے گیلے نہیں رہے تھے۔ پھر بھی میں نے انہیں اتار کر دھوپ میں ڈال دیا اور ندی میں اتر کر نہانے لگا۔ ندی کا پانی ٹھنڈا تھا۔ میں نے تھوڑا سا پانی پی بھی لیا۔ پانی بڑا صاف تھا۔ ندی میں نہانے سے طبیعت قدرے بشاش ہو گئی۔ تھوڑی دیر وہاں آرام کیا اور کپڑے پہن کر ندی کے ساتھ ساتھ چل پڑا۔

ندی آگے جا کر ایک طرف گھوم گئی۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی گھوم گیا۔ یہاں میں نے کالے سانپوں کا ایک جوڑا دیکھا جو کنارے سے ذرا نیچے ریت میں کنڈل مارے بیٹھا تھا۔ دونوں سانپوں نے مجھے دیکھ کر گردنیں اونچی کیں اور اپنے پھن کھول دیئے۔ مجھے اور کچھ نہ سوجھا میں نے ندی میں چھلانگ لگا دی اور دوسرے کنارے پر کافی دور تک دوڑتا چلا گیا۔ جب مجھے محسوس ہوا کہ میں سانپوں کے جوڑے سے کافی آگے نکل آیا ہوں تو قدم قدم چلنا شروع کر دیا۔ اب مجھے کسی حالت میں بھی بھوپال واپس نہیں جانا تھا۔ کیونکہ اس وقت تک ملٹری پولیس اور ملٹری انٹیلی جینس کے آدمی رتلام سے لے کر بھوپال تک کے سارے علاقے میں پھیل چکے ہوں گے اور سڑکوں وغیرہ کی ناکہ بندیاں کر کے چیکنگ شروع ہو گئی ہو گی اور ہوٹلوں میں بھی چھاپے مارے جا رہے ہوں گے۔ اور کشمیری کمانڈوز کو تلاش کیا جا رہا ہو گا۔ یقیناً ملٹری انٹیلی جینس اس نتیجے پر پہنچی ہو گی کہ اسلحہ کی ٹرین کو کشمیری کمانڈوز نے ہی اڑایا ہے۔

میں نے دل میں یہی فیصلہ کیا کہ جھانسی کی طرف نکل جاؤں گا۔ وہاں کسی ہوٹل میں ایک دن اور ایک رات ٹھہروں گا اور اس کے بعد احمد آباد کی طرف نکل جانے کی کوشش کروں گا۔ میرے ماتھے پر جینی ہندوؤں والا تلک بھی نہیں لگا ہوا تھا۔ کمانڈو آپریشن پر نکلتے وقت میں نے یہ تلک مٹا دیا تھا اور کلائی پر جو منگل سوتر بندھا ہوا تھا وہ بھی اتار کر جیکٹ کی جیب میں رکھ لیا تھا جو اب بھی میری جیب میں ہی پڑا تھا۔ اب میں موقع محل کے مطابق اپنے آپ کو مسلمان بھی ظاہر کر سکتا تھا۔

ندی کے ساتھ ساتھ چلتے چلتے میں ایک ایسی جگہ پر آ گیا جہاں ندی سے ہٹ کر درختوں کے نیچے لکڑیوں کی کٹائی اور چرائی کا کام ہو رہا تھا۔ آرا مشین چل رہی تھی۔ کچھ مزدور کام پر لگے ہوئے تھے۔ ان لوگوں سے معلوم ہو سکتا تھا کہ میں کس علاقے میں نکل آیا ہوں۔ میں ندی کے کنارے سے اتر کر ان مزدوروں کے پاس آ گیا۔ مجھے کچھ فاصلے پر ایک شخص درخت کے نیچے چارپائی پر بیٹھا نظر آیا۔ وہ گھٹنوں پر رجسٹر کھولے اس میں کچھ لکھ رہا تھا۔ کپڑے اس نے صاف ستھرے پہن رکھے تھے۔ وہ منشی لگتا تھا۔ اس کے

ندھوں پر سبز رومال پڑا تھا جس سے میں نے اندازہ لگایا کہ یہ مسلمان ہے۔ میں اس کے ریب گیا تو اس ادھیڑ عمر آدمی نے میری طرف دیکھا۔ اب مجھے اس کے ماتھے پر پڑا ہوا راب بھی نظر آ گیا۔ میں نے السلام علیکم کہا تو اس نے بڑی خوش اخلاقی سے وعلیکم السلام لہا اور مجھ سے پوچھا کہ کیا کام ہے۔ میں نے ایک فرضی کہانی گھڑ کر اسے سنا دی کہ اپنے وست کے ساتھ جنگل میں شکار کھیلنے آیا تھا۔ ایک جگہ ہاتھیوں کے غول دیکھ کر ہم بھاگے ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔

اس آدمی نے قدرتی طور پر یہی پوچھا کہ ہم کہاں سے شکار کھیلنے جنگل میں آئے ھے۔ میں نے کہا۔

"دراصل ہم جھانسی سے چلے تھے۔ دو دن راستے میں ایک فاریسٹ ریسٹ ہاؤس میں قیام کیا۔ پھر اس جنگل میں آ گئے۔ ہماری دوسری ٹیم دوسرے جنگل میں ہے میں تو دلی سے اپنے دوست کے پاس جھانسی آیا تھا۔ مجھے اس علاقے کی واقفیت بھی نہیں ہے۔ یہ بتائیں کہ جھانسی یہاں سے کتنی دور ہو گا"

وہ شخص کچھ حیرانی کے تاثرات کے ساتھ مجھے تک رہا تھا۔ کہنے لگا۔

"میاں جھانسی تو یہاں سے بہت دور ہے اور دوسری ریلوے لائن پر ہے تم تو باسودہ شہر کے آس پاس پھر رہے ہو"

میں نے سوچا کہ چلو کوئی شہر تو قریب ہے۔ میں نے کہا۔

"آپ مجھے باسودہ شہر کا راستہ بتا دیں۔ وہاں سے میں کسی نہ کسی طرح جھانسی پہنچ جاؤں گا"

اس آدمی نے رجسٹر بند کر دیا۔ مجھے چارپائی پر اپنے پاس بٹھایا اور ایک مزدور کو آواز ے کر کہا۔

"میاں ان کے لئے شربت تو لاؤ"

شربت لیموں پانی کا تھا۔ وہ آدمی کہنے لگا۔

"تم یہاں بیٹھ کر آرام کرو۔ ابھی تھوڑی دیر میں ہمارا ٹرک کٹی ہوئی لکڑیاں

لینے آئے گا۔ میں تمہیں اس میں بٹھادوں گا۔ وہ باسودہ شہر ہی جائے گا“

گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ میں جنگل میں اس مہمان نواز مسلمان منشی کے پاس بیٹھا لکڑیوں کی چرائی ہوتے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد ایک خستہ حال سا ٹرک آگیا۔ اس پر چری ہوئی لکڑیوں کے سلیپر لادے گئے۔ منشی نے مجھے ڈرائیور کے ساتھ والی سیٹ پر بٹھا دیا۔ اس ٹرک نے مجھے ڈیڑھ گھنٹے بعد مدھیہ پردیش کے جنگلوں سے نکال کر باسودہ شہر پہنچا دیا۔

اس زمانے میں باسودہ اتنا بڑا شہر نہیں تھا۔ چھوٹا سا شہر تھا۔ ایک بازار میں مسلم ہوٹل کا بورڈ لگا تھا۔ یہ ایک دکان تھی۔ میں دکان کے اندر آکر میز کے گرد کرسی پر بیٹھ گیا میری ساتھ والی میز پر تین آدمی بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ ایک آدمی کہہ رہا تھا۔

”میاں کہنے والے کہتے ہیں کہ دھماکہ اتنا بڑا تھا کہ ڈگھاٹ کا پورا اسٹیشن پوری پہاڑی اڑ گئی ہے۔ بھوپال سے ادھر کوئی گاڑی نہیں آرہی“

دوسرا آدمی کہنے لگا۔

”سنا ہے فوجی ٹرین تھی“

”ہاں میاں۔ اس میں گولہ بارود لدا ہوا تھا۔ یہ کشمیری مجاہدین کا ہی کارنامہ ہے۔ تم دیکھ لینا کشمیر سے ایک دن ہندو سکھ فوجیوں کو بھاگنا پڑے گا۔“

تیسرے آدمی نے میری طرف دیکھ کر اپنے ساتھی کو کوئی اشارہ کیا۔ وہ خاموش ہو کر میری طرف دیکھنے لگا۔ میں نے پوچھا۔

”کیا کوئی گاڑی پٹڑی سے اتر گئی ہے“

وہ بے نیازی سے بولا۔

”خدا جانے بھائی۔ ہمیں تو کچھ معلوم نہیں“

اور وہ تینوں اٹھ کر چلے گئے۔ اس کا مطلب تھا کہ فوجی ٹرین کی تباہی کی خبر سب جگہ پھیل چکی تھی۔ یہ تینوں آدمی باسودہ کے مسلمان تھے مگر اتنے ڈرے ہوئے تھے کہ ایک اجنبی کو دیکھ کر ٹرین کی تباہی کی باتیں کرتے کرتے نہ صرف رک گئے تھے بلکہ اٹھ کر چلے گئے تھے۔

میں نے اس چھوٹی سی دکان میں خوب سیر ہو کر آلو گوشت اور بریانی کھائی۔ احمد آباد جین ہندو کے روپ میں سبزیاں کھاتے کھاتے میں تنگ آگیا تھا۔ یہاں سے میں باسودہ ے اسٹیشن پر آگیا۔ یہاں آکر معلوم ہوا کہ جھانسی جانے والی گاڑی باسودہ اسٹیشن سے شام کے وقت تیار ہو کر جائے گی۔ کیونکہ ڈگھاٹ سٹیشن پر فوجی گاڑی کے پٹڑی سے جانے کی وجہ سے ریلوے بھوپال جھانسی ریلوے ٹریک بند ہو گیا ہے۔ اور اب دلی نے والی گاڑیاں رتلام سے راجستھان کے شہر کوٹا اور بھرت پور سے ہوتی ہوئی دلی پہنچتی ۔ اس وقت دوپہر کے تین بجنے والے تھے۔ میں نے جھانسی کا ٹکٹ خرید کر جیب میں لیا تھا۔ شہر میں آکر چلنے پھرنے کی بجائے میں وہیں باسودہ سٹیشن کے پلیٹ فارم پر ہی رہا۔ پلیٹ فارم پر زیادہ رش نہیں تھا۔ سٹیشن آفس کے آگے چائے وغیرہ کی چھوٹی کینٹین تھی جس کے کاؤنٹر پر دو تین مسافر کھڑے چائے وغیرہ پی رہے تھے۔ خالی یوں کے کچھ ڈبے پلیٹ فارم کی دوسری طرف ریلوے لائن پر کھڑے تھے۔ ایک انجن گرم جوشی سے شنٹ کرتا ادھر سے ادھر آجا رہا تھا۔ شاید اسی انجن نے شام کو ی جانے والی گاڑی تیار کرنی تھی۔

شام ہو گئی۔ پلیٹ فارم کی بتیاں جل اٹھیں۔ اس دوران میں تین بار کاؤنٹر پر کھڑے ر چائے پی چکا تھا۔ خدا خدا کر کے ایک خالی ٹرین پلیٹ فارم پر آکر لگ گئی۔ اس وقت جھانسی دلی کی طرف جانے والے کافی مسافر پلیٹ فارم پر اپنے اپنے سامان اور بال کے ساتھ آکر جمع ہو چکے تھے۔ گاڑی کے لگتے ہی مسافروں نے خالی ڈبوں پر ہلہ بول گر خالی ڈبے زیادہ تھے۔ میں بھی ایک نسبتاً خالی ڈبے میں آکر بڑے آرام سے کھڑکی پاس والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔ یہ گاڑی شروع ہی سے پسنجر ٹرین بن گئی۔ راستے میں ٹے سے چھوٹا اسٹیشن بھی آتا تو وہاں کھڑی ہو جاتی اور دیر تک کھڑی رہتی۔ اس ٹرین جھے اگلے دن رات کے دس گیارہ بجے جھانسی پہنچایا۔ پلیٹ فارم پر اتر کر میں نے خدا ر ادا کیا۔ کتابوں والے سٹال پر جا کر اخبار دیکھے۔ ہر اخبار میں ڈگھاٹ پر فوجی ٹرین کی کی خبر نمایاں سرخیوں کے ساتھ چھپی ہوئی تھی۔ ہر اخبار نے فوجی ذرائع کے مطابق

یہی لکھا تھا کہ یہ کام کشمیری مجاہدین کا ہے اور شہری پولیس اور ملٹری پولیس اس ٹرین کی تباہی کے ذمہ دار تخریب کاروں یعنی کشمیری مجاہدین کی تلاش میں جگہ جگہ چھاپے مار رہی ہے۔ مجرموں کو بہت جلد گرفتار کر لیا جائے گا۔ ریلوے اسٹیشن پر بھی جگہ جگہ ملٹری پولیس کے جوان نظر آئے۔ گیٹ پر بھی پولیس کے دو سپاہی کھڑے باہر نکلنے والے ہر مسافر کو غور سے دیکھ رہے تھے۔ میں نے ان کی بالکل پروانہ کی اور ٹکٹ چیکر کو ٹکٹ دے کر باہر نکل گیا۔ جھانسی ہندوستان کے مشہور شہروں میں سے ہے اس شہر سے مسلمانوں کی بڑی انمول دینی، علمی اور ادبی روایات وابستہ ہیں۔ مگر اس شہر میں بھی میں نے مسلمانوں کو غربت اور معاشی پس ماندگی کی حالت میں دیکھا۔

میں کسی مسلمان ہوٹل میں ٹھہرنا چاہتا تھا۔ یہاں مجھے اپنے ماسٹر سپائی کی ہدایت کے مطابق کم از کم تین روز قیام کرنا تھا تاکہ جب میں ٹرین میں سوار ہو کر واپس احمد آباد جاتے ہوئے بھوپال اور رتلام کے شہروں سے گذروں تو ملٹری اور سول پولیس کی سیکورٹی کے اقدامات تھوڑے نرم پڑ چکے ہوں۔ میں جھانسی ریلوے اسٹیشن کے آس پاس کے بازاروں میں گھومنے پھرنے لگا۔ ابھی رات کے بارہ بھی نہیں بجے تھے۔ جھانسی شہر میں کافی رونق تھی۔ یہاں بہت سے ہوٹل تھے۔ ایک ہوٹل کی دوسری منزل پر لگا ہوا تاج محل ہوٹل کا نیون سائن بورڈ روشن نظر آیا تو میں نے اسی ہوٹل میں کمرہ کرائے پر لے لیا۔ میں نے اپنا نام عمران علی لکھوایا اور کہا کہ میں بریلی میں پلاسٹک کی ڈونگے بالٹیاں بنانے کا کاروبار کرتا ہوں۔ یہاں جھانسی میں مارکیٹ کا جائزہ لینے آیا ہوں۔

رات میں نے بڑے آرام سے اپنے کمرے میں سو کر گذاری۔ دوسرے دن دوپہر کے وقت شہر میں تھوڑی دیر ادھر ادھر پھرتا رہا۔ شام کو ہوٹل میں واپس آ گیا۔ یہاں دل نہیں لگتا تھا۔ طبیعت یہی چاہ رہی تھی کہ جا ی سے احمد آباد جاؤں اور مسٹر پانڈے سے ملٹری ٹرین کی تباہی کا حال سنوں اور یہ معلوم کروں کہ کیا ٹرین میں نیپام بم والے سارے راکٹ تباہ ہو گئے تھے یا نہیں یا جو بھی صوت حال ہو طریقے طریقے سے معلوم کروں۔ مجھ سے تیسرے دن جھانسی میں نہ رہا گیا۔

میں دوسرے روز ہی رات کی گاڑی میں بیٹھ کر احمد آباد روانہ ہو گیا۔ مڈگھاٹ کا یلوے ٹریک بند تھا۔ اسلحہ بارود کے دھماکوں سے چونکہ سارے کا سارا اسٹیشن ہی اڑ گیا ھا اس لئے گاڑیاں ابھی اس طرف سے ہو کر بھوپال احمد آباد نہیں جاتی تھیں۔ معلوم ہوتا ھا کہ ہمارے کمانڈو آپریشن نے واقعی بڑی تباہی مچائی تھی۔ جس گاڑی میں میں سوار تھا وہ ھانسی سے بھرت پور، اور بھرت پور سے کوٹا ہوتی ہوئی احمد آباد پہنچی۔ اس وقت دن کے بج رہے تھے۔ میں لابازار گیا وہاں سے اپنے لئے کھدر کا نیا کرتہ پاجامہ صدری چپل اور لک لگانے والی ڈبی خریدی۔ اس دکان کے اندر ہی جینز جیکٹ اتار کر لفافے میں بند کیا۔ وسرے کپڑے بدلے۔ ایک پارک میں پرانے کپڑوں کا لفافہ کوڑے کرکٹ کے ڈھیر میں ینک دیا۔ کلائی پر منگل سوتر بھی باندھ لیا اور پارک میں ہی ایک طرف بیٹھ کر ماتھے پر لک بھی لگا لیا۔ جو رقم بچی تھی وہ جیب میں رکھ لی اور ٹیکسی لے کر مسٹر پانڈے کے بنگلے ی طرف روانہ ہو گیا۔

مسٹر پانڈے ابھی دفتر نہیں گئے تھے۔ مینا کشی سو رہی تھی وہ خود ڈائننگ روم میں ٹھے ناشتے کے بعد سگار پی رہے تھے۔ مسٹر پانڈے جب کبھی کسی دفتری مسئلے کے بارے ں پریشان ہوتے تھے اور سگار سلگا کر منہ میں رکھ لیتے تھے۔ مجھے ہاتھ باندھ کر ملے۔ رے گھٹنوں کو چھوا اور بڑی لجاجت سے بولے۔

"گورو دیو! میں تو آپ ہی کی راہ دیکھ رہا تھا۔ سومنات جی کی یاترا ضرور اچھی رہی ہو گی۔ آپ نے میرے لئے بھی ضرور پرارتھنا کی ہو گی۔"

میں اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ مسٹر پانڈے میرے لئے چائے بنانے لگے۔ ٹکل سے کافی پریشان نظر آ رہا تھا۔ مجھے اس کی پریشانی کی وجہ معلوم تھی۔ میں نے کہا۔

"گوکل داس! ہم نے تمہارے لئے خاص طور پر شری کرشن بھگوان کے نام کا جاپ کیا ایک ہزار سوتروں کا پاٹھ کیا"

مسٹر پانڈے نے چائے کی پیالی میرے آگے بڑے ادب سے رکھتے ہوئے۔ بجھے ئے دل اور مردہ سی آواز میں کہا۔

"مہاراج! میں تو بڑی مشکل میں پھنس گیا ہوں"

"کیوں گوگل داس! کیا ہوا؟ بتاؤ۔ آخر ہم یہاں کس لئے بیٹھے ہیں۔ ہم سے جو ہو سکے گا تمہارے لئے کریں گے"

مسٹر پانڈے نے میرے قریب کرسی گھسیٹ لی اور بولا۔

"آپ کو تو شاید معلوم ہی نہیں کہ میری دفتری ذمے داریاں کیا کیا ہیں اور کس قسم کی ہیں میں نے بھی کبھی آپ سے ان کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ آپ مہاویر کے سچے بھگت ہیں۔ آپ دنیاداری کے جھمیلوں سے کوسوں دور ہیں۔"

میں نے جان بوجھ کر آواز کو رعب دار بناتے ہوئے کہا۔

"گوگل داس! اپنی مشکل بتاؤ۔ ادھر ادھر کی باتیں مت کرو"

میں چائے پینے لگا۔ مسٹر پانڈے نے جلدی سے ہاتھ باندھ لئے اور بولا۔

"گورو دیو! گولہ بارود سے بھری ہوئی ایک ٹرین ہم نے کشمیر فرنٹ پر اپنے فوجی یونٹوں کے لئے بھیجی تھی۔ اسے کشمیری کمانڈوز نے اڑا دیا ہے"

میں نے ان جان بنتے ہوئے کہا۔

"کیا یہ کوئی پسنجر ٹرین تھی؟"

گوگل داس بولا۔

"نہیں مہاراج سارے کے سارے ڈبے مال گاڑی کے تھے اور ان میں اسلحہ لدا ہوا تھا۔"

میں نیپام راکٹوں کی تباہی کی تصدیق چاہتا تھا۔ میں نے پوچھا۔ "کیا اس میں کوئی خاص قسم کا اسلحہ تھا؟"

"ہاں مہاراج! اس میں اگنی راکٹ تھے۔ انہیں نیپام راکٹ بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ہم نے خاص طور پر کشمیر فرنٹ کے لئے کسی دوسرے ملک سے حاصل کئے تھے۔ وہ بھی دوسرے اسلحہ کے ساتھ بھسم ہو گئے"

میں نے کہا۔

"گوگل چند اسی قسم کے حادثے تو دنیا کے ملکوں میں ہوتے ہی رہتے ہیں۔ تم کیوں پریشان ہو؟"

مسٹر پانڈے نے کہا۔

"مہاراج! اس ٹرین کو دیولالی سے جموں توی تک پہنچانے کی ذمے داری میرے محکمے کے سپرد تھی۔ میرے محکمے کا ایک خاص سیکورٹی سٹاف بھی ساتھ جا رہا تھا۔ مہاراج اوپر پنجاب اور جموں کشمیر میں تو اس قسم کے دھماکے ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن ہمارے پرانت میں ایسا پہلی بار ہوا ہے کہ کشمیری کمانڈوز نے بھوپال اور جھانسی کے درمیان کسی فوجی گاڑی کو اڑا دیا ہو۔ مہاراج ڈگھاٹ کے اسٹیشن پر تو بڑی تباہی ہوئی ہے۔ سٹیشن کا نام ونشان باقی نہیں رہا۔ آپ کو شاید معلوم نہیں مہاراج کہ ہمارا محکمہ سنٹرل نیشنل سیکورٹی کا بڑا امپارٹنٹ محکمہ ہے اور خاص پردھان منتری اندرا جی کے ماتحت ہے۔ اوپر تو طوفان مچ گیا ہوا ہے۔ میرے خلاف بھی انکوائری شروع ہو گئی ہے"

گوگل داس کی آواز مزید بجھ گئی۔ بولا۔

"میں اپنی ترقی کی فکر میں تھا اور یہاں میری نوکری اور میرے پورے سرکاری کیریئر کی ساکھ خطرے میں پڑ گئی ہے۔ مہاراج! پلیز میرے لئے کچھ کیجئے۔ نہیں تو نہ صرف یہ کہ مجھے نوکری سے ڈس مس کر دیا جائے گا بلکہ میری پنشن بھی ضبط ہو جائے گی اور ساری زندگی کے لئے بدنامی کا داغ ماتھے پر لگ جائے گا۔"

میں مطمئن ہو گیا۔ ہم جو چاہتے تھے۔ ویسے ہی ہوا تھا میں نے مسٹر پانڈے کو جھوٹی تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"گوگل داس! تم چنتا مت کرو۔ ہم سے جو ہو سکے گا تمہارے لئے کریں گے۔ ہم بھگوان شیو جی کے چرنوں میں خود تمہاری ارداس پیش کریں گے"

مسٹر پانڈے میری شعبدہ بازیاں دیکھ چکا تھا جن کو وہ میری کرامتیں سمجھ رہا تھا۔ میرے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

"مہاراج میری لاج رکھ لیں۔ مجھے برباد ہونے سے بچالیں۔"

میں نے دیکھا کہ اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ میں نے ایک خاص مقصد ذہن میں رکھتے ہوئے اسے کہا۔

"تمہیں کہہ دیا ناں کہ چنتا مت کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم تمہارے لئے بھگوان شیو جی کا خاص چلہ کریں گے۔ آئندہ اگر کوئی اس قسم کی ذمے داری تمہارے سر پر پڑنے والی ہو تو ہمیں خبر کر دینا۔ ہم تمہیں بچالیں گے۔"

میرا تیر ٹھیک نشانے پر جا کر لگا تھا۔ مسٹر پانڈے نے مجھے ہمارے اگلے کمانڈو آپریشن کا ٹارگٹ خود ہی بتا دیا۔ کہنے لگا۔

"مہاراج! مجھ سے غلطی ہو گئی کہ آپ کو کچھ نہ بتایا۔ ورنہ یہ دن نہ دیکھنا پڑتا۔ اب اگلے مہینے کے پہلے ہفتے میں کسی روز ہمارا ایک بہت بڑا مال بردار بحری جہاز اسرائیل کی کسی بندرگاہ سے کوبرا جنگی ہیلی کاپٹروں کی پوری کھیپ اور میڈیم فیلڈ توپیں لے کر دوارکا کی بندگارہ پر آکر لگے گا۔ اگر اس دوران مجھے نوکری سے چھٹی نہ مل گئی تو اس کی سیکورٹی کی ذمے داری بھی میرے محکمے کے سپرد ہو گی۔ مگر مہاراج پہلے آپ مجھے اس مشکل سے بچائیں جس میں پھنس چکا ہوں۔"

مسٹر پانڈے نے مجھے بہت بڑا ٹارگٹ دے دیا تھا۔ میں نے اپنی معلومات کے لئے اس سے پوچھا۔ ہم انگریزی میں باتیں کر رہے تھے۔ بیچ میں کبھی کبھی وہ ہندی بولنے لگ جاتا تھا۔ میں انگریزی میں اس سے زیادہ تر اس لئے بھی بات کرتا تھا کہ اگرچہ میں ہندی پوری طرح جانتا تھا مگر کسی وقت میرے منہ سے فارسی اور عربی کا کوئی لفظ نکل جاتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"گوگل داس! ہندوستان ایک غریب ملک ہے مجھے بتاؤ کہ ہماری حکومت آخر

اتنا دولت خرچ کر کے یہ اسلحہ کس لئے منگوا رہی ہے۔ ہماری پاکستان سے کوئی جنگ تو نہیں لگی ہوئی"

پانڈے کہنے لگا۔

"مہاراج! آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ کشمیر پر ہم نے وہاں کے کشمیری مسلمانوں کی مرضی کے خلاف زبردستی قبضہ کر رکھا ہے۔ کشمیری مسلمان ہمارے غیر قانونی قبضے کے خلاف جہاد کی لڑائی لڑ رہے ہیں جو ایک قسم کا دھرم یدھ ہوتا ہے۔ وہاں ہماری فوج بھی عاجز آگئی ہے ہم یہ سارا اسلحہ کشمیر فرنٹ پر کشمیری مسلمانوں کے خلاف استعمال کرنے کے لئے منگوا رہے ہیں۔ کیونکہ مہاراج کشمیر ہمارے ہاتھ سے نکل گیا تو پورا مشرقی پنجاب بھی ہمارے پاس نہیں رہے گا۔ سکھ وہاں فوراً خالصتان بنالیں گے۔"

وہ ہاتھ جوڑ کر سیدھا ہو کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ کہنے لگا۔

"گورو دیو! مجھ پر بڑی بھاری پتا آن پڑی ہے۔ مجھے اس پتا میں سے نکال لیجئے۔ میں سارا جیون آپ کے چرنوں میں گذار دوں گا۔"

میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے مسٹر پانڈے کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بڑے جلا[illegible] آکر کہا۔

"تمہیں کچھ نہیں ہو گا گوکل داس! کچھ نہیں ہو گا۔ ہم تمہاری رکھوالی کریں گے۔ اب ہم اوپر آرام کرنے جا رہے ہیں۔"

میں نے اپنے کمرے میں آکر سب سے پہلا کام یہ کیا کہ خفیہ جگہ پر چھپائے ہوئے [illegible]ٹ لائیٹر ٹرانسمیٹر کو نکال کر دیکھا۔ وہ اپنی جگہ پر محفوظ پڑا تھا۔ اس دوران نیچے [illegible]ک روم کے ٹیلی فون میں لگایا ہوا میرا مائیکروفون بھی اپنی جگہ پر موجود تھا۔ میں نے [illegible]ز اٹھا کر کان سے لگایا۔ ڈرائنگ روم میں باہر کی آوازوں کی بھنبھناہٹ صاف سنائی [illegible]رہی تھی۔ میرا بریف کیس جس میں میرے کافی روپے بند تھے الماری کے ایک [illegible]میں بالکل محفوظ پڑا تھا۔ میں نے چابی لگا کر اسے بھی کھول کر دیکھا۔ سارے کرنسی

نوٹ موجود تھے۔ اتنے پیسے ہی کم ہوئے تھے جتنے میں نکال کر لے گیا تھا۔ یہاں میری کسی چیز کو کسی نوکر وغیرہ کے ہاتھ لگانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ گھر کے سب نوکروں وغیرہ کو معلوم تھا کہ میں انتریامی سنت سادھو ہوں مجھے ایک ایک بات کا پتہ چل جاتا ہے۔

میں یہ خبر اپنے سپائی کریم بھائی تک پہنچانے کے لئے بے تاب تھا کہ اگلے مہینے کے پہلے ہفتے بھارت کا ایک مال بردار بحری جہاز جنگی ہیلی کاپٹر اور میڈیم فیلڈ توپوں کی بھاری کھیپ لے کر دوارکا کی جیٹی پر لگنے والا ہے۔ اس کو میں مسٹر پانڈے کے بنگلے سے ریڈیو ٹرانسمیٹر پر یہ خبر نہیں سنا سکتا تھا۔ یہاں سے اسے فون بھی نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے باہر کسی محفوظ جگہ سے اس کو ٹیلی فون کر کے دن یا رات کے وقت ملاقات کا کوئی وقت طے کرنا تھا۔ میں نے سوچا کہ مجھے ٹیلی فون کرنے کے لئے میناکشی کے ساتھ گاڑی میں باہر نکلنا چاہئے۔ اس طرح میں نگرانی کرنے والوں کی نظروں سے بچ سکتا تھا۔

ایک خیال یہ بھی تھا کہ فوجی ٹرین کی تباہی کے بعد مسٹر پانڈے کی اعلیٰ سطح پر انکوائری شروع ہو گئی ہے عین ممکن تھا کہ کوٹھی کے باہر معمول کی ڈیوٹی پر بیٹھے ہوئے سیکریٹ سروس کے آدمیوں کو الرٹ کر دیا گیا ہو اور اب وہ ہنگامی بنیادوں پر میری نگرانی شروع کر دیں۔ اب میرا اس بنگلے سے اکیلا نکل کر سوائے کسی مندر کے دوسری جگہوں پر جانا خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔ مسٹر پانڈے کی زبانی مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ میناکشی ابھی اپنے کمرے میں ہی ہے۔ وہ رات کو ڈانس سنٹر سے دیر سے آئی تھی۔ میں نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر میناکشی کے کمرے کا نمبر ڈائیل کیا۔ وہ اپنے بیڈ روم میں ہی تھی۔ میری آواز سن کر خوش ہو کر بولی۔

”گورو جی آپ کب آئے؟ پتا جی تو آپ کے آنے کا بڑی بے چینی سے انتظار کر رہے تھے۔“

اس نے فکر مند ہو کر کہا۔

”ڈیڈی بہت پریشان ہیں گورو جی! ان کے خلاف انکوائری شروع ہو رہی ہے“

میں نے کہا۔

”مجھے تمہارے ڈیڈی نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ میں ان کے پاس ہی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آیا ہوں۔“

میناکشی نے التجا بھرے لہجے میں کہا۔

”گورو جی! پلیز میرے ڈیڈی کو اس پریشانی سے بچا لیں۔ آپ تو سب کچھ کر سکتے ہیں“

میں نے کہا۔

”تم بے فکر رہو۔ مجھ سے جو ہو سکا وہ کروں گا بھگوان نے چاہا تو تمہارے ڈیڈی پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکے گا۔ ہاں۔ میں نے اس وقت تمہیں اس لئے فون کیا ہے کہ مجھے مہنت جی سے ملنے مندر جانا ہے۔ ان کے لئے سومنات مندر کے بڑے پنڈت جی کا ایک خاص سندیسہ لایا ہوں۔ تم ایسا کرو کہ مجھے اپنی گاڑی میں مندر تک چھوڑ آؤ“

تھوڑی دیر بعد میں میناکشی کے ساتھ گاڑی میں بیٹھا نارائن جی کے مندر کی طرف جا تھا۔ بنگلے سے نکلتے وقت میں نے سامنے والے شیشے میں سے پیچھے نگاہ ڈالی تھی۔ مجھے ٹ کے سامنے درخت کے پاس ایک آدمی اٹھ کر دوسری طرف جاتا دکھائی دیا تھا۔ اب محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ یہ سیکریٹ سروس کا آدمی بھی ہو سکتا تھا۔ ممکن ہے پولیس کی کوئی خاص گاڑی کہیں قریب ہی موجود ہو اور وہ اس میں بیٹھ کر میرے ب میں آئے۔ ملٹری ایمونیشن کی ٹرین کی تباہی اور مسٹر پانڈے کے خلاف اوپر کی سطح نکوائری شروع ہو جانے کے بعد خفیہ پولیس کے یہ اقدامات بالکل ضابطے کے مطابق میناکشی مجھے مندر کے دروازے پر اتار کر چلی گئی۔ میں مندر کے بڑے کمرے میں ن مہاویر کی بڑی مورتی کے پاس کچھ دیر آنکھیں بند کر کے بیٹھا مالا کا جاپ کرتا رہا۔ کچھ بھی نہیں پڑھ رہا تھا۔ میرے ہاتھ مالا کے دانوں پر چل رہے تھے مگر ذہن سوچ رہا یہاں سے کیسے باہر نکلوں؟ کس طرف سے باہر نکلوں اور کہاں جا کر ماسٹر سپائی کریم

بھائی سے فون پر رابطہ قائم کروں اب مجھے یہ دھڑکا بھی لگا رہتا تھا کہ کہیں اچانک پولیس آکر مسٹر پانڈے کے بنگلے میں میرے کمرے کی تلاشی لینی نہ شروع کر دے۔ وہ نیشنل سیکورٹی کے نام پر ایسا کر سکتی تھی۔ تلاشی لینے کی صورت میں میرا سگریٹ لائیٹر والا ریڈیو ٹرانسمیٹر برآمد ہو سکتا تھا۔ یہ میرے غیر ملکی جاسوس ہونے کا بہت بڑا ثبوت تھا۔ مگر یہ خطرہ تو بہرحال مجھے مول لینا ہی تھا۔ میں کوئی پون گھنٹہ وہاں بیٹھا رہا۔

پھر اٹھ کر مورتی کے قدموں کو چھو کر ہاتھ آنکھوں کے ساتھ لگائے اور آہستہ آہستہ ٹہلتا ہوا مندر کے عقبی دروازے کی طرف بڑھا۔ پوجا کرنے ولے شردھالو اس دروازے سے بھی آجا رہے تھے۔ میں نے درواازے کی دوسری جانب نگاہ دوڑائی۔ اگر خفیہ پولیس کا کوئی آدمی میرے پیچھے لگا ہوا تھا تو وہ یقیناً اسی دروازے پر موجود ہو گا۔ وہاں دو تین آدمی تھے۔ یہ عام گجراتی ہندو تھے جو ایک سٹال پر سے پھولوں کی مالائیں خرید رہے تھے۔ میں نے دل میں سوچا کہ اب جو ہو سو ہو مجھے تو بہرحال یہاں سے نکلنا ہی ہے۔ بڑے دروازے سے نہیں تو عقبی دروازے سے ہی سہی۔ اور میں عقبی دروازے سے نکل گیا۔

یہاں ایک چھوٹی سی سڑک مندر کی دیوار کے ساتھ گھومتی ہوئی دوسری طرف بڑی سڑک پر نکل جاتی تھی۔ میں بڑے سکون سے ہندو سادھوؤں کی طرح قدم قدم چلتا۔ ایک ہاتھ میں مالا چلاتا بڑی سڑک پر آگیا۔ یہاں سے ایک ٹیکسی پکڑی اور بڑے چوک والے سینما ہاؤس کے سامنے جو ریستوران تھا وہاں اتر گیا۔ اس ریستوران سے میں پہلے بھی ایک بار ٹیلی فون کر چکا تھا۔ فون کاؤنٹر کے پیچھے ایک تپائی پر پڑا رہتا تھا میں نے ریستوران کے مالک سے اجازت لے کر کریم بھائی کا نمبر گھمایا۔ اس نے میری آواز سنتے ہی پوچھا۔

"کوئی خاص بات؟"

یہ شخص ٹیلی فون پر ہمیشہ مختصر اور شارٹ ہینڈ میں گفتگو کرتا تھا۔ میں نے کہا۔

"سوامی مہاویر جی کی جینتی قریب آرہی ہے آپ سے اس بارے میں بات کرنی تھی"

دوسری طرف سے آواز آئی۔

"ایک گھنٹے بعد کنکر کنکریاں جھیل کے پاس سلطان قطب الدین کی مسجد کے پیچھے آجانا"

اور اس نے فون بند کر دیا۔

مجھے بہرحال وہاں پہنچنا تھا۔ میں نے سوچا کہ ایک گھنٹہ کہاں پر گزارا جائے کہ اگر کوئی خفیہ پولیس کا آدمی میرے پیچھے لگا ہوا بھی ہے تو اسے شک بھی نہ پڑے اور اسے موقع سے اس کی نظروں سے اوجھل ہونے کی بھی کوشش کی جائے۔ میں ریستوران سے نکل آیا۔ سامنے بس سٹاپ تھا۔ لوگ بس کے انتظار میں کھڑے تھے۔ میں نے دل میں ایک سکیم بنا لی تھی۔ جیسے ہی بس آئی لوگ اس میں سوار ہونے کے لئے ایک دم آگے بڑھے۔ میں بھی لوگوں کے ہجوم میں گھس گیا۔ اس بس کے دو دروازے تھے۔ ایک دروازہ پیچھے تھا جہاں سے لوگ سوار ہوتے تھے۔ دوسرا دروازہ ڈرائیور کی سیٹ کے سامنے دوسری طرف کھلتا تھا۔ یہاں سے سواریاں اترتی تھیں۔ بس کے اندر آتے ہی میں سیٹ کی تلاش کے بہانے اگلے دروازے کی طرف چلنے لگا۔ پھر دوسرے دروازے کے پاس آکر جلدی سے نیچے اتر گیا۔ نیچے اترتے ہی میں نے ایک رکشے کو ہاتھ دیا۔ وہ رک گیا۔ میں اس میں گھس گیا اور ڈرائیور سے کنکر کنکریاں جھیل کی طرف چلنے کو کہا۔

اس قسم کی صورت حال میں میں اس سے زیادہ احتیاط نہیں کر سکتا تھا۔ اگر واقعی اب بھی کوئی آدمی میرے پیچھے آرہا تھا تو پھر اس سے نجات حاصل کرنا میرے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔ میں صرف اس وقت کمانڈو اٹیک کا آخری حربہ استعمال کرنے کا قائل تھا جب دوسرا کوئی چارہ کار باقی نہ رہا ہو۔

موٹر رکشے نے مجھے کنکر کنکریاں جھیل والے پارک کے دروازے پر پہنچا دیا۔ یہ جھیل احمد آباد کی بڑی مشہور جھیل اور تفریحی مقام ہے۔ میں پہلے بھی اس جھیل کا ذکر کر چکا ہوں۔ سلطان قطب الدین نے اس جھیل کو بڑی ترقی دی تھی اور آس پاس گھنے پھل دار درخت لگوائے تھے۔ جہانگیر بادشاہ یہاں تفریح اور شکار کی غرض سے اکثر آیا کرتا تھا۔ سلطان قطب الدین نے جھیل کنارے ایک عالی شان مسجد بھی بنوائی تھی جو اپنی شان

وشوکت اور جاہ وجلال کے ساتھ آج بھی قائم تھی۔ جھیل کے کنارے کنارے دور تک
اس تاریخی مسجد کا برآمدہ چلا گیا تھا۔ برآمدے کے ستونوں کا عکس جھیل کے ساکن پانی
میں جھلملاتا نظر آتا تھا۔ میں مسجد کے پیچھے چلا آیا۔ یہ جگہ نسبتاً ویران ویران سی تھی۔
ایک بارہ دری کا کھنڈر سا باقی رہ گیا تھا۔ میں کھنڈر کے ایک جانب ہو کر سائے میں بیٹھ
گیا۔

میں نے مالا کا جاپ شروع کر دیا تھا اور یوں بیٹھا تھا جیسے بھگوان کا سمرن کر رہا ہوں۔
میں کنکھیوں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ مجھے وہاں کوئی مشکوک آدمی نظر نہ آیا۔ ٹھیک
وقت پر ایک طرف سے کریم بھائی آتا دکھائی دیا۔ وہ میرے قریب سے ہو کر آگے نکل
گیا۔ جاتے جاتے اس نے صرف اتنا کہا۔

"فاصلہ ڈال کر میرے پیچھے چلے آؤ"

میں نے ایسا ہی کیا۔ آگے درختوں کے درمیان ایک جگہ پرانے زمانے کا ایک ٹوٹا
پھوٹا مینار تھا جس کی نچلی منزل ہی باقی رہ گئی تھی۔ اس مینار میں دروازہ تھا اور سیڑھیاں
نیچے جاتی تھیں۔ جس طرح ہمارے لاہور کے مقبرہ جہانگیر کے میناروں میں سیڑھیاں بنی
ہوئی ہیں۔ کریم بھائی سیڑھیاں اتر کر نیچے چلا گیا تھا۔ میں بھی نیچے اتر گیا۔ نیچے ایک
چھوٹے سے بند غار کے اور کچھ نہیں تھا۔

کریم بھائی نے مجھے دیکھتے ہی پوچھا۔

"کوئی خاص بات؟"

میں نے اسے دوارکا کی بندرگاہ پر اگلے مہینے کے پہلے ہفتے میں آنے والے بحری جہاز
کے بارے میں جلدی جلدی ساری تفصیل بیان کر دی۔ وہ بولا۔

"اس جہاز میں جو کوبرا گن شپ ہیلی کاپٹر آ رہے ہیں وہ یقیناً کشمیر کے
فرنٹ پر کشمیری مجاہدوں کے خلاف ہی استعمال ہوں گے اور میڈیم توپ خانہ
بھی کشمیر محاذ کے لئے ہی منگوایا گیا ہے۔ ورنہ اس قسم کے اسلحہ منگوانے کی
اس وقت ضرورت نہیں تھی۔ یہ سارا اسلحہ کشمیریوں کی جدوجہد آزادی کو

کچلنے کے لئے ہی منگوایا گیا ہے۔ کیونکہ کشمیر کے محاذ پر مجاہدین ہر روز
زبردست کامیابیاں حاصل کر رہے ہیں۔ بھارتی فوجوں کا بہت جانی نقصان ہو
رہا ہے"

میں نے کہا۔

"پھر تو اس جہاز کی تباہی بہت ضروری ہے"

کریم بھائی کہنے لگا۔

"اس کے لئے تمہیں دوارکا جانا ہو گا۔ لیکن پہلے تم سومنات جاؤ گے اور
مندر میں ایک پجاری سنت بن کر حالات کا جائزہ لو گے۔ دوارکا وہاں سے زیادہ
دور نہیں ہے۔ میں اس مشن میں بھی تمہارے ساتھ ہوں گا۔ مگر میں پہلے
دوارکا جا کر جائزہ لوں گا کہ ہم بندرگاہ میں کس طریقے سے داخل ہو سکتے ہیں
اور ہمیں جہاز تک پہنچنے کے لئے کیا کچھ کرنا ہو گا۔ کیونکہ اس جہاز کی سیکورٹی کا
بڑا زبردست انتظام کیا گیا ہو گا۔"

میں نے اس سے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں ہمیں جہاز کو تباہ کرنے کے لئے کیا حکمت عملی اختیار
کرنی ہو گی؟"

کریم نے میرے سوال کا جواب دینے کی بجائے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میں جہاز کی بندرگاہ میں آمد سے ایک ہفتہ پہلے دوارکا میں موجود ہوں
گا۔ تم سومنات کے مندر میں ہی پجاری کی حیثیت سے رہو گے۔ میں تمہیں
وہیں آ کر مل لوں گا۔ اگرچہ یہ مرچنٹ نیوی کا مال بردار جہاز ہو گا مگر اس کی آمد
کو انتہائی خفیہ رکھا جائے گا کیونکہ اس جہاز پر فوجی اسلحہ لوڈ ہو گا۔ لیکن مجھے
اپنے ذرائع سے اس جہاز کی آمد کا پتہ چل جائے گا۔ اگر یہ جہاز یورپ یا جنوبی
افریقہ کی کسی بندرگاہ سے آ رہا ہے تو اب تک وہاں سے چل چکا ہو گا۔ اس کی
آمد کی تصدیق ہو جائے گی۔ لیکن ہمیں اپنے پروگرام کے مطابق ہی عمل کرنا

ہو گا۔ تم ایک ہفتہ پہلے سومنات چلے جاؤ گے اور میں دوارکا پہنچ جاؤں گا۔"
میں نے کہا۔
"جہاز کو دو طرح سے تباہ کیا جا سکتا ہے یا تو اس کے پیندے میں میگنٹ ٹائم بم لگا کر اسے ڈبو دیا جائے یا اس کے انجن روم اور اسلحہ خانے میں ٹائم بم رکھ کر اسے اڑا دیا جائے۔"
کریم بھائی نے میری طرف تھوڑا سا مسکرا کر دیکھا اور بولا۔
"ایک بات یاد رکھنا۔ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے انڈین ملٹری انٹیلی جنیس اور ملٹری پولیس اتنی احمق نہیں ہے کہ جہاز کو ہمارے لئے خالی چھوڑ دے اور ہم اپنی من مانی کاروائی کر کے واپس آجائیں اس کمانڈو اپریشن میں ہو سکتا ہے ہمیں اپنی جانوں کا نذرانہ بھی پیش کرنا پڑ جائے"
میں نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔
"خدا کی قسم اگر میں اپنی جان قربان کر کے اس جہاز کو تباہ کر سکتا ہوں تو میں ایک بار تو کیا اسلام اور کشمیری مسلمانوں کے لئے ہزار بار اپنی جان قربان کر سکتا ہوں۔"
کریم بھائی نے مجھے اپنے گلے لگا لیا۔

سومنات کی گناہ آلود دیوداسی

جب ہم نے ساری بات کر لی تو کریم کہنے لگا۔
"میں پہلے جاؤں گا۔ تم میرے جانے کے پانچ منٹ بعد یہاں سے نکلنا"
یہ کہہ کر وہ برج کے کھنڈر کی سیڑھیاں چڑھ کر باہر نکل گیا۔ اس کے جانے کے بعد میں بھی باہر نکل آیا۔ دن کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے کنکھیوں سے اردگرد کا جائزہ لیا۔ مجھے بظاہر وہاں کوئی شک شبے والا آدمی دکھائی نہ دیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ میں خفیہ سروس والے کو دھوکہ دینے میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ میں آہستہ آہستہ چلتا لنکر کنکریاں جھیل کی پارک کی طرف آگیا۔ گیٹ کے سامنے کئی خالی ٹیکسیاں کھڑی تھیں۔ میں نے ایک ٹیکسی لی اور اسے سوامی نارائن جی کے مندر چلنے کا کہا۔
دوپہر تک میں سوامی جی کے مندر میں بیٹھا پوجا پاٹھ کرتا رہا مالا پھیرتا رہا اور ماحول کا جائزہ بھی لیتا رہا۔ میں نے دوپہر کا بھوجن بھی مندر کے اندر ہی کیا۔ دوپہر کے بعد کوئی تین بجے میں ٹیکسی لے کر مسٹر پانڈے کے بنگلے پر واپس آگیا۔ میناکشی ڈانس سنٹر گئی ہوئی تھی۔ ملازمہ بائی جی نے مجھ سے کھانا لانے کے لئے پوچھا تو میں نے اسے کہا کہ میں بھوجن مندر ہی میں کر آیا تھا۔
میں اوپر اپنے کمرے میں آگیا۔ سب سے پہلے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا۔ نیچے والے ڈرائنگ روم سے بائی جی کے جھاڑ پونجھ کرنے اور کسی وقت کوئی فلمی

گانا گنگنانے کی ہلکی سی آواز آجاتی تھی۔ میرا خفیہ مائیکرو فون اپنی جگہ پر لگا ہوا تھا۔ اس کے بعد میں نے کمرے میں جہاں اپنا سگریٹ لائیٹر والا ریڈیو ٹرانسمیٹر چھپا کر رکھا ہوا تھا اسے نکال کر دیکھا۔ وہ بھی اپنی جگہ پر موجود تھا۔ میرے بریف کیس میں کرنسی نوٹ بھی ویسے ہی رکھے ہوئے تھے۔ اب مجھے ان چیزوں کے بارے میں اتنا بے فکر نہیں ہونا چاہئے تھا۔ حالات کا تقاضا تھا کہ میں ان خفیہ چیزوں کو جو مجھے پکڑوا سکتی تھیں یہاں سے نکال کر کسی دوسری جگہ چھپا دوں۔ سب سے پہلے تو میں نے کمرے کی خفیہ جگہ سے سگریٹ لائیٹر والا ریڈیو ٹرانسمیٹر نکال کر واسکٹ کی جیب میں رکھ لیا۔ پھر میں ٹیلی فون میں لگایا ہوا مائیکرو فون نکالنے نیچے آگیا۔ نیچے بائی جی ابھی تک جھاڑ پونچھ میں مصروف تھی۔ میں نے اسے کہا۔

"میرا فون کچھ خراب ہو گیا ہے۔ یہاں سے فون کر کے دیکھتا ہوں"

وہ مسکرانے لگی اور اپنے کام میں مشغول ہو گئی۔ میں نے یونہی ریسیور اٹھا کر فرضی نمبر گھمانے لگا۔ میں اس انتظار میں تھا کہ بائی جی کمرے سے باہر جائے تو اپنا کام شروع کروں۔ فی الحال مجھے اس خفیہ مائیکرو فون کو لگانے کی ضرورت بھی نہیں تھی۔ اگلے اہم ٹارگٹ کی خبر مسٹر پانڈے نے اپنی مجبوری کے تحت خود مجھے دے دی تھی۔ یہ مائیکرو فون میں بعد میں بھی فٹ کر سکتا تھا۔ بائی جی باہر جانے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ میں نے اسے کہا۔

"مجھے ایک گلاس پانی لا دو۔ فریج میں سے نہیں باہر نلکے کا تازہ پانی لانا"

"اچھا گورو جی"

وہ جھاڑن وہیں میز پر چھوڑ کر ساڑھی کا پلو کمر کے گرد باندھتی ہوئی ڈرائینگ روم سے نکل گئی۔ اس کے جاتے ہی میں نے ٹیلی فون کے نچلے حصے کو کھول کر اندر چمٹا ہوا مائیکرو فون نکال کر جیب میں رکھا اور جلدی جلدی ٹیلی فون کو جوڑ کر میز پر رکھ دیا۔ بائی جی میرے لئے پانی لے کر آئی تو میں اپنا کام کر چکا تھا۔

پانی پی کر میں اوپر اپنے کمرے میں آگیا۔ بریف کیس میں جو کرنسی نوٹ پڑے تھے

ان کی مجھے اتنی فکر نہیں تھی۔ پھر بھی میں نے فیصلہ کیا کہ یہ ساری رقم مجھے مینا کشی کے پاس رکھوا دینی چاہئے۔ اس کے پاس خواہ کتنی بھی رقم ہو گی کوئی شک نہیں کرے گا۔ میں پلنگ پر لیٹ کر انگریزی کا اخبار پڑھنے لگا۔ مگر ذہن بار بار دوار کا مشن کی طرف چلا جاتا تھا۔ میں نے دوار کا کی جیٹی پر آنے والے اسلحہ کے جہاز کا نام دوار کا مشن رکھ لیا تھا۔ میں نے سومنات کا مندر بھی ابھی تک نہیں دیکھا تھا اور دوار کا شہر بھی کبھی نہیں گیا تھا۔ یہ دونوں جگہیں میرے لئے اجنبی تھیں۔ سومنات کے مندر کی طرف سے تو میں بے فکر تھا۔ مگر دوار کا کی بندر گاہ پر لگنے والے جہاز کو اڑانے کی ابھی تک کوئی ترکیب پوری طرح میرے ذہن میں نہیں آئی تھی۔ کریم بھائی کے آدمی دوار کا میں بھی تھے۔ مگر وہ زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتے تھے کہ ہمیں جہاز کی آمد اور بندر گاہ پر لگنے کی اطلاع کر دیں۔ لیکن میں دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اگر مسٹر پانڈے کی اطلاع درست ہے اور کشمیری مسلمانوں پر آتش و آہن برسانے والا اسلحہ لے کر ایک جہاز اگلے ماہ کے پہلے ہفتے واقعی داور کا کے ساحل پر لگنے والا ہے تو چاہے مجھے اپنی جان دینی پڑ جائے میں اس جہاز کو تباہ کر کے چھوڑوں گا۔ یہ میرا جذباتی فیصلہ تھا۔ مگر ایک بات میں آپ کو بتا دوں کہ کسی بھی کمانڈو ایکشن میں اگر آپ کے جذبات، آپ کا جذبہ شامل نہیں ہے تو آپ اس اپریشن میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جذبہ بہت بڑی طاقت ہے۔ اور دل میں اسلام کا جذبہ ہو۔ اللہ اور اس کے رسولؐ پاک سے محبت کا جذبہ ہو۔ اپنے دین اسلام کا فرض پورا کرنے کا جذبہ ہو۔ صرف اللہ اور اللہ کے لئے عمل کرنے کا جذبہ ہو تو میں آپ کو سچ بتاتا ہوں کہ پھر دنیا کی کوئی طاقت آپ کو اپنے مشن میں کامیاب ہونے سے نہیں روک سکتی۔ اسلام کے ابتدائی عہد میں یہی وہ جذبہ مسلمان مجاہدوں کے سینوں میں موجزن تھا کہ اسلام دیکھتے دیکھتے ساری دنیا پر چھا گیا اور اسلامی لشکر نے قیصر و کسریٰ اور روم جیسی زبردست سلطنتوں کے پرخچے اڑا دیئے۔

میرے دل میں بھی پورا نہ سہی مگر تھوڑا بہت یہی جذبہ موجزن تھا۔ میں اسی جذبے کو لے کر اپنے طور پر مسلمانوں کے خلاف برسرپیکار کافروں سے جنگ کرنے سرحد پار کر

کے ہندوستان میں داخل ہو گیا تھا۔ کیونکہ قرآن پاک میں باری تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمہارے ہمسائے میں اگر مسلمانوں پر کفار ظلم و ستم کر رہے ہوں تو تم پر ان کی مدد کرنا اور جہاد کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ میرے سینے میں اللہ پاک کا یہ ارشاد تھا اور میرے سامنے کفار کے لشکر تھے۔ قدم قدم پر میری جان کو خطرہ تھا۔ کسی بھی وقت کسی بھی جگہ میں گرفتار ہو سکتا تھا اور مجھ پر اذیت ناک تشدد کا سلسلہ شروع ہو سکتا تھا۔ میں ہندوستان میں اپنے کسی لالچ کے لئے نہیں آیا تھا۔ میں یہاں انڈین فلمیں دیکھنے اور ناگ پوری سنترے اور ہری چھال کے کیلے کھانے اور کوئی کاروبار کرنے یا سمگلنگ کرنے نہیں آیا تھا۔ میں تو صرف اس لئے آیا تھا کہ مظلوم کشمیریوں پر بھارتی فوج جو ظلم کے پہاڑ توڑ رہی ہے اس کا ڈٹ کر مقابلہ کروں اور اس کے خلاف جہاد میں شریک ہو جاؤں اور ہندوستان میں مقیم ان مسلمانوں کا دکھ درد بھی بانٹ سکوں جنہوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ دلی، لکھنؤ، آگرہ، جھانسی، گوالیار، بھوپال، بہار، جے پور، بریلی، میرٹھ، نگینہ، کان پور، احمد آباد اور نہ جانے کن کن شہروں میں مسلم لیگ کے جلسے جلوسوں میں پاکستان زندہ باد قائد اعظم زندہ باد لے کر رہیں گے پاکستان کے نعرے لگائے۔ مشرقی پنجاب کے مسلمانوں کی طرح اپنے گھروں کو نذر آتش ہوتے اور اپنے بچوں کو شہید ہوتے دیکھا۔ لیکن جب پاکستان بن گیا تو پاکستان کو ہمارے حوالے کر کے انہوں نے اپنا آپ دشمنوں کے حوالے کر دیا۔ اب ہندوؤں نے ہندوستان میں صدیوں سے مقیم مسلمانوں کو اپنا غلام، اپنا یرغمالی بنا کر رکھا ہوا ہے۔ شاہ محدث دہلویؒ سے لے کر مولانا اشرف علی تھانوی تک اور امیر خسروؒ سے لے کر میر و غالب تک ان کے صدیوں پرانے انمول دینی، علمی و ادبی ورثے کو مسخ کر کے ہندو کی حکومت وہاں کے مسلمانوں پر چانکیہ برہمن ازم اور دیوی دیوتاؤں کی پوجا ان پر مسلط کر رہی ہے۔ وہاں کے مسلمانوں کو پاکستان کے حق میں نعرے لگانے کی یہ سزا دی جا رہی ہے کہ ان کی آنے والی نسلوں کو شدھی کر کے انہیں ہندو بنایا جا رہا ہے۔ ہندو لیڈر صاف صاف اعلان کر رہے ہیں کہ ہندوستان میں اگر مسلمان زندہ رہنا چاہتے ہیں تو انہیں صرف اور صرف ہندو بن کر رہنا ہوگا۔ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں میں سے جو کچھ

خاندان پاکستان میں آ کر آباد ہو گئے ہیں ان کے آدھے سے زیادہ رشتے دار آج بھی ہندوستان میں ہندوؤں کی غلامی میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ میں ہندوستان میں رہنے والے اور پاکستان سے محبت کرنے والے، تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر پاکستان کا ساتھ دینے والے ہندوستان میں کروڑوں کی تعداد میں مقیم ان بہادر مسلمانوں کو سلام محبت پیش کرنا چاہتا تھا اور انہیں بتانا چاہتا تھا کہ مسلمان دنیا کے جس کونے میں بھی رہ رہا ہو وہ اسلام کے مقدس اور کبھی نہ ٹوٹنے والے رشتے میں پرویا ہوا ہوتا ہے۔ میں انہیں بتانا چاہتا تھا کہ پاکستان کے مسلمان ان کے دکھ درد سے آگاہ ہیں اور پاکستان کے مسلمانوں نے ان کی قربانیوں کو فراموش نہیں کیا اور پاکستان کے مسلمان ان سے محبت کرتے ہیں۔ بس میں یہی مقاصد لے کر پاکستان میں آزادی، سکون اور پر مسرت زندگی چھوڑ کر ہندوستان میں آیا تھا۔ میں ہندوستان کے تمام شہروں میں رہنے والے اپنے تمام مسلمان بھائی بہنوں کے ساتھ مل کر ہندوؤں کے ظلم و ستم کا مقابلہ کرنا چاہتا تھا اور ان کی آزادی، حق خود ارادی اور اسلام کی سربلندی کی خاطر اپنی جان تک قربان کر دینا چاہتا تھا۔

یہی میرا کمانڈو مشن تھا

میں اخبار پرے پھینک کر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ میرا دل اس وقت اسلام، پاکستان اور اپنے مسلمان بہن بھائیوں کی محبت میں شعلے کی طرح گرم ہو کر روشن ہو گیا تھا۔ میں اس گرمی اور روشنی کو اپنے جسم کے ذرے ذرے سے شعاعوں کی مانند پھوٹتے اور اپنے ارد گرد روشنی اور گرمی کا ہالہ بناتے دیکھ رہا تھا۔ عین اس وقت ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ایک لمحے کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ اللہ، اس کے رسولؐ پاک، اسلام اور پاکستان سے محبت کی جس روشنی نے مجھے اپنی آغوش میں لے رکھا تھا میں اس ہالے سے باہر نہیں نکلنا چاہتا تھا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بار بار بج رہی تھی۔

میں نے آنکھیں کھول دیں اور ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے مینا کشی بول رہی تھی۔ کہنے لگی۔

"گورو جی معاف کر دیں۔ آپ آرام کر رہے تھے میں نے آپ کو بڑی تکلیف دی"

میں نے انگلیوں سے اپنی آنکھوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں نہیں۔ کوئی تکلیف نہیں دی تم نے۔"

کہنے لگی۔

"میں ابھی ابھی آئی ہوں۔ بائی جی نے بتایا کہ بھوجن آپ نے مندر میں ہی کر لیا تھا۔"

میں نے کہا۔

"ہاں۔ مندر میں مجھے دیر تک رہنا تھا اس لئے بھوجن مہنت جی کے ساتھ ہی بیٹھ کر کہا"

میناکشی نے کچھ جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"کیا میں اوپر آجاؤں؟ آپ سے ایک ضروری بات کرنی ہے"

میں نے کہا۔

"ہاں۔ آجاؤ"

مجھے خود میناکشی سے کام تھا۔ میں اپنی بریف کیس والی رقم اس کے پاس رکھوانا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر میں میناکشی اوپر آگئی۔ اس نے چوڑی دار پاجامہ اور پشواز پہن رکھی تھی۔ کہنے لگی۔

"آج مہاراج نے کتھک ڈانس کی ریہرسل کروانی تھی"

پھر وہ میرے سامنے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ کچھ پریشان ہے۔ میں نے اس سے کہا کہ کیا بات ہے تم کچھ پریشان لگ رہی ہو وہ ٹھنڈا سانس بھر کر بولی۔

"گورو جی! مجھے ڈیڈی کی بڑی فکر لگ گئی ہے۔ وہ پہلے ہی شوگر کے مریض ہیں اوپر سے جو ٹرین کا حادثہ ہوا ہے وہ ان کی انکوائری شروع ہو گئی ہے اس کی وجہ سے وہ بے حد نڈھال نڈھال سے دکھائی دیتے ہیں۔"

میں نے دل میں کہا کہ ابھی آگے آگے دیکھنا ابھی تو کچھ بھی نہیں ہوا۔ میں نے اوپر سے بڑی ہمدردی کے ساتھ کہا۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ انہیں کہہ دو کوئی ان کا بال بھی بیکا نہیں کر سکے گا۔"

میناکشی کہنے لگی۔

"صبح جب آپ کو مندر میں چھوڑ کر گھر واپس آئی تھی تو ڈیڈی آفس سے اچانک گھر آگئے۔ ان کے ساتھ نیشنل سیکورٹی کے کچھ لوگ بھی تھے۔ وہ دیر تک کمرے میں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو میں نے دیکھا ڈیڈی کا رنگ پیلا ہو گیا ہوا تھا۔ میرے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ یہ نیشنل سیکورٹی کے آفیسر تھے"

میں نے میناکشی سے پوچھا۔

"وہ لوگ کیا کہنے آئے تھے؟"

وہ بولی۔

"ڈیڈی نے مجھے بتایا کہ وہ یہی پوچھ رہے تھے کہ انہوں نے ملٹری ٹرین کی روانگی کے متعلق کس کس سے بات کی تھی۔ ڈیڈی نے انہیں کہا کہ میں نے کسی سے کوئی بات نہیں کی تھی۔ میں ایک ذمے دار ادارے کا ذمے دار افسر ہوں۔ میں کبھی کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتا جس سے ملک کی نیشنل سیکورٹی کے لئے خطرہ پیدا ہو۔"

وہ خاموش ہو گئی۔ میں نے کہا۔

"انہوں نے کچھ اور بھی پوچھا تھا تمہارے ڈیڈی سے؟"

میناکشی نے ذرا جھجکتے ہوئے کہا۔

"ہاں گرو جی! انہوں نے ڈیڈی سے پوچھا تھا کہ آپ کے بنگلے میں جو مہمان سوامی جی آکر ٹھہرے ہوئے ہیں ان کا آپ سے کیا سمبندھ ہے۔"

میں نے میناکشی کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"تمہارے ڈیڈی نے اس کے جواب میں کیا کہا؟"

"ڈیڈی نے کہا کہ وہ میرے گوروجی ہیں۔ بھگوان مہاویر جی کے بھگت ہیں۔ یہاں مہاویر جی کے بڑے مندر کی یاترا کو آئے ہوئے ہیں۔"

جس بات کا مجھے خدشہ تھا وہی بات شروع ہو گئی تھی۔ اب میرے لئے وہاں رہنا کسی بہت بڑے خطرے کا باعث بن سکتا تھا۔ لیکن میں ابھی وہاں سے جانا نہیں چاہتا تھا۔ سب سے بڑا خطرہ صرف ایک ہی بات کا تھا۔ میں نے اپنے آپ کو ہندو ظاہر کیا ہوا تھا۔ میرا یہ راز صرف میرا پاجامہ اتروانے سے طشت از بام ہو سکتا تھا۔ کیونکہ میں مسلمان تھا اور میرا ختنہ ہو چکا تھا۔ یہ ایک ایسی کمزوری تھی کہ جس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں تھا۔ میں اسے کسی صورت میں بھی نہیں چھپا سکتا تھا۔ میری یہ کمزوری میرے سارے کئے کرائے پر ایک سیکنڈ میں پانی پھیر سکتی تھی۔ اس کمزروی پر میرا کوئی اختیار نہیں تھا۔

بہر حال میں نے ہر قسم کی صورت حال سے نمٹنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیا تھا۔ میں نے میناکشی سے کہا۔

"میناکشی! اگر میری وجہ سے نیشنل سیکورٹی والے تمہارے ڈیڈی کو پریشان کر رہے ہیں تو میں آج سے یہاں سے چلا جاتا ہوں۔ میرا کیا ہے۔ میں تو سادھو سنت ہوں۔ مہاویر جی کا بھگت ہوں۔ جتنے دن یہاں کی یاترا کرنی ہے میں سوامی جی کے مندر میں جا کر ڈیرا لگا لوں گا"

میناکشی ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"بھگوان کے لئے ایسا نہ سوچیں گوروجی! ایسی بات بالکل نہیں ہے۔ ڈیڈی نے ان لوگوں کو بالکل مطمئن کر دیا تھا اور وہ بھی اس معاملے میں بالکل مطمئن ہو کر یہاں سے گئے ہیں۔ بلکہ ڈیڈی نے بتایا تھا کہ ایک سیکورٹی آفیسر نے تو یہ بھی کہا تھا کہ سوامی جی بڑے بھلے آدمی ہیں۔ ہمیں ان پر کسی قسم کا شک ہو ہی نہیں سکتا۔ ہم تو ویسے روٹین میں ان کے بارے میں پوچھ رہے

تھے"

میں سب جانتا تھا کہ اب میں نیشنل سیکورٹی اور احمد آباد کی سیکریٹ سروس والوں کی باقاعدہ نظر میں آگیا ہوں۔ اور اب میری کڑی نگرانی شروع ہو جائے گی بلکہ ہو گئی ہوگی۔ سیکورٹی آفیسر نے جان بوجھ کر میناکشی کے ڈیڈی مسٹر پانڈے سے یہ بات کہی تھی کہ ہمیں گوروجی پر کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہے۔ تاکہ اگر یہ بات مجھ تک پہنچے تو میں اپنی طرف سے مطمئن ہو جاؤں۔ لیکن میں بھی کچی گولیاں نہیں کھیلا ہوا تھا۔ میں ایک تربیت یافتہ کمانڈو ہی نہیں ایک ٹرینڈ سپاہی بھی تھا جس کو اس قسم کے اسرار و رموز پوری طرح سمجھا دیئے گئے تھے۔ میں نے میناکشی سے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو میں اور کچھ روز ٹھہر جاتا ہوں۔ میں تو تمہارے کہنے پر یہاں آگیا تھا ورنہ مجھے تو رینالینی دیوی اپنے ڈانس سنٹر سے نہیں آنے دے رہی تھی۔"

میناکشی نے میری ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے بولی۔

"کیوں نہیں گوروجی! آپ کے تو سب داس ہیں۔ آپ تو جس گھر میں جائیں گے ان کی قسمت کھل جائے گی"

میں اٹھ کر الماری میں سے اپنا بریف کیس لے آیا۔ بریف کیس میں سے کرنسی نوٹوں کی گڈیاں نکال کر میناکشی کے آگے کافی ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کچھ روپے ہیں۔ انہیں اپنے پاس رکھ لو یہاں تمہارے گھر آنے سے پہلے ایک شردھالوں نے مجھے دیئے تھے۔ اس وقت سے بریف کیس میں ہی پڑے ہیں۔ میرے تو یہ کسی کام کے نہیں ہیں اگر تمہیں کبھی ضرورت پڑے تو ان میں سے خرچ کر لینا۔ نہیں تو ویسے ہی اپنے پاس رہنے دینا"

میناکشی بولی۔

"گوروجی! یہ آپ کی امانت میرے پاس اسی طرح پڑی رہے گی"

اس نے کرنسی نوٹوں کی پتلی پتلی تینوں گڈیاں اٹھا کر اپنی چنری کے پلو میں لپیٹ

لیں۔ میں نے اپنے دوار کا ٹارگٹ پر روانہ ہونے والے مشن کی پیش بندی کرتے ہوئے مینا کشی سے کہا۔

"دو چار دنوں تک ہو سکتا ہے مجھے درگا میا کی یاترا اور درشنوں کے لئے کلکتہ جانا پڑ جائے۔ لیکن میں وہاں زیادہ دن نہیں رہوں گا۔"

مینا کشی نے بڑے اشتیاق سے کہا۔

"گوروجی! میں بھی آپ کے ساتھ چلوں؟ مجھے درگاہ ماتا کے درشنوں کا بڑا شوق ہے"

میں نے کہا۔

"نہیں مینا کشی مجھے درگاہ میا کے دربار میں اکیلے ہی حاضری دینی ہوگی۔"

پھر بڑے ڈرامائی انداز میں میں نے فکرمند ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

"بات اصل میں یہ ہے کہ رات بھگوان شیوجی میرے سپنے میں آئے تھے۔"

"اچھا دھن بھاگ آپ کے۔ کیا کہہ رہے تھے بھگوان شوجی؟"

مینا کشی کا چہرہ فرط شوق سے کھل اٹھا میں نے کہا۔

"میں نے کل رات ان کی خاص پرارتھنا کی تھی اور ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں ان سے تمہارے ڈیڈی کی بپتا کا کوئی علاج پوچھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ کل رات شوبھگوان نے میرے سپنے میں آکر مجھے حکم دیا کہ میں کلکتے درگا دیوی کے بڑے مندر میں جاکر ایک ہفتہ چلہ کروں۔ اس کے بعد پانڈے جی کے سارے کشٹ دور ہو جائیں گے۔"

مینا کشی کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"گوروجی! آپ سچ مچ مہان ہیں۔ آپ بہت گریٹ ہیں۔ آپ شوبھگوان کے بھی اوتار ہیں آپ کی جے ہو۔ پلیز درگاہ میا کا چلہ کاٹنے کلکتے ضرور جائیں۔ مجھے یقین ہے آپ کے چلہ کاٹنے سے ڈیڈی کی ساری بپتا دور ہو

جائے گی۔"

رات کے کھانے پر مسٹر پانڈے کو جب میں نے بتایا کہ صرف اس کی خاطر درگا ماتا ی بڑے مندر میں پرارتھنا کرنے کلکتے جا رہا ہوں تو وہ میرے آگے بچھ گیا۔ مینا کشی بھی ں موجود تھی۔ میں نے دوار کا مشن کے لئے زمین ہموار کر لی تھی۔ اب اس کی راز ری کی ضرورت تھی۔ میں خفیہ سروس والوں کو غلط راستے میں ڈالنا چاہتا تا۔ چنانچہ میں ے مسٹر پانڈے اور مینا کشی دونوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"شوجی بھگوان نے مجھے خاص طور پر ہدایت کی ہے کہ میں اپنی اس یاترا کو لوگوں سے پوشیدہ رکھوں اس لئے میں تم دونوں کو ہدایت کرتا ہوں کہ میرے درگاہ ماتا کی یاترا پر کلکتے جانے کے بار ے میں کسی سے ذکر نہ کیا جائے۔ اگر آپ لوگوں میں سے کسی نے یہ بات ظاہر کر دی تو نہ صرف میری یاترا ناکام ہو جائے گی بلکہ گوکل داس تمہارا کام بھی نہیں ہوگا"

دونوں نے ہاتھ جوڑ دیئے۔ انہوں نے مجھے یقین دلایا کہ وہ میرے کلکتے جانے کے رے میں کسی کو نہ بتائیں گے۔ مسٹر پانڈے کہنے لگا۔

"گورودیو! مجھے کسی کو بتانے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اپنے پیروں پر آپ کلہاڑی کیسے چلا سکتا ہوں"

میں نے خفیہ پولیس کو غلط راہ پر ڈالنے کے لئے اسے کہا۔

"ہاں اگر کوئی پوچھے کہ گوروجی بنگلے میں نظر نہیں آتے۔ کیا کہیں چلے گئے ہیں تو اسے یہی کہنا کہ گوروجی نندی کنڈ کے مندر کی یاترا کرنے بیکانیر گئے ہیں۔"

مجھے معلوم تھا کہ نیشنل سیکورٹی والے کسی نہ کسی کو بھیج کر مسٹر پانڈے سے میرے رے میں ضرور معلوم کریں گے کہ میں اچانک کہاں غائب ہو گیا ہوں۔ کیونکہ ایک بات ی تصدیق ہو گئی تھی کہ احمد آباد کی سیکریٹ پولیس کو مجھ پر شک پڑ چکا ہے اور اس نے یری نگرانی سخت کر دی ہے۔ مسٹر پانڈے نے کہا۔

"گورو جی! آپ جس طرح کہیں گے میں ویسے ہی کروں گا۔"

اس وقت بھی سگریٹ لائیٹر والا ریڈیو ٹرانسمیٹر میری واسکٹ کی جیب میں تھا۔ گویا اپنے غیر ملکی جاسوس ہونے کا بہت بڑا ثبوت میں وہاں اپنی جیب میں لئے بیٹھا تھا۔

رات بستر پر لیٹا میں ھوائی مخلوق چندریکا کا یونہی انتظار کرتا رہا۔ میرا خیال تھا کہ میں ایک نئے مشن کی تیاریاں کر رہا ہوں ہو سکتا ہے وہ مجھ سے ملنے آجائے۔ مگر وہ نہ آئی۔ جب سے میں نے انڈین فوج کی ایمونیشن کی ٹرین اڑائی تھی تب سے چندریکا غیر حاضر تھی۔ اس واقعے کے بعد وہ ابھی تک مجھ سے ملنے نہیں آئی تھی۔ مجھے اس سے ملنے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ میں تو ویسے بھی اسے ایک ہندو عورت کی بدروح ہی سمجھتا تھا۔ وہ چاہے مجھے لاکھ اپنے پہلے جنم کا پتی جا خاوند سمجھے۔ اس نے مجھے دو ایک زبردست فائدے ضرور پہنچائے تھے اور اس کے لئے میں چندریکا کا شکر گزار تھا۔ اس کے میرے پاس نہ آنے کی وجہ یہی ہو سکتی تھی کہ میں نے ایمونیشن کی گاڑی اڑا کر اس کی جنم بھومی پر حکومت کرنے والی ہندو حکومت کے مفادات کو اور اس کی فوج کی ساکھ کو شدید نقصان پہنچایا تھا۔ جس کے متعلق چندریکا کھلے لفظوں میں واضح کر چکی تھی کہ بھارت کے خلاف میرے کسی بھی مشن کو سخت ناپسند کرتی ہے مجھے اس کی پسند ناپسند کی ظاہر ہے کوئی پروا نہیں تھی۔ یہ بڑی خوش قسمتی کی بات تھی کہ یہ بدروح مجھے اپنا خاوند سمجھ بیٹھی تھی اور اگلے جنم میں مجھ سے ہمیشہ کے ملاپ کی توقع رکھتی تھی۔

ایک دن بعد میری ماسٹر سپائی کریم بھائی سے ملاقات ہوئی تو اس نے بتایا کہ اس بات کی تصدیق ہو گئی ہے کہ مرچنٹ نیوی کا ایک بہت بڑا مال بردار جہاز بھارت کے لئے اسلحہ لے کر آرہا ہے اور نہر سویز کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس جہاز پر کافی تعداد میں توپیں' توپوں کے سپئیر پارٹس اور کوبرا ہیلی کاپٹر لدے ہوئے ہیں۔ میں نے کریم بھائی سے کہا۔

"ہمیں اپنے مشن پر روانہ ہو جانا چاہیئے"

وہ بولا۔

"تم کل صبح سومنات کے مندر کی طرف روانہ ہو جاؤ۔ میں دوارکا جب تا

ہوں۔ تازہ اطلاع کے مطابق جہاز تین چار یا زیادہ سے زیادہ پانچویں دن دوارکا کی بندرگاہ میں داخل ہو جائے گا۔ کیونکہ بڑے مال بردار جہاز کی رفتار اتنی زیادہ نہیں ہوتی۔ میں تمہیں سومنات کے بڑے مندر میں ہی ملوں گا۔ تم میری تلاش میں ادھر ادھر نہ پھرنا۔ میں خود تمہیں تلاش کر لوں گا۔ سومنات کا مندر میں نے تمہارے لئے اس واسطے منتخب کیا ہے کہ ایک تو یہ تاریخی مندر دوارکا کی بندگاہ سے چند میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ دوسرے وہاں تم ایک سادھو کے بھیس میں زیادہ محفوظ ہو گے۔ میں دوارکا میں جہاز لگنے کے بعد سارے حالات معلوم کر کے تم سے آن ملوں گا اور اس کے بعد ہی جہاز کو تباہ کرنے کی کوئی سکیم تیار کی جا سکے گی"

ہماری ملاقات ایک خفیہ جگہ پر ہوئی تھی۔ جب شام ہو گئی تو ہم ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ بنگلے پر آنے کے بعد میں نے میناکشی اور اس کے باپ کو بتا دیا کہ میں کل درگا ماتا کی یاترا کو کلکتے جا رہا ہوں۔ دونوں بڑے خوش ہوئے۔ میناکشی کا ڈیڈی تو بہت ہی خوش تھا۔ وہ میری کراماتیں دیکھ چکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ اس کے خلاف اندرا گاندھی کے سیکرٹریٹ میں جو اعلیٰ سطح کی خفیہ انکوائری شروع ہو چکی ہے وہ میری اس یاترا سے ختم ہو جائے گی۔ رات کو میں نے میناکشی سے کہا۔

"مجھے درگاہ ماتا کے بھگت کے روپ میں اس کی یاترا کو جانا ہو گا۔ تم ایسا کرو کہ میرے لئے گیروے رنگ کی ایک چادر اور کالے منکوں والی دو تین مالائیں بازار سے خرید کر لے آؤ۔ درگا ماتا کو کالے رنگ کی مالا بہت پسند ہے۔ اور کسی کو ہرگز نہ بتانا کہ تم یہ چیزیں میرے لئے خرید رہی ہو"

میناکشی نے کہا۔

"آپ بالکل بے فکر رہیں گوروجی! میں ایسی غلطی کبھی نہیں کر سکتی"

وہ گاڑی لے کر بازار کی طرف چل دی۔ احمد آباد کا لا بازار ہمارے لاہور کی انار کلی اور کراچی کی کلفٹن سٹریٹ کی طرح ہے۔ وہاں ہر قسم کی چیزیں مل جاتی ہیں اور گیروے

رنگ کا کپڑا تو تھانوں کے حساب سے پڑا رہتا ہے۔ کیونکہ یہ کلر ہندو سادھو سنتوں اور دروانوں کا مذہبی کلر ہے۔ مینا کشی کی عدم موجودگی میں' میں نے سگریٹ لائیٹر والے ریڈیو ٹرانسمیٹر کو خفیہ جگہ پر چھپا دیا۔ یہ خفیہ جگہ اب میں آپ کو بھی بتائے دیتا ہوں۔ مینا کشی کے کمرے میں آدمی کا وزن کرنے والی چھوٹی سی مشین پڑی رہتی تھی۔ میں نے وہ اپنے کمرے میں منگوا کر رکھ لی تھی۔ میں اس کے اندر ریڈیو ٹرانسمیٹر چھپا دیا کرتا تھا۔ یہ میرے حساب سے اس بنگلے میں سب سے محفوظ جگہ تھی۔ سومنات روانہ ہونے سے پہلے بھی میں نے ریڈیو ٹرانسمیٹر وزن کرنے والی مشین کو نیچے سے کھول کر اس کے اندر چھپا کر رکھ دیا۔ میرے پیچھے اگر کوئی گھر کی تلاشی بھی لیتا تو وزن کرنے والی مشین کی طرف کسی کا دھیان نہیں جا سکتا تھا۔

میرے سر کے بال بڑھ کر گردن تک آگئے ہوئے تھے۔ ڈاڑھی بھی بڑھ گئی تھی۔ مگر اتنی زیادہ نہیں بڑھی تھی۔ بس اس نے میرا آدھا چہرہ شہد کی مکھیوں کے چھتے کی طرح ڈھانپ دیا تھا۔ مونچھیں میں تھوڑی تھوڑی کتروا دیا کرتا تھا۔ گیروے رنگ کا کھدر کا کپڑا میں نے لفافے میں ڈال کر رکھ لیا۔ مینا کشی سے میں نے اپنے پیسوں میں سے دو ہزار روپے کی رقم لے کر پاس رکھ لی۔ یہ رقم میں نے ایک رومال میں ڈال کر اپنی کمر کے گرد باندھ لی تھی۔ اس کی مجھے کہیں بھی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ اب صرف بنگلے کے باہر بیٹھی ہوئی خفیہ پولیس کی نگاہوں سے بچ کر نکلنے کا مسئلہ تھا۔ اس مسئلے کا میرے پاس ایک ہی حل تھا کہ میں مینا کشی کی گاڑی میں بیٹھ کر سٹیشن پر یا بس سٹینڈ پر جانے کی بجائے سوامی جی کے مندر چلا جاؤں اور میں نے یہی کیا۔

صبح صبح میں اور مینا کشی بنگلے سے نکل گئے۔ میں سفید کھدر پاجامے اور واسکٹ میں تھا۔ سادھو کا بھیس میں نارائن جی کے مندر میں جا کر بدلنا چاہتا تھا۔ مینا کشی کو میں نے بتا دیا تھا کہ پہلے سوامی نارائن جی کے مندر میں بھگوان مہاویر کے درشن کروں گا۔ وہاں سے گیروے کپڑے پہن کر کلکتے درگاہ ماتا کی یاترا کو نکل جاؤں گا۔ اگرچہ ہم منہ اندھیرے بنگلے سے نکلے تھے لیکن مجھے یقین تھا کہ خفیہ پولیس کا کوئی نہ کوئی آدمی میرے تعاقب میں

ضرور نکل پڑا ہو گا۔

مینا کشی مجھے مندر میں چھوڑ کر چلی گئی۔

میں نے وقت ضائع کئے بغیر مندر کے کے ایک غسل خانے میں جا کر اپنے کپڑے اتار کر لفافے میں ڈالے اور گیروے کلر کی بڑی چادر کو دھوتی کی طرح باندھ کر اس کا باقی حصہ جسم کے گرد لپیٹ لیا۔ گلے میں کالے منکوں والی مالائیں ڈال لیں۔ ماتھے پر کالی ماتا کا سرخ تلک لگایا کلائی میں منگل سوتر پہلے ہی سے بندھا ہوا تھا۔ جب میں غسل خانے سے باہر نکلا تو پورا سادھو بنا ہوا تھا۔ مجھے شبہ تھا کہ خفیہ پولیس کا وہ آدمی جو میرے پیچھے پیچھے مندر میں آیا ہے ضرور مندر کے عقبی گیٹ پر ہو گا۔ یہ بھی ممکن تھا کہ خفیہ پولیس کے دو آدمی ہوں۔ ایک مندر کے بڑے گیٹ پر اور دوسرا مندر کے عقبی گیٹ پر موجود ہو۔ یہاں سے ان کی آنکھوں میں دھول جھونک کر نکلنا بڑا ضروری تھا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ ان لوگوں کو میرے سومنات جانے کی خبر ہو۔

میں مناسب موقع کا انتظار کرنے لگا۔

میں مندر کے بڑے کمرے میں ایک ستون کے پاس بیٹھا مالا کا جاپ کر رہا تھا کہ جوگی سادھوؤں کا ایک جلوس کھڑتالیں بجاتا بھجن گاتا مندر کے ہال کمرے میں داخل ہوا۔ یہاں آکر انہوں نے مہاویر کی بڑی مورتی کے آگے آرتی اتاری اور مہاویر کی بھگتی کے بھجن گانے شروع کر دیئے۔ کوئی ایک گھنٹہ تک یہ سادھو سنت یہی کچھ کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ رقص کرتے گاتے بجاتے کمرے سے باہر چلے تو میں بھی ان کے جلوس میں شامل ہو گیا۔ یہ جلوس مندر کے صحن میں بنی ہوئی دوسرے اوتاروں کی مورتیوں کے آگے رک کر بھجن گاتے اور آگے چل پڑتے۔ آدھا گھنٹہ انہوں نے وہاں لگا دیا۔ اس کے بعد یہ جلوس مندر کے پچھلے دروازے سے باہر نکل گیا۔ میں بھی ان کے درمیان دھمال ڈالتا سر جھکائے رقص کرتا بھجن گاتا ان کے ساتھ ہی مندر سے نکل گیا۔

سادھو سنتوں کا یہ جلوس دو تین بازاروں میں سے گزرتا ہوا جب ایک گلی کے قریب پہنچا تو میں بڑے آرام سے جلوس میں سے نکل کر گلی میں داخل ہو گیا۔ اس گلی میں

سے نکل کر دوسرے بازار میں پہنچ گیا۔ وہاں سے میں نے ایک موٹر رکشا لیا اور لاریوں کے اڈے پر آگیا یہاں سے دوارکا اور سومنات کے مندر کی یاترا کے لئے لاریاں بسیں چلتی تھیں۔ اس وقت تک دن کافی نکل آیا تھا۔ آسمان پر ہلکے بادل چھائے ہوئے تھے۔ ایک لاری اس وقت بالکل تیار تھی۔ یہ سومنات کے آدھے راستے تک کسی قصبے کو جاتی تھی۔ میں اس میں سوار ہو گیا۔ سڑک چھوٹی تھی۔ کہیں ریت آجاتی۔ کہیں دلدلی سا علاقہ شروع ہو جاتا۔ کہیں بھورے رنگ کے ٹیلے شروع ہو جاتے۔ جہاں پہنچ کر اس لاری نے واپس احمد آباد لوٹنا تھا وہاں سے میں نے سومنات جانے والی بس پکڑ لی۔ اس طرح دو جگہوں سے لاریاں بدلنے کے بعد میں دوپہر کے وقت سومنات پہنچ گیا۔

سومنات کا نام آپ نے بھی ضرور سنا ہو گا۔ یہ تاریخی مندر جزیرہ نمائے گجرات کاٹھیاواڑ کے جنوب مغربی ساحل پر واقع ہے۔ اس مندر میں دیوتا سومنات کا ایک بہت بڑا بت ہے۔ مسلمان فاتح سلطان محمود غزنوی نے گیارہویں صدی عیسوی میں اس مندر کے سارے بتوں کو پاش پاش کر دیا تھا۔ سومنات کے بڑے مندر کو اسلامی یلغار سے بچانے کے لئے ہندوستان کے تمام ہندو راجہ اپنی اپنی فوجیں لے کر وہاں پہنچ گئے تھے مگر بت شکن محمود غزنوی کی مختصر سی فوج نے نعرہ تکبیر بلند کر کے ہندوؤں کی بہت بڑی فوج پر حملہ کر دیا اور اسے شکست فاش دی اور سومنات کے مندر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب محمود غزنوی خود گرز ہاتھ میں لے کر سومنات کے بڑے بت کو توڑنے کے لئے آگے بڑھا تو مندر کے مہنت اور برہمن اس کے قدموں میں گر پڑے اور ہاتھ باندھ کر عرض کی کہ ہم سے اس بت کے برابر سونا تول کر لے لیجئے۔ مگر ہمارے بت کو نہ توڑیں۔ یہ ہمارا دیوتا ہے۔ تب محمود غزنوی نے ایک تاریخی جملہ کہا تھا۔ اس نے کہا تھا۔ میں اپنے آپ کو بت فروش نہیں

"بلکہ بت شکن کہلوانا چاہتا ہوں"

اور اس نے گرز کی ایک ہی ضرب کاری سے سومنات کے بت کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے۔ بت شکن محمود غزنوی کی اس ضرب کاری نے ہندوستان میں تبلیغ اسلام کے

لئے راستہ کھول دیا تھا۔

سومنات کا مندر ایک قلعہ نما چار دیواری کے اندر تھا۔ مندر کیا تھا مندروں کا ایک بہت بڑا کمپلیکس تھا۔ چھوٹے چھوٹے کئی مندر بہت بڑے احاطے کے اندر پھیلے ہوئے تھے جن کے سنہری کلس دن کی ابر آلود روشنی میں بھی چمک رہے تھے۔ ان کے درمیان سب سے بڑا مندر تھا جس میں سومنات کا بہت بڑا بت رکھا ہوا تھا۔ یہاں ہندوستان کے کونے کونے سے یاترا کرنے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔ چھوٹے بڑے مندروں سے دن رات بھجن کرتن کرنے کی آواز آتی رہتی تھیں۔ مندر کے احاطے میں گھنے درختوں کے نیچے جٹا دھاری سادھو سادھی لگائے آسن جمائے ہر وقت بیٹھے نظر آتے تھے۔ ہندو عورتیں اور مرد مٹھائیوں اور پھلوں اور پھولوں کے دونے لا کر ان کے چرنوں میں رکھتے تھے۔ مندر کی ایک جانب قیمتی پتھروں کی روش والا ایک شاندار بڑا تالاب تھا جس میں عورتیں مرد اکٹھے اشنان کرتے۔ صرف اتنا کیا گیا تھا کہ ہندو عورتوں کے لئے نہانے کی تھوڑا الگ جگہ بنا دی گئی تھی لیکن من چلے تیرتے ہوئے اشنان کرتی عریاں ہندو عورتوں کے قریب آجاتے۔ ہندو عورتیں انہیں کچھ نہ کہتی تھیں بلکہ اشنان کرنے اور منہ ہی منہ میں اشلوک پڑھنے میں مشغول رہتی تھیں وہاں سومنات کے مندر میں میں نے یہ بھی سنا کہ ہندو عورتوں کا عقیدہ ہے کہ اگر سومنات جی کے پوتر تالاب میں اشنان کرتے ہوئے کوئی مرد اگر کسی ہندو عورت کے عریاں بدن کو اوپر سے نیچے تک بری نظروں سے دیکھ لے تو مرد کو گناہ ملتا ہے لیکن عورت کے سارے پاپ جنم جنم کے لئے جھڑ جاتے ہیں۔ یہ ساری باتیں میرے ذہن میں تھیں جب میں ایک ہندو سادھو اور سومنات جی کے بھگت کے روپ میں مندر میں داخل ہوا۔

میں نے دوسرے یاتریوں کی طرح جاتے ہی پوتر تالاب میں اشنان کیا۔ کمرے کے ساتھ رومال میں بندھے ہوئے نوٹ میں نے بڑی احتیاط سے اپنے سامنے کنارے پر رکھ لئے تھے۔ اشنان کرتے کے بعد سنت جی سے ماتھے پر تلک لگوایا اور ان کی خدمت میں سو روپے کا نذرانہ پیش کیا۔ وہ خوشی سے کھل اٹھا۔ وہاں پانچ دس روپے سے زیادہ

کوئی بھی اسے نذرانہ نہیں دیتا تھا۔ اسے سو روپے دینے کا میرا مقصد تھا۔ میں نے پہلے سے معلوم کر لیا تھا کہ سومنات کے مندر میں باہر سے آنے والے یاتریوں کے لئے رہائش کا کوئی انتظام نہیں ہوتا۔ بس ایک طرف لمبے لمبے برآمدے بنے ہوئے ہیں۔ وہیں یاتری رات کو بال بچوں کے ساتھ سو جاتے ہیں۔ لیکن اگر کسی مہنت یا سنت کی سیوا کر دی جائے تو رہنے کو ایک کمرہ بھی مل جاتا ہے۔ جس سنت کو میں نے سو روپے کا نذرانہ دیا تھا اس کی عمر زیادہ نہیں تھی مگر پیٹ موٹا تھا اور گردن بھینسے کی طرح ہو رہی تھی اور وہ اپنی عمر سے دس سال بڑا لگتا تھا۔

میں تلک لگوانے کے بعد اس کے پاس بیٹھ گیا اور کہا۔

"ہم درگا ماتا کے بھگت ہیں شو پوری سے یاترا کرنے آئے ہیں۔ ہمیں ایک الگ جگہ چاہئے کیونکہ ہمیں رات کو بھگوان شوا کی نام کا جاپ کرنا ہوتا ہے"

اور میں نے چادر کے اندر ہاتھ ڈال کر سو روپے کا ایک اور نوٹ نکال کر سنت جی کے پاس رکھ دیا۔ اس نے جلدی سے نوٹ اٹھا کر اپنی صدری کی جیب میں ڈالا۔ اس کی باچھیں کھل گئی تھیں۔ میرے قریب ہو کر کہنے لگا۔

"آپ بھگوان جی کے درشن کر کے آجائیں۔ میں آپ کو بڑی اچھی جگہ لے چلوں گا"

میں سومنات کے بڑے بت والے مندر میں آگیا۔

سومنات کے بڑے بت پر سونے کا پترا چڑھا تھا یا سارے کا سارا سونے کا تھا۔ ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس کے قدموں کے پاس ایک بڑا موٹا تازہ مہنت بیٹھا پجاریوں سے دکھشا کے روپے وصول کر کر کے ایک طرف زمین کے نیچے بنے ہوئے کسی صندوق میں ڈالے جا رہا تھا۔ اس کے پاس پھلوں پھولوں اور مٹھائی کے دونوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے جن کو تھوڑی تھوڑی دیر بعد مندر کے کارکن پجاری لڑکے اور لڑکیاں بڑی بڑی ٹوکریوں میں بھر کر لے جاتی تھیں۔ تمام لڑکے نو عمر تھے۔ تمام لڑکیاں نوجوان

تھیں۔ یہ سومنات دیوتا کی سیوادار بلکہ دیوداسیاں تھیں۔ ان لڑکیوں میں سے کوئی بھی معمولی شکل وصورت کی دبلی پتلی نہیں تھی۔ سبھی صحت مند اور بھرے بھرے بدن کی تھیں۔ کھلے بالوں میں پھولوں کے گجرے بندھے ہوئے تھے۔ ماتھوں پر سرخ تلک لگے تھے۔ گلے میں سرخ موتیوں کی مالائیں تھیں۔ کلائیوں کے ساتھ بھی سفید پھولوں کے گجرے بندھے تھے۔ آنکھوں میں کاجل لگے تھے خوبصورت چہروں پر پسینے کی ہلکی ہلکی تہہ شیشے کی طرح چمک رہی تھی۔

یہ مندر ایسا تھا کہ یہاں ملک کے کونے کونے سے بڑے بڑے سادھو سنت بھی آکر ماتھا ٹیکتے تھے اور دکھشا پیش کرتے تھے۔ میں نے بھی وہیں سے خریدی ہوئی مٹھائی کی ایک ٹوکری اور سو روپے کی دکھشا پیش کی۔ مگر میں نے ماتھا نہ ٹیکا۔ تھوڑی دیر مندر کے لمبے لمبے کمروں اور برآمدوں میں مالا ہاتھ میں لئے پھرتا رہا۔ میں منہ ہی منہ میں ایسے بڑبڑاتا جاتا تھا جیسے اشلوک کا جاپ کر رہا ہوں لیکن حقیقت میں میں اس زمانے کے ایک مشہور فلمی گانے کے بول دہرا رہا تھا۔

کوئی گھنٹے دو گھنٹے کے بعد میں تلک لگانے والے سنت کے پاس آکر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی گدی پر کسی دوسرے آدمی کو بٹھایا اور مجھے ساتھ لے کر مندر کے جنوبی حصے کی طرف چل پڑا۔ یہاں درختوں کے جھنڈ تھے۔ ایک پرانا تاریخی تالاب تھا جس میں اتر کر اشنان کرنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ ذرا فاصلے پر ایک کنواں تھا۔ دو دیوداسیاں اور وہ دو سیوادار لڑکے کنوئیں میں ڈول کھینچ کھینچ کر پانی نکال کر قریب رکھے کانسی کے مٹکوں میں بھر رہے تھے۔ اس تالاب کے پیچھے ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی جو زمین سے ذرا اونچے چبوترے پر بنی ہوئی تھی۔ اس کی دیواریں پتھروں کی تھیں مگر چھت گھاس پھونس کی ڈھلواں تھی۔ آگے چھوٹا سا برآمدہ تھا۔ سنت کوٹھڑی کا تالا کھول کر مجھے اندر لے آیا۔ اس نے دیوار پر لگا بٹن دبا کر بتی جلا دی۔ کہنے لگا۔

"مہاراج اس سے اچھی جگہ سومنات جی کے مندر میں آپ کو اور کوئی نہیں لے کر دے سکتا۔ آپ اگر گانجے کا شوق کرتے ہیں تو وہ بھی آپ کو

یہاں پہنچ جائے گا۔"

پھر میری طرف دیکھ کر ہلکی سی آنکھ مار کر بولا۔

"اور اگر آپ تھوڑے سے پیسے خرچ کر لیں گے تو میں آپ کو احمد آباد سے منگوائی ہوئی ولائتی دارو کی بوتل بھی کہیں نہ کہیں لا دوں گا۔"

میں نے ہنس کر کہا۔

"نہیں سنت جی! میں دارو گانجا نہیں پیتا۔ مجھے تو ایشور نام کی خماری چاہئے۔"

وہ کھسیانا سا ہو کر ہنسنے لگا۔ پھر میرے ساتھ کوٹھڑی سے باہر آگیا اور چابی مجھے دیتے ہوئے بولا۔

"مہاراج! دوسروں سے تو ہم اس کا روزانہ کرایہ پچیس روپے لیتے ہیں لیکن آپ سے بیس روپے لے لیا کریں گے اگر آپ روز کا پچاس روپے کرایہ دے دیا کریں تو آپ کو دو وقت کا کھانا اور صبح کا ناشتہ بھی مل جایا کرے گا۔"

وہ ہنسنے لگا۔ میں نے اس کے کندھے کو ہاتھ سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

"بچہ! ہم اونچی برہمن جاتی کے سادھو سنت ہیں۔ اچھی جگہ رہتے ہیں۔ اچھا بھوجن کرتے ہیں۔"

میں نے چادر کے اندر ہاتھ ڈال کر تین سو کے نوٹ نکال کر اس کی ہتھیلی پر رکھ دیئے۔

"ابھی یہ رکھو۔ باقی جتنے دن ہم یہاں رہیں گے ساتھ ساتھ کرایہ ادا کرتے جائیں گے اور جاتے ہوئے تمہارا انعام بھی تمہیں ضرور دیں گے۔"

وہ بار بار ہاتھ جوڑنے لگا۔

"مہاراج! ہم بھی آپ ایسے مہاپرشوں کے سہارے یہاں زندہ ہیں۔ آپ آرام کریں۔ میں آپ کے لئے چائے پانی اور نیا بستر ابھی بھجوائے دیتا ہوں۔"

کوٹھڑی میں ایک چارپائی دو لکڑی کی پرانی کرسیاں تھیں۔ چھت پر پنکھا لگا تھا۔ کھڑکی ہچے پرانے تالاب اور کنوئیں کی طرف کھلتی تھی۔ برآمدے کے کونے میں غسل خانہ تھا۔ ہرے لئے یہ بڑی مناسب جگہ تھی۔ مجھے یہاں کونسا زیادہ دن ٹھہرنا تھا۔ اپنے ماسٹر سپائی یم بھائی کا ہی انتظار کرنا تھا جس نے کہا تھا کہ میں دوار کا میں صورت حال پورا جائزہ نے کے بعد دو چار دنوں میں سومنات کے مندر میں پہنچ جاؤں گا۔ رہائش ناشتے اور کھانے نے کی طرف سے میں بے نیاز ہو گیا تھا۔ میں دن کے وقت اپنی کوٹھڑی میں آرام کرتا۔ م کو مندر میں آجاتا۔ یہاں بڑی رونق ہوتی تھی۔ بھجن کیرتن ہو رہا ہوتا۔ سومنات کے ے مندر میں رات کے وقت دیوداسیوں کا رقص شروع ہو جاتا۔ دیو داس لڑکے بھی ی رقص میں شریک ہو جاتے۔ ہر طرف اگربتیوں اور لوبان کی خوشبوئیں اڑ رہی تیں۔ دیو داسیوں کے چہروں پر رقص کرتے ہوئے پسینے کے قطرے بجلی کی روشنی میں تیوں کی طرح چمک رہے ہوتے۔ بڑے منہت جی استھان پر اپنے ہٹے کٹے پجاریوں کے میان بڑے مزے سے بیٹھے دیوداسیوں کے رقص سے لطف اندوز ہو رہے ہوتے۔ ی وقت مزے میں آکر جے بجرنگ بلی کا نعرہ لگاتے اور دیو داسیوں پر تھال میں سے ندے کے پھول لے کر نچھاور کرتے۔ دیوداسیاں ان پھولوں کو بڑا متبرک سمجھ کر جلدی ، اٹھا کر اپنی چولیوں میں چھپا لیتیں۔ بعد میں مجھے میری کوٹھڑی والے سنت نے بتایا کہ ت کو جب رقص ختم ہو جاتا ہے تو بڑے منہت تمام دیوداسیوں کو اپنے خاص کمرے بلا کر ایک ایک کر کے سب کی چولیوں کی تلاشی لیتے ہیں۔ جس دیوداسی کی چولی میں ندے کے پھول زیادہ ہوتے ہیں وہ اس کو رات بھر کے لئے اپنی بیوی بنا کر کمرے میں لیتے ہیں۔ سنت نے یہ بھی بتایا تھا کہ بڑے منہت جی کے کمرے میں ائیر کنڈیشنر لگا ہوا ریشمی بستر ہے۔ الماری میں ولائیتی شراب کی بوتلیں ہر وقت موجود رہتی ہیں۔

اس آدمی نے مجھے یہ بھی بتایا کہ بڑے منہت کو شہر کا سب سے معزز آدمی اور نات دیوتا کا اوتار سمجھا جاتا ہے۔ اس کا اونچی سوسائٹی میں بڑا آنا جانا ہے۔ لوگ اپنے ے میں ان کا آنا بڑا متبرک اور شبھ سمجھتے ہیں۔ منہت جی کو اگر کسی اونچے گھرانے کی

کوئی خوبصورت لڑکی پسند آجائے تو وہ اسے یہ کہہ کر اپنے مندر میں بلا لیتے ہیں کہ دیوتا سومناتھ نے اس لڑکی کو اپنی بیوی چن لیا ہے اس کو دیوداسی بنا دیں۔ لڑکی کے ماں باپ اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتے اور لڑکی دلہن بنا کر بارات کی شکل میں مندر میں لاتے ہیں اور منہت جی کے حوالے کر کے چلے جاتے ہیں۔ کئی پڑھی لکھی لڑکیاں یہ سنتے ہی گھر سے بھاگ جاتی ہیں۔ مگر اب انہیں ایسا نہیں کرنے دیا جاتا۔ ان کے ماں باپ یہ خوش خبری سنتے ہی کہ دیوتا سومناتھ نے ان کی بیٹی کو اپنی پتنی بنا لیا ہے لڑکی کو کمرے میں بند کر کے باہر پہرہ بٹھا دیتے ہیں۔ اب کبھی کبھی کوئی لڑکی خود کشی بھی کر لیتی ہے۔ وہ آدمی کہنے لگا۔

"یہ ساری دیوداسیاں سومناتھ دیوتا کی بیویاں ہیں۔ اور دیوتا کی طرف سے خاوند کے فرائض منہت جی ادا کرتے ہیں یہ لڑکیاں ساری جوانی مندر میں داشتہ بن کر گزار دیتی ہیں۔ جب بوڑھی ہو جاتی ہیں تو منہت جی کے حکم سے انہیں شہر سے باہر ایک آشرم میں بھیج دیا جاتا ہے۔"

میرے لئے یہ کوئی انوکھی اور حیرت انگیز باتیں نہیں تھیں۔ میں نے ہندو دیومالا اور ان کے مذہب کا گہرا مطالعہ کر رکھا تھا۔ ان کے مذہب میں اس قسم کی خرافات کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔

مجھے سومناتھ کے مندر میں آئے تیسرا دن تھا۔ میرے اندازے کے مطابق میرے ماسٹر سپائی کریم بھائی کو دو دن کے بعد مندر میں پہنچ جانا چاہئے تھا۔ میں تیسرے دن رات کے وقت دیوتا سومناتھ کے بڑے بت والے کمرے میں بیٹھا پہلے بھجن منڈلیوں کے بھجن کیرتن اور پھر دیوداسیوں کے رقص دیکھتا رہا۔ دراصل مجھے کام تو کوئی نہیں تھا۔ صرف اپنے ماسٹر سپائی کریم بھائی کا انتظار ہی کرنا تھا۔ بڑا منہت بڑی شان سے اپنے اطلس و کم خواب والے استھان پر بیٹھا دیوداسیوں کو رقص کرتے دیکھ رہا تھا۔ اور خوش ہو رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ پاس کے چاندی کے طشت میں سے گیندے کے پھول اٹھا کر ان کی طرف پھینک دیتا۔ دیوداسیاں رقص بھول کر جلدی جلدی گیندے کے پھول اٹھا کر اپنی اپنی چولیوں میں ٹھونسنے لگ جاتیں۔ اتنے میں ایک ہٹے کٹے پجاری اور منہت کے باڈی گارڈ

قریب آکر اس کے کان میں کچھ کہا۔ منہت نے خوش ہو کر سر ہلایا۔ پھر اٹھ کر بت آگے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور اپنے باڈی گارڈ کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد میں بھی اٹھ کر اپنی کوٹھڑی میں آگیا۔ اس وقت باہر ہلکی ہلکی بوندا ی شروع ہو چکی تھی۔ میری آنکھیں نیند سے بھری ہوئی تھیں۔ میں نے اپنی کوٹھڑی آکر بتی بھی نہ جلائی اور ویسے ہی چارپائی پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیں۔ نیند کی دیوی آہستہ آہستہ تھپکیاں دے کر سلانے لگی۔ چھت والا پنکھا بند تھا۔ دروازہ آدھا کھلا باہر سے بارش میں بھیگی ہوئی ہوا کے ہلکے ہلکے خوشگوار جھونکے آرہے تھے۔ میری ٹڑی جیسا کہ میں آپ کو بتا چکا ہوں سومنات مندر کے بہت بڑے احاطے کے دور نے میں تھی۔ یہ جگہ دن کے وقت بھی خالی خالی سی رہتی تھی۔ کبھی کبھی کنوئیں سے بھرنے مندر کی نوکرانیاں وغیرہ آجاتی تھیں۔ اس وقت رات آدھی گذر چکی تھی اور ی خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ صرف مندر میں سے بھجن کیرتن کی دبی دبی آوازیں سنائی رہی تھیں۔ میں ابھی پوری طرح سویا نہیں تھا کہ مجھے ان آوازوں میں ایک نئی آواز دی۔ ایسے لگا جیسے کوئی دوڑتے ہوئے آکر اچانک رک گیا ہے۔ پھر برآمدے میں کسی قدموں کی تیز تیز چاپ سنائی دی۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ چارپائی پر لیٹے لیٹے برآمدہ نظر آرہا تھا۔ مجھے برآمدے میں ایک انسانی سایہ نظر پڑا جو ایک پل کے لئے مدے میں آکر رکا اور پھر تیزی سے میری کوٹھڑی میں داخل ہوگیا۔ میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"کون ہے؟؟"

میں نے تیز لہجے میں پوچھا۔

"بھگوان کے لئے مجھے کہیں چھپا لو۔ میں تمہارے پاؤں پڑتی ہوں۔ میں تمہیں بہت روپے دوں گی اس وقت مجھے ان سے بچا لو"

یہ کسی لڑکی کی آواز تھی جس کا سانس پھولا ہوا تھا اور وہ ہانپ رہی تھی۔ مجھے اس کا نظر نہیں آرہا تھا۔ ایک سایہ اپنی چارپائی کی پائنتی کی طرف کھڑا دکھائی دے رہا تھا۔

انے پوچھا۔

"تم کون ہو۔ اور کون تمہارے پیچھے لگے ہوئے ہیں؟"

لڑکی پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بولی۔

بھگوان کے لئے مجھے اس وقت کہیں چھپا لو۔ میں تم کو سب کچھ بتا دوں گی۔"

میں نے سوچا کہ نہ جانے بے چاری کس مصیبت کی ماری ہوئی ہے۔ کسی کے ظلم سے بھاگ کر آئی ہے۔ اس وقت تو اس کو چھپا دیتا ہوں۔ بعد میں معلوم کر لوں گا کہ یہ کون ہے اور اس پر کیا مصیبت آن پڑی ہے۔ میں نے کہا۔

"میری چارپائی کے نیچے چھپ جاؤ"

وہ جلدی سے میری چارپائی کے نیچے گھس گئی۔ میری چارپائی پر جو پھلکاری نما چادر بچھی ہوئی تھی اس کے پلو دونوں طرف سے کوٹھڑی کے فرش کو چھو رہے تھے۔ میں نے چارپائی سے اٹھ کر بتی روشن کر دی۔ اب میری کوٹھڑی بالکل خالی لگتی تھی۔ میں برآمدے میں آکر سادھوؤں کی طرح آسن جما کر بیٹھ گیا۔ مگر میری آنکھیں کھلی تھیں اور میں دائیں بائیں کنکھیوں سے برابر دیکھ رہا تھا۔ بارش بدستور ہو رہی تھی مگر زیادہ تیز نہیں تھی۔ اتنے میں بڑے مندر کی طرف سے دو آدمی دوڑتے ہوئے آتے نظر آئے۔ وہ میرے برآمدے کے باہر رک گئے۔ یہ مندر کے ہٹے کٹے پجاری تھے۔ ایک نے قریب آکر پوچھا۔

"سادھو مہاراج ادھر کوئی لڑکی تو نہیں آئی؟"

میں نے کہا۔

"نہیں بابا لوگ ہم نے تو کسی عورت کو ادھر آتے نہیں دیکھا"

انہوں نے میری کوٹھڑی میں غور سے دیکھا۔ کوٹھڑی خالی پڑی تھی۔ چارپائی بھی خالی نظر آ رہی تھی۔ انہوں نے آپس میں کوئی بات کی اور دوڑتے ہوئے آگے نکل گئے۔ ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد میں ہری اوم تت ست ہری اوم تت ست کا جاپ کرتا اٹھا۔ کچھ دیر یونہی برآمدے میں ادھر سے ادھر ٹہلتا رہا۔ پھر کوٹھڑی میں داخل ہو کر دروازہ بند

کر کے چٹخنی لگا دی۔ میں نے لڑکی کو آواز دے کر کہا۔

"باہر آ جاؤ۔ وہ لوگ چلے گئے ہیں"

لڑکی چارپائی کے نیچے سے نکل آئی۔ اس کے جسم پر صرف ایک دھوتی نما ساڑھی کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ چولی بھی غائب تھی۔ وہ چارپائی کے کونے میں بیٹھ گئی اور ساڑھی سے اپنے نیم عریاں بدن کو چھپانے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔ میں اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

شاید میں نے اس سے زیادہ خوبصورت عورت آج تک نہیں دیکھی تھی۔

بت شکن شہید کی نوارانی قبر

اس لڑکی کی عمر سولہ سترہ سال سے زیادہ نہیں ہو گی۔ جسم دبلا تھا مگر جسم کی ساخت انتہائی حسین تھی۔ رنگ ہلکا سانولا تھا۔ اس نے ہاتھ باندھ کر کہا۔

"بھگوان کے لئے بتی بجھا دیں مہاراج"

اس نے روشنی میں میرا سادھوؤں والا حلیہ دیکھ کر مجھے مہاراج کہا تھا۔ میں نے بتی بجھا دی۔ کوٹھڑی میں ایک بار پھر اندھیرا چھا گیا۔ میں چارپائی پر بیٹھ گیا اور اس سے پوچھا۔

"گھبراؤ نہیں۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ جو لوگ تمہارے پیچھے لگے ہوئے تھے وہ یہاں سے مایوس ہو کر جا چکے ہیں۔ یہ لوگ تو مندر کے پجاری تھے۔ یہ تمہارے پیچھے کیوں لگے ہوئے ہیں؟ تم کون ہو؟"

لڑکی نے سہمی ہوئی آواز میں کہا۔

"مہاراج! میرا نام کوشیلا ہے۔ میں اناتھ ہوں میرے ماتا پتا سورگباش ہو چکے ہیں۔ اپنی ماسی کے پاس رہتی ہوں۔ میں اسکول میں پڑھتی ہوں۔ ایک دن اپنی ماسی کے ساتھ مندر میں بھگوان کے درشن کے لئے آئی تو بڑے منت جی نے مجھے اپنی پتنی بنانے کے لئے چن لیا۔ اس کے آدمی میری ماسی کے گھر آکر مجھے اٹھا کر لے گئے۔ میں روتی رہی مگر میری کسی نے نہ سنی۔ ماسی نے کہا تو سوبھاگیہ وتی ہے کہ بھگوان نے تجھے اپنی پتنی بنایا ہے۔ مجھے بڑے منت نے دو

دن سے ایک تہہ خانے میں بند رکھا۔ دو عورتیں روز آکر میرے جسم کی مالش کرتیں۔ آج رات انہوں نے مجھے نہلا دھلا کر تیار کیا اور بڑے منت کے کمرے میں پہنچا دیا۔ بڑے منت نے کمرے میں آتے ہی پہلے شراب پی۔ پھر میری چولی نوچنے لگا۔ اس نے میری چولی پھاڑ کر پھینک دی۔ وہ نشے میں تھا۔ میں دروازہ کھول کر باہر بھاگ گئی۔ اس کے آدمی میرے پیچھے دوڑے۔ میں اندھیرے میں مندر کے احاطے میں دوڑتی پھری۔ آپ کی کوٹھڑی کا دروازہ کھلا دیکھا تو یہاں آ گئی۔"

لڑکی نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔

"بھگوان کے لئے مجھے راکھشوں سے بچا لیں میں پڑھ لکھ کر استانی بننا چاہتی ہوں میں بھگوان کی پتنی نہیں بننا چاہتی"

اس نے روتے ہوئے اپنا سر میرے بازو کے ساتھ لگا دیا۔ خدا جانے اس لڑکی کو پہلی نظر دیکھنے سے ہی مجھ پر کیا جادو سا ہو گیا تھا کہ میرے اندر کا شیطان بیدار ہو گیا۔

میں نے اپنی آپ بیتی بیان کرتے ہوئے شروع میں ہی آپ کو بتا دیا تھا کہ آپ کے آگے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ لوگوں کے نام جگہوں کے نام ضرور غلط بتاؤں گا۔ کیونکہ یہ ان مسلمانوں کی سیکورٹی کا معاملہ ہے جو آج بھی ہندوستان میں بیٹھے ہندوؤں کی اسلام دشمن سرگرمیوں کا بڑی بہادری سے مقابلہ کر رہے ہیں اور دشمن کے مورچوں کے اندر بیٹھ کر دشمن سے جنگ کر رہے ہیں۔ باقی ساری باتیں میں سچ لکھوں گا۔ باقی آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔ چنانچہ میں نے آپ کو سچ سچ بتا دیا ہے کہ اس لڑکی کے جسم نے میرے جسم کے اندر ایک آگ سی لگا دی تھی۔ یا میرے جسم کے اندر جو آگ میں نے دبا کر رکھی ہوئی تھی اسے پھر سے بھڑکا دیا تھا۔ میں نے شیطانی جذبات سے مغلوب ہو کر اسی وقت فیصلہ کر لیا کہ میں لڑکی کو منہ اندھیرے یہاں سے نکال کر جہاں وہ کہتی ہے وہاں پہنچا دوں گا اور اس کے بعد اس کے بدن کی آگ سے اپنے بدن کی آگ کے شعلے جتنے بھڑک سکتے ہیں بھڑکاؤں گا۔

دیکھا جائے تو میرا یہ فیصلہ میرے مسلک اور زندگی کے بلند اخلاقی ضابطوں کے بالکل خلاف تھا۔ مگر میرے اندر کا شیطان مجھ پر غالب آچکا تھا۔ مجھے اس وقت سوائے اس لڑکی کے جسم کے اور کچھ نہیں سوجھ رہا تھا۔ میں نے لڑکی کے بازو پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ میں تمہیں ان بدمعاشوں سے نکال کر لے جاؤں گا۔ کیا تم اپنی ماسی کے پاس واپس جانا چاہتی ہو؟"

لڑکی کا ننگا بازو میرے ہاتھ کی گرمی کو محسوس کر رہا تھا۔ اور میرا ہاتھ اس کے بازو کی گرم لرزش کو بھی محسوس کر رہا تھا۔ اس وقت مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا کہ میں کرہ ارض کے پہلے گھنے جنگل میں ہوں۔ یہ کرہ ارض کے جنگل کی پہلی رات ہے اور یہ لڑکی دنیا کی پہلی عورت ہے۔ اب آپ مجھے لاکھ برا بھلا کہیں۔ مجھے بدمعاش۔ بدکار اور بدکردار کہیں۔ مگر میں نے تو جو کچھ میرے دل میں تھا۔ اسے کھول کر بیان کر دیا ہے۔ کیونکہ میں نے آپ سے کہہ رکھا ہے کہ میں اپنی حیرت انگیز آپ بیتی بیان کرتے ہوئے جھوٹ نہیں بولوں گا۔

لڑکی بھی میرے ساتھ لگ گئی۔ اس کا جسم آہستہ آہستہ کپکپا رہا تھا۔ پھر وہ جلدی سے الگ ہوگئی۔ کہنے لگی۔

"نہیں نہیں مہاراج! میں ماسی کے گھر نہیں جاؤں گی۔ وہ مجھے پھر منہت کے حوالے کر دے گی۔"

"پھر تم کہاں کہاں جاؤ گی؟"

میں نے لڑکی کے بالوں کو ٹھیک کرتے ہوئے پوچھا۔ وہ کچھ سوچ کر بولی۔

"مہابلیشوری میں میری پھوپھو کملا بائی رہتی ہے۔ وہ ودوا ہے۔ گھروں کے کام کاج کرتی ہے۔ مجھے اس کے پاس پہنچا دیں۔ آپ کی بڑی کرپا ہو گی"

آج جب میں اپنی آپ بیتی آپ کو سنا رہا ہوں تو میں بھی غور کر رہا ہوں اور آپ بھی غور کریں کہ جب انسان کے ہاتھ سے خدا کا دامن چھوٹ جاتا ہے اور شیطان اس پر غالب آجاتا ہے تو اس کا کیا حال ہوتا ہے۔ جب اس حسین اور خوبصورت جسم والی لڑکی

نے کہا کہ مجھے مہابلیشوری کملا بائی کے گھر پہنچا دیں تو میں نے سوچا کہ ٹھیک ہے۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی وہیں ٹھہر جاؤں گا اور جی بھر کے عیش کروں گا۔ میں اس لمحے بالکل بھول ہی گیا کہ میرا مشن کیا ہے اور میں کس عظیم مقصد کو لے کر اپنا آپ خطرے میں ڈال کر بغیر ویزا پاسپورٹ کے دشمن کے ملک میں آیا ہوا ہوں۔

میں اس لڑکی کوشیلا کے بالوں کو سہلا رہا تھا اور اس نے بھی میرا ہاتھ پیچھے نہ کیا تھا۔ شیطان اس کی طرف سے بھی مجھ پر حملہ کر رہا تھا۔ وہ مزید میرے ساتھ لگ گئی تھی۔ میں نے کہا

"یہ مہابلیشوری یہاں سے کس طرف اور کتنی دور ہے؟"

کوشیلا نے اپنا سر میرے سینے سے لگائے رکھا اور بولی۔

"یہاں سے دکھن کی طرف ہے۔ زیادہ دور نہیں ہے۔ میں آپ کو راستہ بتا دوں گی۔ میں اپنے پتا جی کے ساتھ وہاں جایا کرتی تھی"

میں نے سوچا کہ اسے لے کر ابھی نکل جانا چاہئے۔ زیادہ وقت گذر گیا تو بڑے منہت کے آدمی مندر کی ناکہ بندی کر لیں گے۔ میں نے اسے کہا۔

"چلو میں تمہیں تمہاری پھوپھو کے گھر لئے چلتا ہوں۔"

وہ بے اختیار مجھ سے لپٹ گئی۔

"آپ بہت اچھے ہیں مہاراج"

میں نے اسے وہیں بیٹھنے کو کہا اور آہستہ سے دروازہ کھول کر کوٹھڑی سے باہر نکل آیا۔ بارش باریک پھوار کی طرح پڑ رہی تھی۔ سامنے والی جھاڑیوں اور درختوں میں رات کا اندھیرا گہرا تھا۔ اس طرف مندر کی کچی دیوار تھی جس کے ساتھ ہی اینٹوں پتھروں کا ڈھیر لگا تھا۔ آس پاس مجھے کوئی آدمی نظر نہ آیا۔ میں نے کوشیلا کو باہر آنے کے لئے کہا۔ وہ جلدی سے باہر آگئی۔ میں نے کوٹھڑی کے دروازے کو تالا لگایا اور اس لڑکی کو جس نے مجھ پر جادو سا کر دیا تھا ساتھ لے کر اینٹوں کے ڈھیر کی طرف بڑھا۔ وہاں سے ہم نے مندر کی دیوار پھاندی اور دوسری جانب جھاڑیوں والے ریتلے راستے پر تیز تیز چل پڑے۔ میں نے

کوشیلا سے کہا۔

"یہ راستہ مندر کے دکھن کو جاتا ہے۔ کیا تمہیں پتہ ہے کہ آگے ہمیں کس طرف جانا ہو گا؟"

وہ ان تمام راستوں سے واقف تھی۔ اس کا بچپن یہیں اپنی سہیلیوں کے ساتھ کھیلتے گذرا تھا۔ کہنے لگی۔

"مہاراج آگے دریا کا کنارا ہے۔ وہاں مچھیروں کی کشتیاں ہوتی ہیں۔ ہم کشتی میں بیٹھ کر دریا کے کنارے کنارے چلتے گئے تو گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے کے بعد مہا بالیشوری کا گاؤں آجائے گا۔ ہم پتا جی کے ساتھ یہیں سے ناؤ میں بیٹھ کر جایا کرتے تھے۔"

جس کو وہ دریا کا کنارہ کہہ رہی تھی وہ سمندر کا پانی تھا جو ایک بہت بڑی جھیل کی شکل میں اس طرف آگیا ہوا تھا۔ اس میں ہو سکتا ہے دریا بھی شامل ہو گیا ہو۔ کیونکہ یہ سارے کا سارا علاقہ ڈیلٹے کا علاقہ تھا۔ ہم کافی دور تک نکل گئے۔ بارش ہلکی ہلکی پھوار کی طرح پڑ رہی تھی۔ کوشیلا نے اندھیرے میں میرا بازو تھام رکھا تھا اور سہمی ہوئی سی میرے بالکل ساتھ لگ کر چل رہی تھی۔ شیطان نے میرے لئے بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں چھوڑا تھا۔ اس وقت تو مجھے یہ بھی احساس نہیں تھا کہ مجھ پر شیطان غالب آچکا ہے۔

آخر ہم جھیل پر پہنچ گئے۔

یہاں ایک جانب تار کے اونچے اونچے درختوں کی قطار کے پاس پانی میں کچھ چھوٹی کشتیاں بندھی ہوئی تھیں۔ میں نے ایک کشتی آہستہ سے کھولی۔ اس میں کوشیلا کو بٹھایا۔ کشتی کو کھینچ کر پانی میں ذرا آگے لے گیا۔ پھر خود بھی کشتی میں چڑھ گیا اور دکھن کی جانب کشتی کا رخ کر کے چپو چلانے لگا۔ کشتی چھوٹی تھی اور اس میں دو آدمی ہی بیٹھ سکتے تھے۔ کوشیلا میرے قریب ہی کشتی کا کنارا دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ جھیل میں اتنا اندھیرا نہیں تھا۔ ہمیں ایک دوسرے کے دھندلے دھندلے جسم اور شکلیں نظر آرہی تھیں۔

شیطان مجھ پر کیا غالب آتا اس میں خود شیطان بن گیا تھا۔ میں نے دریا میں کشتی چلاتے ہوئے کوشیلا سے کہا کہ تم اتنی اچھی لڑکی ہو۔ تم یہاں اپنی زندگی کیوں برباد کر رہی ہو۔ یہاں تمہارا کوئی بھی خیال نہیں رکھے گا۔ میں تمہیں اپنے ساتھ بنارس لے چلوں گا۔ وہاں میرا بہت بڑا گھر ہے۔ گھر کے ساتھ آم کا باغ ہے۔ کھیتی ہے۔ نوکر چاکر ہیں۔ میں نے شادی نہیں کی۔ میں اکیلا رہتا ہوں۔ تم میرے گھر میں رہنا۔ میں تمہیں وہاں سکول میں داخل کرا دوں گا۔ تمہیں پڑھا لکھا کر استانی بنا دوں گا۔ کوشیلا تو بے حد خوش ہوئی۔ اس نے اپنا سر میرے گھٹنوں سے لگا دیا اور کہنے لگی۔

"مہاراج! مجھے اپنے ساتھ بنارس لے چلیں۔ میں آپ کی بڑی سیوا کروں گی۔ میں بڑا اچھا بھوجن بنا لیتی ہوں۔ میں آپ کے کپڑے بھی دھویا کروں گی۔۔۔"

میرے دل میں ایک لمحے کے لئے اپنے کمانڈو مشن کا خیال آیا اور یہ بھی خیال آیا لہ میرا ماسٹر سپائی کریم بھائی کل یا پرسوں میری تلاش میں سومنات کے مندر میں پہنچنے والا ہے۔ میں نے یہ سوچ کر اپنے آپ کو مطمئن کر لیا کہ کوئی بات نہیں۔ میں کوشیلا کو کملا بائی لے پاس چھوڑ کر سومنات کے مندر میں آجاؤں گا۔ کریم بھائی سے ملاقات ہوئی تو جان بھ کر بیمار بن جاؤں گا اور کہوں گا کہ میں تو یہاں آکر بیمار پڑ گیا ہوں۔ ایک ہفتہ دے د۔ اس کے بعد دوار کا آپریشن پر چلیں گے۔ یہ بڑی کچی باتیں تھیں مگر میرا اس طرف لکل دھیان نہیں جا رہا تھا کہ کریم بھائی جو اتنا ہوشیار شخص ہے میرے بارے میں کیا وچے گا۔ اس کو تو کبھی میری بیماری کا یقین نہیں آئے گا۔ مگر مجھ پر ہوس کا جو بھوت ہانک سوار ہو گیا تھا اس نے مجھے عقل و خرد سے بیگانہ کر دیا ہوا تھا۔

ہماری کشتی کوئی ایک ڈیڑھ گھنٹے تک جھیل کے کنارے کنارے جنوب کی طرف چلتی ئی۔ جب دور سے کچھ چٹانیں سی نظر آئیں تو کوشیلا نے اس طرف اشارہ کر کے کہا۔

"ان پہاڑیوں کے پار میری پھوپھو کا گاؤں ہے۔"

بہرحال ہم اس کی پھوپھو کملا بائی کے گاؤں میں پہنچ گئے۔ گاؤں کیا تھا دور تک اندھیرے میں جھونپڑیاں ہی جھونپڑیاں نظر آ رہی تھیں۔ پیچھے ٹیلے کی ڈھلان پر کچھ مکانوں کے خاکے بھی دکھائی دے رہے تھے۔ ادھر بجلی کی روشنیاں کہیں کہیں ٹمٹما رہی تھیں۔ جھونپڑیوں میں ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ بارش کی پھوار رک گئی تھی۔ کوشیلا مجھے ساتھ لئے ایک جھونپڑی کے دروازے پر آ گئی۔ اس نے بند دروازے کے ساتھ منہ لگا کر کہا۔

"دائی ماں۔ دائی ماں۔ میں ہوں کوشیلا"

دو تین بار آواز دینے اور بانس کے بند دروازے پر ہاتھ مارنے سے اندر سے کملا بائی کی نیند بھری آواز آئی۔

"کون ہے رے؟"

کوشیلا نے جلدی سے کہا۔

"میں ہوں دائی ماں۔ کوشیلا۔"

جھونپڑی کی بانس کی دیوار کی درزوں میں سے نظر آ رہی تھی۔ دروازہ کھلا۔ ایک عورت نے دروازہ کھولتے ہی کوشیلا کو دیکھ کر گلے لگا لیا۔

"اری کوشیلا۔ تو اس وقت کیسے آ گئی۔ آؤ۔ اندر آؤ۔"

کوشیلا نے میری طرف اشارہ کر کے کہا۔

"دائی ماں یہ میرے مہاراج ہیں"

کملا بائی نے دھوتی کا پلو سنبھالتے ہوئے مجھے پرنام کیا۔ یہ ایک پختہ عمر کی عورت تھی جس نے صرف ایک دھوتی باندھ رکھی تھی جس کا ایک پلو اس نے اپنے جسم پر ڈال رکھا تھا۔ جھونپڑی میں ایک ہی چارپائی بچھی ہوئی تھی۔ ایک مونڈھا پڑا تھا۔ کملا بائی نے لیمپ کی بتی اونچی کی تو میں نے دیکھا کہ کملا بائی کے ہونٹ پان کی سرخی سے لال ہو رہے تھے۔ کانوں میں چاندی کی بالیوں کے گچھے لٹک رہے تھے۔ میری طرف دیکھ کر مسکرا بھی رہی تھی۔ شرما بھی رہی تھی۔ کوشیلا نے جلدی جلدی اسے اپنی ساری کہانی سنا دی۔ کملا بائی بڑی چہک کر بولی۔

"اری تو اس جنم جلی کے پاس رہتی ہی کیوں ہے یہاں میرے پاس تجھے کس شے کی کمی ہے؟ میرے پاس رہ جا۔ پٹیلوں کے چار گھر تمہیں بھی دلا دوں گی۔ کوئی پٹیل تم پر مہربان ہو گیا تو میری طرح تیرے کانوں میں بھی چاندی کی بالیاں ہوں گی"

اور وہ منہ پھاڑ کر ہنس دی۔ یہ عورت جس کا نام کملا بائی تھا صاف ظاہر تھا کہ کھیلنے کھلانے والی عورت ہے۔ کشتی میں مجھے کوشیلا نے سمجھا دیا تھا کہ میں کملا بائی سے بنارس جانے کی کوئی بات نہ کروں۔

"وہ مجھے اپنے سے الگ نہیں کرے گی"

کوشیلا اپنی پھوپھو کی ذہنیت اور اس کے دھندے سے واقف تھی مگر اس نے میرے ساتھ بنارس جانے کا فیصلہ کر لیا ہوا تھا۔ جب کملا بائی نے اسے اپنے پاس رہنے کی پیش کش کی تو کوشیلا نے لیمپ کی روشنی میں میری طرف کنکھیوں سے دیکھا اور ہلکی سی آنکھ ماری۔ وہ کملا بائی سے کہنے لگی۔

"ہاں پھوپھو میں اب تمہارے پاس ہی رہوں گی۔ تو جیسے کہے گی ویسے ہی کروں گی۔"

کوشیلا کے آنکھ مارنے سے میرے اندر بیٹھا ہوا' بلکہ میرے سارے جسم میں پھیلا ہوا شیطان خوشی سے جھوم اٹھا۔ کملا بائی نے کوشیلا کو اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھایا ہوا تھا۔ اس کی بلائیں لیتی ہوئی بولی۔

"تو میرے ساتھ ہی سوجا۔ صبح میں تمہیں بڑے پٹیل جی کے گھر لے چلوں گی"

میری طرف دیکھ کر کہنے لگی۔

"مہاراج! آپ نے بڑی کرپا کی جو اس بے چاری اناتھ لڑکی کو غنڈوں سے بچا کر میرے پاس لے آئے۔ آپ بھی ہمارے ساتھ ہی چارپائی پر لیٹ

جائیں۔ تھوڑی سی رات رہ گئی ہے۔"

میں نے کہا۔

"نہیں بائی جی۔ مجھے واپس جانا ہے۔"

میں اٹھ کر جھونپڑی سے باہر آیا تو کوشیلا بھی میرے پیچھے پیچھے باہر آگئی۔ میرے ساتھ لگ کر آہستہ سے بولی۔

"مہاراج! آپ نہ جائیں۔"

میں نے کہا۔

"نہیں کوشیلا میرا جانا ضروری ہے۔ میں دیر نہیں لگاؤں گا۔ تھوڑا سا کام ہے اسے نمٹا کر کل رات کو ہی واپس آجاؤں گا اور تمہیں اپنے ساتھ بنارس لے چلوں گا۔"

کوشیلا خوش ہو گئی۔ پچھلی رات کے اندھیرے میں اس کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ کہنے لگی۔

"مہاراج! میں آپ کی راہ دیکھوں گی۔ میں دائی ماں کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔ آپ آئیں گے تو ہم یہاں سے بھاگ کر بنارس چلے جائیں گے۔"

میں نے کہا۔

"ایسا ہی کریں گے۔ اب تو اندر جا کر سو جا۔"

کوشیلا ایک بار پھر مجھ سے لپٹ گئی۔

"مہاراج! مجھے چھوڑ کر نہ جائیں"

میں نے اسے بادل نخواستہ اپنے سے الگ کرتے ہوئے کہا۔

"چنتا کیوں کرتی ہے۔ میں کل شام کو ہی آجاؤں گا۔ تم تیار رہنا"

"میں تیار رہوں گی مہاراج"

اس نے میرا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے کہا اور میں اندھیرے میں اس سے الگ ہو کر تیز تیز قدموں سے جھیل کی طرف چل پڑا۔ کشتی کو کھینچ کر میں نے

کنارے پر جھاڑیوں میں چھپا دیا ہوا تھا۔ چھوٹی سی کشتی تھی اسے دوبارا کھینچ کر جھیل کے پانی میں لے آیا۔ اس میں بیٹھا اور واپس روانہ ہو گیا۔ جھیل کا پانی بالکل ساکن تھا۔ چپو چلانے میں کوئی دشواری نہیں ہو رہی تھی۔ آسمان پر بادلوں کے پیچھے صبح کاذب کی بڑی ہلکی ہلکی روشنی جھلکنے لگی تھی۔

کشتی میں میں اکیلا تھا۔ کشتی ہلکی تھی۔ میں جلدی مچھیروں کی اس بستی میں آگیا جہاں سے ہم نے یہ کشتی چرائی تھی۔ مچھیروں کی جھونپڑیوں میں مچھیروں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ جاگ پڑے ہیں۔ میں کشتی ایک طرف کنارے پر لے آیا۔ کشتی سے اترا اور اسی راستے پر اندازے کے مطابق چل پڑا جس راستے سے کوشیلا مجھے جھیل تک لائی تھی۔ ابھی رات کا اندھیرا پوری طرح نہیں چھٹا تھا۔ میں اندازے سے چل رہا تھا۔ یہ وہی ریتلا رستہ تھا جس کی دونوں جانب جھاڑیاں اگی ہوئی تھیں۔ مجھے محسوس ہونے لگا کہ چلتے چلتے میں کافی دور آگیا ہوں۔ مگر ابھی تک مجھے سومنات کے مندر کی روشنیاں نظر نہیں آئی تھیں۔ مجھے خیال آیا کہیں میں راستہ تو نہیں بھول گیا۔

میں رک گیا۔ اندھیرے اور آسمان پر آہستہ آہستہ پھیلتی روشنی کے دھندلکے میں میں نے جائزہ لیا۔ اردگرد دیکھا۔ رستہ وہی تھا۔ وہی جھاڑیاں تھیں۔ مگر ایک فرق میں نے محسوس کیا کہ پہلے تاڑ کے درخت نظر آتے تھے وہ غائب تھے۔ پھر بھی میں آگے چلنے لگا۔

اب جھاڑیاں بھی ختم ہو گئیں اور ریت کے چھوٹے بڑے ٹیلے شروع ہو گئے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ میں راستے سے بھٹک گیا ہوں۔ اب مجھے اصل راستہ تلاش کرنا تھا۔ میں نے مغرب کی طرف رخ کر لیا اور ریت کے ٹیلوں میں داخل ہو گیا۔ ایک ٹیلہ ختم ہوتا تو دوسرا ٹیلہ شروع ہو جاتا۔ پو پھٹنے لگی تھی۔ ٹیلوں کے خاکے اور اردگرد کا ماحول واضح ہونے لگا تھا۔ جس زمین پر میں چل رہا تھا وہ ریتلی ضرور تھی مگر ریت سخت ہو کر پتھر بن گئی تھی۔ ریت کے ٹیلے ختم ہونے میں ہی نہیں آتے تھے۔ میں نے سوچا کہ واپس اسی جگہ پر پہنچنا چاہیے جہاں سے میں اس طرف مڑا تھا۔ میں واپس چل پڑا۔ مگر اب میں ٹیلوں کی بھول بھلیوں میں پھنس چکا تھا۔ لاچار ہو کر ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ چاروں طرف

نگاہ ڈالی تو یہ دیکھ کر ششدر سا ہو کر رہ گیا کہ میں ایک لق ودق صحرا میں آگیا تھا جہاں میرے چاروں جانب جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی ریت کے ٹیلے ہی ٹیلے تھے۔ میں تو سر پکڑ کر بیٹھ گیا کہ یا اللہ یہ کیا ماجرا ہے۔ میں کس چکر میں پھنس گیا ہوں۔ سورج نہیں نکلا تھا مگر دن کی روشنی پھیل گئی تھی۔

میں نے ایک بار پھر ہمت کی اور مغرب کی طرف رخ کر کے ٹیلوں کے درمیان چل پڑا۔ یہ سوچ کر کہ آخر کہیں تو ان ٹیلوں کا سلسلہ ختم ہو گا۔ مجھے پیاس بھی محسوس ہونے لگی تھی لیکن میں نے اس کی پروانہ کی۔ کمانڈو ٹریننگ کے دوران مجھے زیادہ سے زیادہ دیر تک پیاسا رہنے کی تربیت ملی ہوئی تھی۔ مگر بہت جلد مجھے محسوس ہوا کہ پیاس میری برداشت سے باہر ہو رہی تھی۔ میں بڑا حیران بھی ہوا کہ اتنی جلدی مجھے اتنی پیاس کیوں لگ گئی ہے۔ جب کہ دھوپ بھی نہیں نکلی ہوئی تھی اور جب میں ٹیلوں میں داخل ہوا تھا تو پیاس کا احساس تک نہیں تھا۔ آہستہ آہستہ میرا حلق خشک ہونے لگا۔ ہونٹوں پر پپڑیاں سی جمنے لگیں۔ میں ایک ٹیلے کے پاس بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ دل یہی کہتا تھا کہ میں راستے سے بھٹک گیا ہوں اور تھوڑی ہمت کرلوں تو ان ٹیلوں کی بھول بھلیوں سے نکل جاؤں گا۔

تھوڑی دیر آرام کرنے سے پیاس کا احساس کچھ کم ہو گیا۔ میں پھر چلنے لگا۔ دو تین ٹیلوں کے درمیان سے گذرا ہوں کہ پیاس نے مجھے اس طرح نڈھال کر دیا جیسے میں تین دنوں سے پیاسا ہوں۔ حلق میں ریت سی اڑنے لگی۔ جسم پر اتنی کمزوری طاری ہو گئی کہ دو قدم چلتا تو لڑکھڑا سا جاتا۔ آس پاس ریت کے ٹیلوں کے سوا کچھ نہیں تھا۔ نہ کوئی درخت تھا نہ جھاڑی تھی کہ اس کی جڑوں کو نچوڑ کر حلق تر کرلیتا۔ میں ایک اونچے ٹیلے کے پاس آ کر دوبارہ بیٹھ گیا۔ یہ ٹیلہ پتھر کا بنا ہوا تھا۔ مجھے یوں لگ رہا تھا کہ میرا سارا جسم ریت بن گیا ہے۔ اگر مجھے کہیں سے پانی نہ ملا تو میں ریت کی دیوار کی طرح گر جاؤں گا اور ریت کے ساتھ ریت بن جاؤں گا۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں اور خدا کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگا۔

اچانک مجھے ایک خوشبو کا احساس ہوا۔ میں نے آنکھیں کھول دیں۔ خوشبو ہلکی تھی اور سامنے والے ٹیلے کی طرف سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ ٹیلے کی دوسری طرف ضرور جھاڑیاں ہوں گی جن میں پھول کھلے ہوئے ہوں گے اور وہاں پانی بھی ضرور ہو گا۔ میں جدھر سے خوشبو آ رہی تھی اس طرف آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ جیسے جیسے آگے بڑھ رہا تھا خوشبو زیادہ گہری ہو رہی تھی۔ آخر میں بڑی مشکل سے اپنے آپ کو چلا کر ٹیلے کی دوسری طرف نکل آیا۔ وہاں آکر دیکھا کہ کہیں کوئی جھاڑی نہیں تھی۔ کہیں کوئی پھول نہیں تھے۔ مگر خوشبو اس طرح آ رہی تھی اور پہلے سے زیادہ ہو گئی تھی۔ میں تھک ہار کر بیٹھ گیا اور خدا سے اپنے گناہوں کی معافیاں مانگنے لگا۔ ہمت کر کے اٹھا اور سامنے کچھ فاصلے پر جو ٹیلہ تھا اس کی طرف بڑھنے لگا کہ شاید اس جانب جھاڑیاں ہوں اور پانی مل جائے۔ خوشبو بھی اسی طرف آ رہی تھی۔ ٹیلہ ریتلے پتھر کا تھا۔

میں اس کی دوسری طرف آ گیا۔

ٹیلے کی اس جانب غار کا دہانہ تھا جس کے آدھے حصے کو جنگلی جھاڑیوں نے ڈھانپا ہوا تھا۔ میں قریب گیا تو غار کے اندر سے خوشبو کے جھونکے آ رہے تھے۔ یہ خوشبو مجھے شروع ہی سے عجیب وغریب لگی تھی۔ ایسی خوشبو میں نے پہلے کبھی نہیں سونگھی تھی۔ میرا خیال یہی تھا کہ یہ کسی نایاب صحرائی پھول کی خوشبو ہوگی۔ میں نے سوچا کہ غار کے اندر چل کر دیکھنا چاہئے کہ خوشبو کہاں سے آتی ہے اور کس پھول کی ہے۔ دل میں خیال بھی تھا کہ ممکن ہے غار کے اندر پانی کا کوئی چشمہ نکل کر زمین کے نیچے بہہ رہا ہو۔

غار کے دہانے پر تو دن کی روشنی تھی مگر اندر اندھیرا تھا۔ جیسے جیسے میں آگے بڑھ رہا تھا خوشبو تیز ہوتی جا رہی تھی۔ غار آگے جا کر ایک طرف گھوم گئی۔ میں بھی اس کے ساتھ ہی گھوم گیا۔ یہاں اندھیرا گہرا تھا مگر کونے میں روشنی کی ہلکی ہلکی کرنیں نکل رہی تھیں۔ میں نے قریب جا کر دیکھا کہ روشنی کی یہ کرنیں پتھروں کے ایک ڈھیر کے نیچے سے پھوٹ رہی تھیں۔

میں بڑا حیران ہوا کہ یہاں پتھروں کے اندر روشنی کہاں سے آ گئی ہے۔ میں نے کچھ

پتھروں کو کافی زور لگا کر ایک طرف ہٹایا تو میری آنکھیں حیرت کے مارے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ نیچے ایک قبر کی لحد تھی۔ میت کا کفن لحد میں ایسے پڑا تھا جیسے میت ابھی ابھی اس کے اندر سے نکل کر گئی ہو۔ روشنی سے ساری قبر ساری لحد جگمگا رہی تھی۔ وہاں اس قدر خوشبو تھی کہ مجھے اپنا آپ خوشبو بن کر فضا میں تحلیل ہوتا محسوس ہونے لگا۔ میں نے کفن کو ہاتھ لگایا تو وہ بالکل تازہ اور صاف تھا۔ ایسے لگ رہا تھا جیسے اس کی میت کو آج ہی یہاں دفن کیا گیا ہے۔ میں نے لحد کے سرہانے کی طرف دیکھا۔ وہاں مجھے ایک کھڑکی سی نظر آئی۔ روشنی اور خوشبو کا سیلاب اس کھڑکی میں سے نکل رہا تھا۔ مجھ پر ایک مقدس ہیبت سی چھا گئی۔ حیرانی کی بات ہوئی کہ مجھے اس سے پہلے جو کمزوری اور شدید پیاس محسوس ہو رہی تھی وہ اب غائب تھی۔ اس روشنی نے میرے جسم میں جیسے ایک نئی توانائی بھر دی تھی۔

میں قبر کی کھڑکی کی جانب گھٹنوں کے بل رینگتا ہوا بڑھا۔ کھڑکی کا کوئی دروازہ نہیں تھا۔ وہاں روشنی کا ایک پردہ ہی کہوں گا۔ کیونکہ روشنی کے اس غبار کے آگے بھی کچھ دکھائی نہیں دیتا تھا۔ میری زبان پر اپنے آپ کلمہ پاک جاری ہو گیا۔ میں روشنی کے غبار میں داخل ہو گیا۔

جیسے ہی میں اس غبار سے نکل کر دوسری طرف آیا جہاں کھڑا تھا وہیں ساکت سا ہو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ چاروں طرف ایک کیف انگیز نورانی روشنی پھیلی ہوئی ہے۔ کیف ونور کی اس فضا میں روح پرور خوشبوئیں پھیلی ہوئی ہیں اور ان خوشبوؤں میں وہ خوشبو بھی ہے جو مجھے یہاں تک کھینچ لائی تھی۔ سنگ مرمر کی سفید براق روشیں ہیں جن میں سے نور کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں۔ ان روشوں کی دونوں جانب ایسے سایہ دار درخت کھڑے ہیں کہ جن کے تنے، شاخیں اور پتے زمرد مرجان اور ہیرے موتیوں کی طرح دمک رہے ہیں۔ ان درختوں پر حسین وجمیل طائران خوش الحان اللہ پاک کی حمد وثنا کر رہے ہیں۔ درختوں کے درمیان آب شفاف کی ایک مرمریں نہر بہہ رہی ہے کہ جس کی سطح پر ستاروں کی آب و تاب ہے۔ اس نہر کے کنارے زمرد کا ایک تخت بچھا ہے جس پر

ایک نورانی چہرے والا جوان رعنا سبز عمامہ باندھے بیٹھا ہے۔ اس کے چہرے پر ایسا جلال ہے' ایسا نور ہے کہ میری نگاہ نہیں ٹھہر رہی۔ اوپر درخت کی ایک سفید پھولوں بھری شاخ اس جوان پر جلال کے چہرے کے پاس آکر جھک گئی ہے جیسے اس کی نورانی پیشانی کو چومنے کی کوشش کر رہی ہو۔ اس کے دائیں طرف سرخ عقیق میں سے تراشا ہوا ایک پیالہ رکھا ہے۔ وہ اشارے سے مجھے اپنی طرف بلاتا ہے۔

میں انتہائی ادب واحترام کے ساتھ اس کے قریب جاتا ہوں اور ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہوں۔ اس شخص کی آنکھوں سے نورانی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ چاروں طرف خوشبوئیں ہی خوشبوئیں ہیں۔ نور ہی نور ہے۔ روشنی ہی روشنی ہے۔ روشنی ایسی شفاف اور ٹرانسپیرنٹ ہے کہ ہماری دنیا کی روشنی اس کا سایہ محسوس ہونے لگی ہے۔ یہ روشنی آنکھوں اور روح میں ابدی سکون کی لازوال کیفیت بن کر اتر رہی ہے۔ میرے وجود کا وزن ختم ہو گیا ہے۔ مجھے اپنی انگلی تک کا بوجھ محسوس نہیں ہو رہا۔ اس سرمدی ماحول کی نورانی لطافتوں نے میری تمام کثافتوں کو تھوڑی دیر کے لئے ختم کر دیا ہے۔ میں زمردیں تخت پر بیٹھے اس شخص کو سلام علیکم کہتا ہوں۔ وہ وعلیکم اسلام کہکر انتہائی پر سکون شیریں آواز میں جواب دیتا ہے اور کہتا ہے۔

"میں نے تمہیں ایک خاص مقصد کے لئے اس باغ عدن کی خوشبو کی ایک لہر بھیج کر بلایا ہے۔ سنو! میرا نام سیدی حسن علی ہے۔ میں مجاہد اسلام سلطان محمود غزنوی کے اسلامی لشکر کے ساتھ جہاد میں میں شرکت کرنے یہاں آیا تھا۔ اسی میدان میں کفار کے بہت بڑے لشکر کے ساتھ ہماری جنگ ہوئی تھی۔ میں اسی معرکہ حق وباطل میں اسی جگہ شہید ہوا تھا۔ اس جنگ میں اسلام کی فتح ہوئی اور سلطان محمود غزنوی نے اللہ کی توحید کا پرچم بلند رکھتے ہوئے سومناتھ کے مندروں کے سارے بتوں کو پاش پاش کر دیا تھا۔"

میں نے کچھ بولنے کی کوشش کی مگر میری زبان نے میرے الفاظ کا ساتھ نہ دیا۔ شہید کا نورانی چہرہ میری طرف تھا۔ اس نے کہا۔

"جن ٹیلوں میں سے تم گذر کر آئے ہو ان ٹیلوں کے آس پاس بہت سے شہیدوں کے جسم دفن ہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا۔ تمام شہیدوں کی روحیں جنت الفردوس میں حیات ابدی پا کر اللہ کی حمد وثنا میں مصروف ہیں۔ میں نے تمہیں اس لئے یہاں بلایا ہے کہ تمہارے دل میں اللہ اور اس کے رسولؐ پاک کے نام پر جہاد کرنے اور شہید ہونے کا جذبہ زندہ ہے۔ مگر تم شیطان کے بہکاوے میں آگئے ہو۔ اور سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہو خدا کا دامن تمہارے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے۔ ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا۔ تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ دنیا اور آخرت میں انسان کی اس سے بڑی بدقسمتی اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ہاتھ میں آیا ہوا خدا کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ میں سیدھی راہ پر واپس لا رہا ہوں۔ تم ایک بہت بڑا مقصد لے کر دشمن ملک میں داخل ہوئے ہو۔ تم نے صرف اسلام کی سربلندی' پاکستان کے استحکام اور یہاں کے مسلمانوں پر کافر جو ظلم ڈھا رہا ہے اس کے خلاف جہاد کرنے کی خاطر اپنی جان کی بازی لگا رکھی ہے تم جنت کے راستے پر چل رہے تھے لیکن شیطان اور اپنے نفس کے بہکاوے میں آکر تم نے یہ راستہ چھوڑ دیا اور اس راستے پر چل پڑے جو دوزخ کی طرف جاتا ہے۔ واپس جنت کے راستے پر آجاؤ بس مجھے تمہیں صرف یہی کہنا تھا۔

یاد رکھو۔ دنیائے فانی ایک مومن کے لئے امتحان کی جگہ ہے۔ اور ایک سچا مومن ہر امتحان میں کامیاب رہتا ہے اور آخرت کی حیات ابدی پا کر جنت الفردوس میں رب ذوالجلال کا قرب حاصل کرتا ہے۔ واپس اپنی دنیا میں جا کر کفر واسلام کی جنگ میں ایک سچے مرد مومن کی طرح سرگرم عمل ہو جاؤ۔ پھر تم دنیا اور آخرت دونوں جگہوں پر سرخ رو ہو گے۔۔۔۔"

پھر اس جوان پر نور پر جلال نے تبسم فرمایا تو میری روح میں جیسے توانائی کی نئی بجلیاں سی دوڑ گئیں۔ میں کوئی بات نہ کر سکا۔ شہید کی کسی بات کا جواب نہ دے سکا۔ میں اپنے

اندر جواب دینے کی ہمت نہیں پا رہا تھا۔ میں اپنی جگہ پر ویسے ہی ساکت سا ہو کر کھڑا رہا اور جیسے جنت الفردوس کا وہ نورانی منظر میری آنکھوں سے دور ہوتا گیا۔ پھر اتنی روشنی ہو گئی کہ مجھے کچھ نظر نہ آیا۔ روشنی آہستہ آہستہ دور ہوئی تو میں نے دیکھا کہ میں غار میں اس شہید کے مرقد کے پاس کھڑا ہوں جو پہلے کھلا ہوا تھا اور مجھے اس کی لحد دکھائی دی تھی مگر اب قبر بند تھی۔ غار میں وہی سرمدی خوشبو پھیلی ہوئی تھی جو مجھے صحرائی ٹیلوں سے کھینچ کر یہاں تک لے آئی تھی۔ میں غار سے باہر آگیا۔ آسمان پر سے بادل غائب ہو چکے تھے۔ نیلا آسمان صاف اور شفاف ہو کر سورج کی تابناک روشنی میں چمک رہا تھا۔ عجیب بات تھی کہ میری پیاس غائب ہو چکی تھی۔ میں اپنے جسم میں ایک نئی طاقت ایک نئی توانائی محسوس کر رہا تھا۔ گناہ کے سارے خیال معدوم ہو چکے تھے۔ میں اپنے کئے پر نادم اور پشیمان تھا اور میرے لبوں پر توبہ استغفار کا ورد جاری تھا۔ اللہ پاک نے اپنے فضل وکرم سے مجھے برے راستے سے ہٹا کر پھر سے سیدھی راہ دکھائی دی تھی۔ میں ایک ٹیلے کی طرف چل پڑا۔ جیسے ہی اس ٹیلے سے نکلا سامنے سومنات شہر کی ساحلی بستی کے مکان اور سومناتھ مندر کے سنہری کلس دھوپ میں چمکتے نظر آرہے تھے۔

میں تیز تیز چلنے لگا۔ مندر کے بڑے دروازے میں سے گذر کر اپنی کوٹھڑی کے قریب پہنچا تو برآمدے کی ایک جانب مجھے کریم بھائی نظر پڑا۔ وہ جوگیوں کے بھیس میں تھا اور برآمدے کے پاس زمین پر بیٹھا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ اٹھ کر میرے پاس آیا۔

"تم کہاں چلے گئے تھے؟ میں صبح سے یہاں بیٹھا ہوں"

میں نے کوٹھڑی کا تالہ کھولتے ہوئے کہا۔

"سمندری جھیل کی طرف صبح صبح سیر کرنے نکل گیا تھا۔ واپسی پر راستہ بھول گیا۔"

وہ میرے ساتھ ہی کوٹھڑی میں آگیا۔ ہم چارپائی پر بیٹھ گئے دروازہ کھلا ہی رکھا تاکہ اگر کوئی وہاں سے گذرے یا ہماری طرف آئے تو ہم اپنی باتوں کا موضوع تبدیل کر سکیں۔ کریم بھائی کہنے لگا۔

"حالات نے ایک نئی شکل اختیار کر لی ہے"

میں نے پوچھا۔

"کیا اسلحے والا جہاز کسی دوسری بندرگاہ کی طرف چلا گیا ہے؟"

وہ کہنے لگا۔

"نہیں ایسی بات نہیں ہے۔ مرچنٹ نیوی کا مال بردار جہاز بھاری مقدار میں اسلحہ وغیرہ لے کر دوارکا کے ساحل پر ہی ہے"

"تو پھر صورت حال کیسے بدل گئی ہے؟"

میرے سوال پر اس نے کہا۔

"صورت حال اس طرح بدل گئی ہے کہ جہاز تو دوارکا کی بندرگاہ پر موجود ہے مگر اس میں لدا ہوا سارا اسلحہ 'کوبرا ہیلی کاپٹر میڈیم فیلڈ گنیں اور توپوں ٹینکوں کی گنوں کے پرزوں کے کریٹ جہاز سے اتار کر دوارکا کے قلعے میں جو فوجی ایمونیشن ڈپو ہے وہاں پہنچا دیئے گئے ہیں۔"

میں نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"اتنی جلدی یہ سارا مال کیسے قلعے میں پہنچا دیا گیا؟ جہاز بندرگاہ پر کب لگا تھا؟"

کریم بھائی نے سانس لے کر کہا۔

"جہاز کے دوارکا پہنچنے کا ہمارا اندازہ غلط نکلا۔ جس روز میں دوارکا پہنچا تو مجھے پتہ چلا کہ جہاز کو گودی میں لگے دو روز ہو گئے ہیں اور جہاز پر سے سارا اسلحہ وغیرہ اتار کر دوارکا کے قلعے میں پہنچا دیا گیا ہے"

میں نے کہا۔

"اس کا مطلب ہے اب ہمارا ٹارگٹ مرچنٹ نیوی کا جہاز نہیں بلکہ دوارکا کا قلعہ ہے"

کریم بھائی دو تین سیکنڈ خاموش رہا۔ پھر بولا۔

"جہاز کا ٹارگٹ اتنا مشکل نہیں تھا۔ وہ کھلا ٹارگٹ تھا مگر دوارکا فورٹ کے اندر جا کر اسلحہ تباہ کرنے میں ہمیں کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ گجرات کاٹھیاواڑ کا ایک اہم ترین فوجی اڈہ ہے۔ اس میں فوجی ساز وسامان اور گولہ بارود کا بھاری ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا ہے۔ یہاں انڈین فوج کے حفاظتی یونٹ ہر وقت چوکس رہتے ہیں۔ قلعے کا صرف ایک ہی بڑا دروازہ ہے جہاں فوجی گارڈ پہرہ دیتی ہے۔ قلعے کے اوپر دو مشین گن پوسٹیں ہیں۔ باقی قلعے کی چاروں طرف بڑی اونچی پرانی دیوار ہے۔ اس دیوار پر بھی فوجی اسلحہ لے کر ہر وقت گشت کرتے نظر آتے ہیں۔ یہ ساری معلومات دوارکا میں موجود ہمارے خاص آدمی نے مجھے مہیا کی ہیں"

میں نے کریم بھائی سے کہا۔

"کریم بھائی! ایک ہزار برس پہلے اسی قلعے کو محمود غزنوی کی فوجوں نے اللہ اکبر کے نعروں کی گونج میں فتح کیا تھا۔ یہی قلعہ تھا جس کے دفاع کے لئے ہندو راجہ اپنی ساری فوجیں لے کر مجاہد اسلام کو شکست دینے جمع ہو گئے تھے۔ ہندو راجاؤں کا خیال تھا کہ وہ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ مسلمانوں کی چھوٹی سی فوج کو پہلے ہی ہلے میں شکست دے دیں گے۔ مگر شکست کس کی ہوئی تھی؟ کفار کی۔ محمود غزنوی کی چھوٹی سی فوج نے ہندو راجاؤں کے بہت بڑے لشکر کو کاٹ کر رکھ دیا تھا۔ ہمیں اپنے مجاہدوں کی تاریخ کو ہمیشہ سامنے رکھنا ہو گا۔ تم کفار کی تعداد اور ان کے دفاع پر مت جاؤ اگر ہمارے سینوں میں اللہ اور اس کے رسولؐ پاک دین کی شمع روشن ہے۔ اگر ہمارے دلوں میں اللہ کی راہ میں شہید ہونے کا جذبہ زندہ ہے تو پھر ہمیں اپنے مشن میں کامیاب ہونے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔"

کریم بھائی مجھے عجیب حیران نظروں سے دیکھنے لگا۔ میرا نام لے کر بولا۔

"تم مجھے اس وقت سلطان محمود غزنوی کی فوج کے ایک مجاہد لگ رہے

ہو"

میں نے اسے بالکل نہ بتایا کہ میرے اندر یہ جذبہ جو تھوڑی دیر کے لئے شیطان کے بہکاوے میں آکر سو گیا تھا دوبارہ جس مرد مجاہد نے بیدار کیا ہے وہ سلطان محمود کی فوج کا ایک شہید مجاہد ہی تھا۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کریم بھائی ہندوستان کے ہر مسلمان کو اب سلطان محمود غزنوی کی فوج کے مجاہد بننے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ایک ہزار برس بعد یہاں ایک بار پھر کفر واسلام کی جنگ لڑی جا رہی ہے۔"

کریم بھائی نے پرجوش لہجے میں سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"دوست! ہم یہ جنگ پورے جذبے اور بہادری کے ساتھ لڑ رہے ہیں۔ اگرچہ ہم نہتے ہیں ہم پر کافروں کی حکمرانی ہے۔ ہمارے وسائل محدود ہیں۔ ہماری کوئی باقاعدہ فوج بھی نہیں ہے۔ مگر ہمارے دلوں میں اسلام کی شمع روشن ہے ہماری زبان پر کلمہ توحید کا ورد جاری ہے۔ ہمیں اپنے عظیم اسلامی ورثے کی عظمت کا احساس ہے۔ ہم یہ جنگ اس وقت لڑتے رہیں گے جب تک کہ ہندوستان میں ہم مسلمانوں کو ہمارے جائز حقوق نہیں مل جاتے۔"

میں نے اٹھ کر کریم بھائی کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اور کہا۔

"کریم بھائی ہم دینی بھائی ہیں۔ اسلامی بھائی ہیں ہمارے درمیان اسلام کا کبھی نہ ٹوٹنے والا رشتہ قائم ہے۔ یہ کبھی مت سوچنا کہ میں پنجاب کا رہنے والا ہوں او تم دلی کے رہنے والے ہو۔ تمہاری زبان اور ہے اور میری زبان اور ہے۔ نہیں۔ ایسا خیال بھی اپنے دل میں مت لانا۔ ہم اللہ اور اس کے رسولؐ پاک کے دین پر چلنے والے مسلمان ہیں۔ ہمارا دین اسلام ہے۔ ہماری زبان اسلام ہے۔ ہمارا صوبہ اسلام ہے ہمارا وطن اسلام ہے۔"

ہم دونوں کی آنکھوں میں آنسو چھلک اٹھے۔ یہ اللہ اور اس کے نبیؐ پاک کی محبت میں چھلکنے والے آنسو تھے۔ یہ یک جہتی طاقت اور ناقابل شکست توانائی کے آنسو تھے۔

میں نے کریم بھائی سے کہا۔

"تم یہاں بیٹھو۔ میں سنت جی کو ناشتے کا کہہ کر ابھی آتا ہوں"

اس نے پوچھا۔

"یہ سنت جی کون ہیں؟"

میں نے ہنس کر کہا۔

"سومنات کے مندر میں آنے والوں کو تلک لگاتے ہیں۔ تم تو باہر ہی سے تلک لگا کر آئے ہو۔ میں نے انہیں اس کوٹھڑی کا ایک ہفتے کا کرایہ اور راشن کے پیسے سب ادا کر دیئے ہوئے ہیں۔"

میں کوٹھڑی سے نکل کر مہنت کے پاس آ گیا۔ وہ مجھے دیکھ کر بولا۔

"مہاراج آپ کہاں چلے گئے تھے۔ لڑکا دوبارہ ناشتہ لے کر آپ کی کوٹھڑی میں گیا تھا۔"

میں نے کہا۔

"ہم سادھو سنت ہیں۔ پربھات کے سمے باہر درختوں میں بیٹھ کر بھگوان کے نام کا جاپ کرتے ہیں۔ اسی لئے دیر ہو گئی۔ میرا ایک بنارس کا جوگی بھائی بھی آیا ہوا ہے۔ دو آدمیوں کے لئے ناشتہ بھیج دو۔"

سنت بولا۔

"جو حکم مہاراج! ابھی بھجواتا ہوں"

ناشتہ کرتے ہوئے میں نے کریم بھائی سے پوچھا۔

"تمہارے خیال میں اب ہمیں کیا حکمت عملی اختیار کرنی چاہئے۔ میں چاہتا ہوں کہ کوبرا ہیلی کاپٹر اور میڈیم فیلڈ گنیں جو خاص طور پر کشمیر کے محاذ پر بھیجنے کے لئے منگوائی گئی ہیں انہیں جتنی جلدی ہو سکے تباہ کر دیا جائے۔"

کریم بھائی نے کہا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ ابھی تک تو یہ سارا اسلحہ دوارکا کے فوجی

قلعے میں ہی پڑا ہے۔ مگر اسے بہت جلد کشمیر کے محاذ پر روانہ کر دیا جائے گا۔ اور اس بار یہ اسلحہ کسی ایک خاص فوجی ٹرین میں لاد کر نہیں لے جایا جائے گا۔ مڈگھاٹ کے سٹیشن پر اسلحہ کی گاڑی کے تباہ ہو جانے کے بعد فوج اسلحے کی اس کھیپ کو مختلف ٹرکوں اور مختلف گاڑیوں میں تھوڑا تھوڑا کر کے روانہ کرے گی۔ اگر ایک بار یہ فوجی ساز وسامان قلعے سے نکل گیا تو پھر اسے تباہ کرنا ہمارے بس کی بات نہیں رہے گی ہمیں جو کچھ کرنا ہے اس قلعے کے اندر ہی کرنا ہے۔"

میں نے اس سے پوچھا۔

"دوارکا میں ہمارے کوئی ایسے آدمی ہیں جن کا قلعے کے اندر آنا جانا ہو؟"

کریم بھائی کہنے لگا۔

"ہمارا دوارکا میں کوئی باقاعدہ گروہ نہیں ہے۔ یہاں مسلمان ویسے بھی کم تعداد میں رہتے ہیں۔ ہمارے پاس وہاں صرف دو ہی آدمی ہیں۔ میں ان میں سے ایک آدمی نئی پرانی عمارتوں میں لکڑی کا کام کرتا ہے۔ وہ ایک محنت کش غریب گجراتی مسلمان ہے اور محض اسلام کے اور ہندوستان میں مسلمانوں کی مدد کے جذبے کی خاطر ہمارے گروہ میں شامل ہوا ہے۔ دوسرا آدمی میونسپل کمیٹی دوارکا کا معمولی ٹھیکدار ہے۔ وہ سورتی میمن ہے۔ بڑی ٹھیکیداریاں تو ہندوؤں کے ہاتھوں میں ہیں لیکن چھوٹا موٹا ٹھیکہ اسے بھی مل جاتا ہے۔ تم میرے ساتھ دوارکا چلو گے تو وہاں کوئی پروگرام طے کریں گے۔ پھر میں تمہیں ان لوگوں سے بھی ملاؤں گا۔"

ناشتہ کرنے کے بعد ہم سومنات کے ایک لاری اڈے سے بس میں بیٹھے اور دوارکا پہنچ گئے۔ سومنات سے دوارکا کا فاصلہ چند ایک میل ہی ہے۔ دوارکا میں بھی مندروں کی بھرمار تھی۔ خستہ حال سڑکوں پر بیل گاڑیاں پرانے رکشے اور کہیں کہیں یکہ ٹائپ کے تانگے ہی چل رہے تھے۔ دوارکا کا قلعہ شہر سے باہر سمندر کے کنارے پر واقع تھا۔ اس کی

ایک دیوار سمندر کی طرف تھی۔

کریم بھائی مجھے لاری اڈے سے اپنے لکڑی کا کام کرنے والے آدمی کے گھر لے جانے کی بجائے ایک ایسی غریب بستی میں لے آیا جہاں دلدلی میدان کے کنارے ٹوٹی پھوٹی دیواروں اور چھپروں کی چھتوں والے کواٹرز اور جھونپڑیاں دور تک چلی گئی تھیں۔ اسی غریب بستی میں ایک جھونپڑی نما کواٹر کریم نے کرائے پر لے لیا تھا۔ وہ ہندو جوگی کے روپ میں وہاں آیا تھا اور اس نے نے یہ ظاہر کیا تھا کہ وہ ہردوار سے دوارکا اور سومنات کے مندروں کی یاترا کرنے آیا ہے۔ جھونپڑی نما کواٹر کا صرف ایک ہی کمرہ تھا جس کی دیواروں کا پلستر اکھڑا ہوا تھا۔ زمین پر ناریل کے پتوں کی صف بچھی تھی۔ کونے میں پانی کی صراحی اور مٹی کا پیالہ رکھا ہوا تھا۔ اس وقت ابھی دن کے گیارہ ہی بجے تھے۔ میرا حلیہ بھی جینی دھرم کے سادھوؤں والا تھا۔ اس اعتبار سے ہم دونوں جوگی اور سادھو کے حلیے میں تھے۔ جس کسی نے بھی ہمیں بستی میں دیکھا تو وہ یہی سمجھے کہ یہ دو سادھو یاترا کرنے دوارکا آئے ہوں گے۔ کیونکہ دوارکا اور سومنات میں ہمارے حلیے کے بہت سادھو جوگی پھرتے تھے۔

کریم نے مجھے جھونپڑی نما کواٹر میں بٹھایا اور بولا۔

"تم یہاں بیٹھو میں اپنے آدمی کے پاس جاتا ہوں اور کچھ مزید باتیں معلوم کر کے آتا ہوں۔"

وہ چلا گیا۔ میں صف پر لیٹ گیا۔ میرا خیال کوشیلا کی طرف چلا گیا جو یقیناً میرا انتظار کر رہی ہو گی کہ میں آج یا کل کسی وقت اس کے پاس اس کی پھوپھو کملا بائی کے مہابلیشوری والے گھر جاؤں گا اور اسے ساتھ لے کر بنارس کی طرف نکل جاؤں گا۔ اچانک مجھے اس نیم عریاں سانولا جسم اور اس کے بازوؤں کا خیال آنے لگا۔ میں نے اسی وقت سچے دل سے لاحول پڑھا اور یقین کریں کہ کوشیلا کا نیم عریاں جسم اور بازوؤں کا خیال میرے دل سے ایسے نکل گیا کہ جیسے کبھی موجود ہی نہیں تھا۔ میں نے اپنے کمانڈو اپریشن کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ کوئی آدھ گھنٹے بعد کوشیلا کا پھر خیال مجسم ہو کر میرے سامنے آ گیا۔ وہ

گھبرا کر اپنی ساڑھی سے جسم کو ڈھانپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے ایک بار پھر لاحول پڑھ کر اس شیطانی خیال کو بھگا دیا۔ میں اس حقیقت سے اچھی طرح واقف تھا کہ یہ شیطانی خیال برابر مجھ پر حملہ کرتا رہے گا اور میری بہادری یہ ہے کہ میں بھی اس کا مقابلہ کرتا رہوں اور ہر بار اسے شکست دوں اور بھگا دوں۔ اسی میں میرے کردار کی نشوونما اور روح کی عظمت اور صیقل کا راز پوشیدہ تھا میں انسان تھا۔ کوئی فرشتہ نہیں تھا کہ میرے ذہن میں برائی کا کوئی تصور ہی نہ ہو۔ مجھے انسانیت کی اعلیٰ ترین منزل سے گذر کر ہر برائی کا مقابلہ کرتے ہوئے فرشتوں کی منزل تک پہنچنا تھا۔ جب چار پانچ مرتبہ کوشیلا کے نیم عریاں بدن اور بنارس میں اس کے ساتھ عیش کی زندگی گذارنے کے شیطانی خیال کا میں نے ڈٹ کر مقابلہ کرتے ہوئے اسے اپنے ذہن سے بھگا دیا تو اس کے بعد یہ شیطانی خیال بہت حد تک دم توڑ گیا اور میں نے پوری توجہ اور یکسوئی سے اپنے دوار کا آپریشن کے بارے میں غور شروع کر دیا۔ یقین کریں اس وقت مجھے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے میں نے بھی مجاہد اسلام سلطان محمود غزنوی کے نقش قدم پر چلتے ہوئے سومنات کے مندر کا ایک بہت بڑا بت پاش پاش کر دیا ہے۔

کوشیلا سومنات کا بڑا خطرناک بت تھا۔

میں نے دوارکا کے قلعے میں داخل ہونے کے ہر پہلو پر غور کیا۔ یہ ایک فوجی قلعہ تھا اور بقول کریم بھائی کے قلعے میں سیکورٹی کا زبردست انتظام تھا۔ گیٹ پر ہر وقت مسلح گارڈ موجود رہتی تھی۔ دروازے کے اوپر مشین گن پوسٹیں تھیں۔ قلعے کی دیوار کے اوپر بھی سنتری ڈیوٹیاں بدل بدل کر دن رات گشت کرتے رہتے تھے۔ اس اعتبار سے قلعے کے اندر کسی سویلین کا جانا ناممکن تھا وہ قلعے کے اندر چھوٹے موٹے کام کرنے والا نہ ہو۔ ایسے آدمی کے پاس بھی سیکورٹی کی طرف سے دیا گیا شناختی کارڈ ضرور موجود ہوتا ہوگا۔ یہ مشن مجھے مڈگھاٹ والی فوجی ٹرین اڑانے سے زیادہ پیچیدہ لگ رہا تھا۔ کوئی ڈیڑھ گھنٹے بعد کریم بھائی واپس آگیا۔ وہ اپنے ساتھ ابلے ہوئے چاول جن میں آلوؤں کی بھاجی ملی ہوئی تھی اور چھ سات چھوٹے چھوٹے پھلکے رومال میں باندھ کر لایا تھا۔ جب اس نے صف پر بیٹھ

کر رومال کھولا تو میں نے ہنس کر کہا۔

"کریم بھائی تم جوگیوں کے حلیے میں ہو یہ بھوجن کہیں سے مانگ کر تو نہیں لائے؟"

کریم ہنس پڑا۔ کہنے لگا۔

"نہیں بھائی ایسی بات بالکل نہیں ہے۔ ہم ہندوستان کے مسلمان اپنے اس حق کے لئے تو دشمن حکومت سے لڑ رہے ہیں کہ ہمیں ہندو کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے پڑیں۔"

میں نے معذرت پیش کی اور کہا۔

"بھائی میں تو مذاق کر رہا تھا"

وہ بولا۔

"مجھے معلوم ہے۔ مجھے معلوم ہے۔ یہ تو میں سمندر کے کنارے اپنے جس ہائیڈ آؤٹ میں اپنے آپ کو سورج دیوتا کا پجاری سادھو ظاہر کر کے رہ رہا ہوں وہاں ہمارا آدمی جو لکڑی کا کام کرتا ہے میرے لئے لے کر آیا تھا۔ اس میں میرے لئے دوپہر اور رات دونوں ٹائم کا کھانا تھا۔ جب میں نے اسے تمہارے بارے میں بتایا کہ ہمارا ایک سرفروش کمانڈو بھی دوارکا پہنچ گیا ہے تو وہ کہنے لگا۔ میں اور کھانا لے آتا ہوں۔ میں نے کہا نہیں اس وقت یہ ہم دونوں کے لئے کافی ہے رات کو دیکھا جائے گا۔"

ہم نے مل کر کھانا کھایا۔ ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتے رہے۔ معلوم ہوا کہ دوارکا میں کریم بھائی کے جو دو خاص آدمی تھے ان میں ایک جو ترکھان کا کام کرتا تھا اس کا نام طاہر علی تھا اور دوسرا آدمی جو دوارکا میونسپل کمیٹی کے چھوٹے موٹے ٹھیکے لیتا تھا اس کا نام رستم گوہا تھا۔ گوہا شاید اس کی ذات تھی۔ یہ ہندوؤں کی بھی ذات ہے۔ اس کے آباؤ اجداد نے سلطان محمود غزنوی کے زمانے میں بت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا۔ کریم بھائی بتانے لگا۔

"ان دونوں میں سے کسی کا بھی قلعے کے اندر آنا جانا نہیں ہے۔ لیکن لکڑی کا کام کرنے والے طاہر علی نے اس بات کا کہیں سے سراغ لگایا ہے کہ قلعے کے اندر جو اسلحہ اور فوجی ساز وسامان کی پیٹیاں جہاز سے اتار کر لائی گئیں تھیں وہ قلعے کی پہلی منزل میں دروازے کے ساتھ والے بڑے ہال کمرے میں لگا دی گئیں ہیں۔ گن شپ کوبرا ہیلی کاپٹر بھی ڈس اسیمبل شکل میں بڑے بڑے کریٹوں میں بند اسی ہال کمرے میں رکھے ہوئے ہیں اور خیال ہے کہ دروازے کے ساتھ والے ہال کمرے میں جو ساز وسامان یا گولہ بارود رکھا جاتا ہے وہ بہت جلد آگے یونٹوں کو سپلائی کر دیا جاتا ہے"

میں بڑے غور سے کریم بھائی کی بات سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"اس اطلاع کے مطابق ہمارے پاس کمانڈو آپریشن کے لئے زیادہ وقت نہیں ہے۔"

کریم بھائی کہنے لگا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ مگر بظاہر کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔"

میں نے اسے کہا۔

"کریم بھائی جو آدمی قلعے کے اندر جا کر یہ خبر لایا ہے کہ کشمیر کے محاذ پر سپلائی کیا جانے والا فوجی ساز وسامان قلعے کے بڑے دروازے کے ساتھ والے ہال کمرے یا مال گودام میں رکھا ہوا ہے وہ کون ہے؟"

کریم بائی نے جواب دیا۔

"اصل میں بات یہ ہے کہ یہ ہمارا اپنا آدمی رستم گوہا ہی ہے جو دوار کا میں چھوٹی موٹی ٹھیکداری کرتا ہے۔ اس کا استاد پارسی ٹھیکدار ہے۔ آج کل اسی بڑے ہال کمرے والے گودام میں بڑے بڑے نئے کریٹ یا لکڑی کے کھوکے تیار کروائے جا رہے ہیں۔ اس کا ٹھیکہ پارسی ٹھیکدار کو ملا ہوا ہے اور وہی اپنی نگرانی میں یہ کام کروا رہا ہے۔ میرے کہنے پر ایک روز رستم گوہا اپنے استاد

پارسی ٹھیکدار سے کسی بہانے ملنے چلا گیا تھا اور اسی نے یہ خبر لا کر مجھے دی تھی کہ بحری جہاز سے اتارے گئے مال کو وہاں سے لے جانے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔"

میں نے کہا۔

"میری اس آدمی رستم گوہا سے ملاقات کرا دو میں اس سے دو ایک باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ شاید ہماری مشکل کا کوئی حل نکل آئے"

کریم بھائی بولا۔

"یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ تم آج ہی رات کو میری سمندر والی جگہ پر آجانا میں رستم گوہا کو وہاں بلوا لوں گا۔"

میں نے پوچھا۔

"تمہاری ساحل سمندر والی جگہ کہاں ہے۔ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں"

کریم بھائی کہنے لگا۔

"میں تمہیں رات کو یہاں سے اپنے ساتھ لیتا جاؤں گا۔ یہ جھونپڑی والا کواٹر تو میں نے صرف تمہاری خاطر کرائے پر لیا تھا۔ میرا اصل ہائیڈ آؤٹ تو ساحل سمندر والی چٹانیں ہیں جہاں ایک کھوہ میں بیٹھ کر میں بظاہر پتیار کرتا ہوں۔ اور دن کے وقت ادھر ادھر کے لوگوں کو دکھانے کی خاطر باہر نکل کر ریت پر سورج دیوتا کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتا ہوں۔ لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ میں سورج کی پوجا کر رہا ہوں۔ یہ اس لئے کہ کسی کو مجھ پر شک نہ پڑے۔ بہرحال اس وقت تو میں اپنے آدمی رستم گوہا سے ملنے جا رہا ہوں تاکہ میں اسے رات کو سمندر والے ٹھکانے پر آنے کا کہہ دوں۔ پھر شروع رات کے وقت میں اندھیرا ہوتے ہی تمہیں یہاں سے لے جاؤں گا۔ ہمیں یہاں اپنے آدمیوں سے ملنے میں بڑی احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں جہاں جہاں انڈین فوج کی چھاؤنیاں یا ایمونیشن ڈپو ہیں وہاں کے

مسلمانوں کی کڑی نگرانی کی جاتی ہے۔

اس کے بعد کریم بھائی چلا گیا۔ میں وہیں صف پر لیٹا رہا اور اپنے مشن کی تفصیلات پر غور کرتا رہا۔ میرے ذہن میں ایک منصوبہ آہستہ آہستہ تیار ہونا شروع ہو گیا تھا۔

شروع رات میں کریم بھائی آکر مجھے ساحل سمندر پر واقع اپنے ہائیڈ آؤٹ میں لے گیا۔ یہاں سمندر کا ساحل دور تک پھیلا ہوا تھا۔ ایک جانب دوارکا شہر کی اور دوسری جانب دوارکا قلعے کی روشنیاں نظر آ رہی تھیں۔ یہاں ریت پر بڑی بڑی چٹانیں تھیں۔ ایک چٹان کی کھوہ میں کریم بھائی نے اپنا جوگیوں والا ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔ ایک کرمنڈل اور پانی سے بھرا ہوا پیتل کا کٹورہ موجود تھا۔ تھوڑی دیر بعد دوارکا میں کریم بھائی کا خاص آدمی رستم گوہا بھی آگیا۔ پتلا دبلا آدمی تھا۔ گجراتیوں کی طرح کرتہ پاجامہ پہنا ہوا تھا۔ کاندھے کے ساتھ چھتری لٹک رہی تھی۔ پاؤں میں چپل تھی۔

کریم نے میرا تعارف کرایا۔ اس نے السلام علیکم کہکر مجھ سے بڑی گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔ وہ بھی کریم بھائی کی طرح بیڑی پیتا تھا۔ آسمان صاف تھا۔ تارے نکلے ہوئے تھے۔ سمندر کی طرف سے مرطوب ہوا کے جھونکے آ رہے تھے۔ ہم وہیں اندھیرے میں چٹان کے پاس پتھروں پر بیٹھ گئے۔ میں نے رستم گوہا سے پوچھا۔

"بھائی! کیا تم دوبارا قلعے کے اندر اور خاص طور پر اس گودام کے اندر جا سکتے ہو جہاں جہاز سے فوجی سامان اتار کر رکھا گیا ہے۔"

رستم گوہا سوچ میں پڑ گیا۔ پھر بولا۔

"قلعے کے اندر فوجی کسی باہر کے آدمی کو نہیں جانے دیتے۔ میرا پارسی استاد چونکہ اندر کام کروا رہا ہے تو ایک بار اس سے ملنے اور اسلحہ وغیرہ کا سراغ لگانے چلا گیا تھا۔ اس کو بڑی مشکل سے مجھے ساتھ لے جانے کی اجازت ملی تھی۔"

میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"رستم بھائی! یوں سمجھ لو کہ خواہ کتنی مشکل پیش آئے۔ خواہ تمہیں اس

کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے آنے والے دو دنوں کے اندر اندر تمہیں قلعے میں ہر حالت میں داخل ہوتا ہو گا اور اس گودام میں جانا ہو گا جہاں جہاز سے اتارا ہوا فوجی سامان پڑا ہے۔ یوں سمجھ لو کہ یہ ایک دینی فریضہ ہے جو تمہیں ادا کرنا ہے۔"

رستم گوہا اگرچہ دبلا پتلا سا آدمی تھا لیکن معلوم ہوا کہ اس کے سینے میں شیر دل مسلمانوں والا جذبہ کارفرما ہے۔ اس نے صرف دو یا تین سیکنڈ تک ماتھے پر انگلیاں پھیرتے ہوئے سوچا۔ پھر فیصلہ کن لہجے میں بولا۔

"میں قلعے کے اندر چلا جاؤں گا۔ یہ بتائیں کہ مجھے وہاں جا کر کیا کرنا ہو گا"

میں نے خوش ہو کر کہا۔

"رستم بھائی میں تمہاری دلیری سے بڑا متاثر ہوا ہوں۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے دشمن کا مقابلہ کرنے کے لئے ایسا ہی دلیر بننا پڑے گا اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تمہیں قلعے کے اندر جا کر کیا کرنا ہو گا"

کریم اور رستم دونوں میرے قریب ہو گئے۔

میرا راز فاش ہو چکا تھا

میں نے رستم بھائی کو ساری بات سمجھا دی۔

میں نے اسے بتایا کہ کسی طریقے سے مجھے اسلحہ کے گودام کا نقشہ یا خاکہ معلوم ہونا چاہئے کہ میڈیم فیلڈ گنوں کے کریٹ کہاں پڑے ہیں۔ کوبرا ہیلی کاپٹروں کے ڈسیمبل کریٹ گودام میں کس جگہ رکھے ہیں۔ گودام میں گولا بارود کا ذخیرہ بھی ہے یا نہیں۔ رات کے وقت وہاں گارڈ ڈیوٹی کی کیا پوزیشن ہوتی ہے اور کیا گودام کی عقبی سمندر کو لگنے والی دیوار میں کوئی روشندان ہے یا نہیں ہے۔ یہ اور دوسری ساری متعلقہ تفصیل سمجھاتے ہوئے میں نے رستم گوہا (جس کو اب میں رستم بھائی ہی کہوں گا) سے کہا۔

"رستم بھائی! یہ تفصیل مجھے جیسے بھی ممکن ہو کل شام تک ضرور مل جانی چاہئے۔ یہ کام تمہیں ہنگامی بنیادوں پر کرنا پڑے گا"

کریم بھائی بھی رستم کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ کہنے لگا۔

"میں چاہتا ہوں کہ جیسے بھی ہو اپنے پارسی استاد کے ساتھ تم خود کل قلعے کے اندر چلے جاؤ۔ اور خود اسلحہ کے گودام کا پورا نقشہ ذہن میں تیار کر کے لاؤ۔ کیا تم ایسا کر سکو گے؟"

رستم بھائی اندھیرے میں ہماری طرف دیکھ رہا تھا اور کسی گہری سوچ میں بھی تھا کہنے لگا۔

"میں آخری حد تک کوشش کروں گا بس یوں سمجھ لیں کہ میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔ میں کل دوپہر کے بعد آپ کو اسی جگہ رپورٹ کروں گا۔"

جب رستم بھائی چلا گیا تو کریم مجھ سے کہنے لگا۔

"مجھے پوری امید ہے کہ رستم یہ کام کر گذرے گا"

میں نے کہا۔

"دوست! وقت بہت کم رہ گیا ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہاتھ آیا ہوا شکار ہاتھ سے نکل جائے۔"

کریم بھائی جو اس وقت بھی ہندو سادھو کے بھیس میں تھا کہنے لگا۔

"رستم بڑا ہوشیار اور اثر رسوخ والا آدمی ہے۔ یہ ہمیں مایوس نہیں کرے گا۔ اب تم ایسا کرو کہ اپنی جھونپڑی والے کواٹر میں چلے جاؤ۔ جس وقت بھی رستم کوئی خبر لے کر آیا میں تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔ تم وہاں سے مت ہلنا"

میں واپس جھونپڑی نما کواٹر میں آگیا۔

رات گذر گئی۔ اگلے روز میں وہیں جھونپڑی میں ہی رہا۔ تھوڑی دیر کے لئے باہر نکل کر دوارکا کے بازاروں کا ایک چکر لگایا۔ میں بھی جینی سادھوؤں والے بہروپ میں تھا۔ مجھ پر کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا۔ وہاں میرے ایسے کئی سادھو لوگ چلتے پھرتے نظر آرہے تھے۔ ایک ڈھابے میں بیٹھ کر تھوڑا بہت کھانا کھایا اور واپس اپنے جھونپڑی نما کواٹر میں آگیا۔ دوپہر کے وقت مجھے دور سے کریم بھائی اور رستم بھائی آتے دکھائی دیئے۔ میں جھونپڑی کے باہر ہی جھوٹ موٹ کا آسن جمائے بیٹھا تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر میں جھونپڑی کے اندر چلا گیا۔

دونوں اندر آگئے۔ کریم بھائی نے دروازہ کھلا ہی رہنے دیا۔ باہر کوئی آدمی نہیں تھا۔

جب دونوں میرے قریب صف پر بیٹھ گئے تو میں نے پوچھا۔

"کیا کچھ کام بنا؟"

کریم بھائی کا چہرہ لٹکا ہوا تھا۔ کہنے لگا۔

"معاملہ مشکل نظر آتا ہے"

میں نے رستم بھائی کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا۔

"کیا قلعے میں جانے کا کوئی سبب نہیں بن سکا؟"

رستم بھائی کہنے لگا۔

"جام نگر کے فوجی گیریزن سے ملٹری انٹیلی جینس کا کوئی کیپٹن ہری ناتھ اسلحہ کے ذخیرے کی چیکنگ اور سیکورٹی کے انتظامات کا جائزہ لینے آرہا ہے۔ اس وجہ سے قلعے کے اندر باہر کے آدمیوں کا داخلہ بالکل بند کر دیا گیا ہے۔ صرف میرا پارسی استاد اور اس کے دو کاریگروں کو اندر جانے کی اجازت ہے۔ باہر سے جو صفائی کرنے والے کبھی کبھی بلا لئے جاتے تھے ان کو بھی روک دیا گیا ہے۔"

اچانک ایک خیال بجلی کی طرح میرے ذہن میں لہرا گیا۔ رستم بھائی نے میرا مسئلہ حل کر دیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا۔

"یہ ملٹری انٹیلی جینس کا کیپٹن ہری ناتھ جام نگر سے کب یہاں پہنچے گا؟"

رستم بھائی بولا۔

"میرے پارسی استاد نے مجھے یہ سب کچھ بتایا تھا وہ کہہ رہا تھا کہ دو ایک دن میں یہ آفیسر قلعے میں پہنچ جائے گا۔"

کریم بھائی نے تجسس کے ساتھ میری طرف دیکھا۔

"تم کیپٹن ہری ناتھ کے بارے میں اتنا کیوں پوچھ رہے ہو؟"

میں نے کہا۔

"یہ میں بعد میں بتاؤں گا۔"

پھر میں نے رستم کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"رستم بھائی! کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ مجھے ملٹری انٹیلی جینس کے اس کیپٹن

ہری ناتھ کے جام نگر سے چلنے اور دوار کا پہنچنے کا صحیح وقت اور تاریخ معلوم ہو جائے؟ اور اس بات کا بھی سراغ لگ سکے کہ وہ جام نگر سے فوجی طیارے میں آرہا ہے یا فوجی گاڑی میں آرہا ہے۔ یہ ساری تفصیل بہت ضروری ہے۔"

رستم بھائی کہنے لگا۔

"میں آج شام اپنے پارسی استاد سے مل کر یہ سب کچھ کسی طریقے سے معلوم کرلوں گا۔ مگر شرط یہ ہے کہ اسے بھی یہ ساری باتیں معلوم ہوں"

میں نے کہا۔

"وہ قلعے کے اندر اپنے مزدور لے جا کر ان سے کام کرواتا ہے مجھے یقین ہے کہ اسے ملٹری انٹیلی جینس کے کیپٹن کی آمد کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہوگا۔ تم اس سے مل کر پوری معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو"

کریم بھائی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ میں نے کمانڈو آپریشن کی حکمت عملی صورت حال کے مطابق بالکل بدل دی تھی۔ جب رستم بھائی دوسرے دن صبح آنے کا کہہ کر چلا گیا تو کریم بھائی مجھ سے پوچھنے لگا کہ میں کس قسم کا پلان بنا رہا ہوں۔ جب میں نے اسے اپنے خفیہ پلان کی تفصیلات بتائیں تو وہ پہلے تو بہت خوش ہوا۔ پھر سوچ میں پڑ گیا۔ کہنے لگا۔

"اس میں خطرہ بہت زیادہ ہے۔ یہ تلوار کی دھار پر ننگے پاؤں چلنے والی سکیم ہے۔ ذرا سی بے احتیاطی ہمارے منصوبے کو خاک میں ملا سکتی ہے"

میں نے کریم بھائی کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

"میرے دوست! مجھے سب سے پہلے اللہ پر اور اس کے بعد اپنی کمانڈو ٹریننگ پر پورا بھروسہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کیپٹن ہری ناتھ فوجی طیارے کے ذریعے آجائے۔ اگر وہ سڑک کے روٹ پر سے آرہا ہو گا تو یقین کرو میرا منصوبہ کبھی ناکام نہیں ہو سکتا"

رات گئے تک میں اور کریم بھائی اپنے نئے کمانڈو آپریشن کی تمام جزئیات پر غور

و فکر کرتے رہے۔ منصوبہ پیچیدہ ضرور تھا۔ اس میں ہر قدم پر راز کے فاش ہو جانے اور میرے پکڑے جانے کا خطرہ تھا لیکن دوسری صورت میں تیر ٹھیک نشانے پر جا کر بیٹھتا تھا۔ رات گیارہ بجے کے قریب کریم بھائی مجھے اپنے جھونپڑی نما کواٹر میں چھوڑ کر اپنے ہائیڈ آؤٹ کی طرف چلا گیا۔ صبح بہت جلدی آ گیا۔ ابھی پو پھٹ رہی تھی۔ اس نے آتے ہی مجھے جگا دیا۔ کہنے لگا۔

"میں رات کو سو نہیں سکا۔ یہی خیال آتا رہا کہ اگر ہمارا منصوبہ ناکام ہو گیا تو یہ جتنے کوبرا ہیلی کاپٹر' میڈیم فیلڈ گنیں اور گولہ بارود جہاز میں آیا ہے اور دوارکا کے قلعے میں ڈمپ ہے یہ سارے کا سارا کشمیری مجاہدین پر استعمال ہو گا"

میں نے کریم بھائی سے کہا۔

"دوست! ایمونیشن سے بھری ہوئی جو گاڑی ہم نے مڈگھاٹ کے سٹیشن پر اڑائی تھی اس کے بارے میں بھی ہم اسی طرح سوچتے تھے۔ مگر اس کا جو حشر ہوا ہے وہ ساری دنیا کو معلوم ہے"

میں نے اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"فکر نہ کرو۔ اگر ہم نے عقل مندی' ہوشیاری اور ثابت قدمی سے کام لیا تو کامیابی ہمارے قدم چومے گی۔ یہ بتاؤ کہ رستم بھائی سراغرسانی کر کے کب آ رہا ہے"

"میرا خیال ہے وہ دوپہر سے پہلے نہیں آئے گا۔ اسے اپنے پارسی ٹھیکدار استاد کے گھر جا کر ساری تفصیلات معلوم کرنی ہوں گی۔ دعا کرو کہ پارسی ٹھیکدار کو یہ ساری باتیں معلوم ہوں"

دوپہر تک کریم بھائی میرے پاس ہی رہا۔ ہم دونوں سادھو جوگیوں کے بھیس میں جھونپڑی کے باہر بیٹھے وہاں سے گذرنے والوں کو دکھانے کے لئے منکوں کی مالا کا جاپ کرتے رہے اور ایک دوسرے سے باتیں بھی کرتے رہے۔

دوپہر کے بعد دور سے ہمیں رستم بھائی آتا نظر آیا۔ کریم بھائی بولا۔

"رستم آ گیا ہے۔ ہمیں جھونپڑی کے اندر چلے جانا چاہئے"

ہم ایک دوسرے کے پیچھے اٹھ کر جھونپڑی کے اندر آ گئے۔ تھوڑی دیر بعد رستم بھائی بھی سیدھا جھونپڑی میں آیا اور ہمارے پاس صف پر بیٹھ گیا۔ میں نے اس کی طرف والیہ نظروں سے دیکھا۔ کریم بھی خاموش تھا۔ رستم بھائی نے کہا۔

"مجھے جو باتیں معلوم ہوئی ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ جو ملٹری انٹیلی جنیس کا کیپٹن ہری ناتھ جام نگر کے فوجی گیریزن سے چیکنگ کے لئے آ رہا ہے یہ پہلے راجپوت رائفلز کی سگنل کور میں تھا۔ دوسری بات جو خاص طور پر میں نے معلوم کی ہے وہ یہ ہے کہ یہ کیپٹن پہلی با دوارکا فورٹ میں چیکنگ کے لئے آ رہا ہے۔ اس سے پہلے وہ فورٹ میں کبھی نہیں آیا۔ تیسری بات یہ معلوم کی ہے کہ کیپٹن ہری ناتھ آج اور کل کا دن چھوڑ کر پرسوں دوپہر کے بعد فوجی جیپ میں اپنے اردلی کے ساتھ جام نگر سے چلے گا اور ماہم پوری اور گادرا سے ہوتا ہوا شام ہونے سے پہلے پہلے دوارکا فورٹ پہنچ جائے گا۔"

میرے لئے یہ معلومات بہت تھیں۔ حقیت یہ ہے کہ مجھے اتنی توقع ہی نہیں تھی جتنی معلومات رستم بھائی حاصل کر کے لے آیا تھا۔ اس کے بعد میں نے رستم کو بھی اپنے کمانڈو آپریشن سے آگاہ کر دیا کہ میں کیا کرنے والا ہوں۔ میں نے ایک بار پھر اس سے پوچھا۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ یہ کیپٹن ہری ناتھ قلعے میں پہلی بار آ رہا ہے اور اسے وہاں کسی فوجی افسر یا جوان نے نہیں دیکھا؟"

رستم بھائی کہنے لگا۔

"میرے پارسی استاد نے اپنی طرف سے جو کھوج لگایا ہے اس کے مطابق تو یہ فوجی افسر پہلی بار دوارکا آ رہا ہے اور اسے وہاں کسی افسر یا جوان نے آج تک نہیں دیکھا"

اس نقطے کے بارے میں مجھے سب سے زیادہ فکر تھا۔ کیونکہ اسی ایک نقطے پر میرے کمانڈو آپریشن کی کامیابی یا ناکامی کا دارومدار تھا۔ میں نے رستم سے کہا۔

"میں چاہتا ہوں اس بارے میں تم ایک بار پھر پوری طرح سے سراغرسانی کرلو کہ یہ ہندو کیپٹن دوارکا فورٹ کے فوجی جوانوں اور افسروں کے لئے بالکل نیا چہرہ ہے۔"

کریم بھائی نے بھی رستم سے یہی کہا کہ وہ پوری طرح اس بارے میں تسلی کرے۔ رستم بولا۔

"پھر میں کل شام کو ہی اس کی بابت آپ کو کچھ بتا سکوں گا"

میں نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ تم کل شام کو یہاں آکر بتا دینا۔ تب تک ہم دوسری ضروری تیاریاں کرتے ہیں۔ دو دن باقی ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ٹارگٹ کا ہم نے تعین کرلیا ہے۔ شکار کو نشانے کی زد میں لے لیا ہے۔ اب صرف ٹریگر ہی دبانا ہے۔"

جب رستم دوسرے دن شام کو آنے کا کہکر چلا گیا تو میں نے کریم بھائی سے کہا۔

"کریم بھائی ہمیں ابھی چل کر جام نگر سے دوارکا آنے والی سڑک کی ریکی کرنی ہو گی اس کا جائزہ لے کر دوارکا کے قریب کوئی ایسی جگہ تلاش کرنی ہو گی جہاں بڑی سڑک میں سے کوئی چھوٹی سڑک نکل کر درختوں جھاڑیوں یا کسی بھی طرف جاتی ہو"

کریم بھائی نے کہا۔

"یہ ساری سڑک میری دیکھی ہوئی ہے۔ ماہم پوری قصبہ آدھے راستے میں ہے۔ گادرا کا قصبہ دوارکا سے سڑک پر بیس تیس میل ہی ہے ہم یہاں کوئی جگہ تلاش کرسکتے ہیں۔"

میں نے کہا۔

"میں یہ کام ابھی کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اس سے پہلے ایک اور ضروری کام بھی ہے جو صرف تم ہی کرسکتے ہو اور تمہیں ہی کرنا ہو گا۔ وہ کام یہ ہے کہ کہیں سے انڈین ملٹری پولیس کے جوانوں کی پوری وردیاں چاہئیں دو پستول بھی بیلٹ کے ساتھ ہوں گے خواہ وہ نقلی ہی کیوں نہ ہوں۔ میں اس کمانڈو آپریشن میں فائرنگ نہیں کروں گا۔ تمہارے پاس ایک چاقو ہونا چاہئے۔ مجھے چاقو کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ انٹیلی جینس کے کیپٹن ہری ناتھ کی وردی خون آلود نہیں ہونی چاہئے۔"

کریم بھائی کچھ دیر غور کرنے کے بعد بولا۔

"فوجی وردیاں یہاں دوارکا میں نہیں ملتیں۔ یہ ہمیں جام نگر کے پرانے بازار سے مل جائیں گی اس کے لئے میں آج ہی جام نگر چلا جاؤں گا کل صبح دونوں وردیاں فوجی یونٹ اور ملٹری پولیس کی خاص ٹوپیاں جن کا انڈین ملٹری پولیس میں اسی سال رواج ہوا ہے لے کر واپس آجاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔ تو پھر اب یہاں سے دوارکا جام نگر سڑک پر چلتے ہیں۔ میرے ساتھ آؤ۔ اب ہمارا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی ہے"

صورت حال کی ایمرجنسی اور نزاکت کا کریم بھائی کو بھی پورا احساس تھا۔ ہم اسی وقت جھونپڑی سے نکلے اور اسی سڑک کی طرف چل پڑے جو دوارکا سے جام نگر کی طرف جاتی تھی۔ جن لوگوں نے یہ علاقہ دیکھا ہوا ہے وہ جانتے ہوں گے کہ یہ علاقہ گھنے جنگلوں والا نہیں ہے بلکہ بنیادی طور پر ڈیلٹے کا دلدلی علاقہ ہے۔ دوارکا کے تین طرف سمندر ہے۔ صرف ایک طرف خشکی ہے۔ شہر سطح سمندر کا پانی اندر تک آگیا ہے۔ کہیں ریت ہی ریت ہے اور کہیں دلدلی میدان شروع ہو جاتے ہیں۔ یہاں جگہ جگہ سمندری جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں۔ جو سڑک جام نگر کو جاتی ہے وہ ساحل سے کافی ہٹ کر ہے مگر جوار بھاٹا کی راتوں میں سمندر یہاں تک بھی مار کرتا ہے اور سڑک ٹریفک کے لئے بند ہو جاتی ہے۔ یہ بات میرے منصوبے کو تقویت پہنچاتی تھی۔

ہم رکشے میں آئے اور سڑک کے شروع میں اترنے کی بجائے رکشے کو لے کر گادرا کی طرف چل دیئے۔ میں سڑک کی دونوں جانب بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ شہر سے کوئی تین چار میل باہر نکلنے کے بعد اچانک ایک جگہ مجھے بڑی سڑک میں سے ایک چھوٹی سی سڑک ناریل اور تاڑ کے جھنڈوں کی طرف جاتی نظر آئی۔ میں نے کریم کو اشارہ کیا اس نے وہیں رکشا رکوا کر اسے پیسے دیئے اور واپس بھیج دیا۔ میں اس جگہ پر آگیا جہاں بڑی سڑک میں سے ایک چھوٹی سڑک نکلتی تھی۔ جام نگر کو جاتی بڑی سڑک کوئی اتنی بڑی سڑک نہیں تھی بقول کریم بھائی کے ماہم پوری سے آگے جا کر یہ سڑک کشادہ ہو جاتی تھی۔ یہاں سے یہ کچھ خستہ حال بھی تھی۔ دونوں جانب تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ناریل اور تاڑ کے درخت آجاتے تھے۔ جو چھوٹی سڑک اس میں سے نکل رہی تھی وہ درختوں کے جھنڈوں اور جھاڑیوں کی طرف جا رہی تھی۔ میں نے آس پاس کے ماحول کا پورا جائزہ لیا اور کریم بھائی سے کہا۔

سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ ایک بیل گاڑی اور ایک ٹرک ضرور گذرا تھا۔ ہم واپس دوارکا آگئے۔ کریم بھائی اس شام کو جام نگر کے لئے روانہ ہو گیا۔ جام نگر میں ایک بازار ہے جس کا نام پرانا بازار ہے۔ اس بازار میں دنیا جہان کی ہر شے مل جاتی ہے۔ کریم بھائی نے یہاں سے وہ سارا سامان اور ملٹری پولیس کی گہرے سبز رنگ کی وردیاں اور ٹوپیاں خریدیں جو اس زمانے میں بھارتی ملٹری پولیس میں جاتی تھیں۔ فوجی بوٹ اور بیلٹ اور ایک نقلی پستول جو ہولسٹر میں بند تھا اور بیلٹ کے ساتھ لگا تھا اور اپنے لئے ایک چاقو بھی خرید لیا۔ وہ اسی رات واپس دوارکا پہنچ گیا۔ مگر مجھے دوسرے دن صبح کے وقت آکر ملا۔ کہنے لگا۔

"میں نے سارا سامان لا کر اپنے ہائیڈ آوٹ میں رکھ لیا ہے۔"

اصل میں پرانا بازار ایک طرح کا لنڈا بازار بھی تھا۔ جس طرح ہمارے لنڈے بازار میں استری کی ہوئی پرانی خاکی فوجی پتلونیں قمیضیں اور فوجیوں کے کاندھوں پر لگائے جانے

والے فیتے اور بٹن وغیرہ مل جاتے ہیں اسی طرح یہ چیزیں پرانے بازار سے بھی مل جاتی تھیں۔ میں نے اسے پاس بٹھا لیا اور کہا۔

"کریم بھائی اب تمہیں احمد آباد بھی جانا ہو گا۔ وہاں سے ٹیبلٹ بم کی گولیاں اور میگنٹ بم بنانے کے لئے ضروری سامان بھی لانا ہے۔ یہ سارا سامان تم نے اپنے احمد آباد والے ویران کواٹر کے تہہ خانے میں رکھا ہوا ہے۔ ہمیں اپنے کمانڈو آپریشن کے لئے اس کی اشد ضرورت ہے۔"

کریم بھائی نے مجھے گھور کر دیکھا۔ پھر ہلکے سے تبسم کے ساتھ کہا۔

"یہ سارا سامان میں اپنے ساتھ ہی لے کر دوارکا آیا تھا۔ تم نے تو اس کا ذکر نہیں کیا تھا مگر مجھے معلوم تھا کہ اس کی ضرورت پڑے گی۔ یہ سامان میں نے اپنے ساتھی رستم بھائی کے مکان پر رکھا ہوا ہے۔"

میں نے بے اختیار ہو کر کریم بھائی کا ہاتھ چوم لیا۔ واقعی یہ شخص انتہائی ذمے دار ماسٹر سپاہی تھا۔ میں نے اسے کہا کہ دو کام بڑے ضروری ہیں جو ہمیں کرنے ہوں گے۔

"پہلا یہ کام ہے کہ ہمیں کسی پوشیدہ جگہ پر بیٹھ کر میگنٹ ٹائم بموں کی طاقت کو کم از کم تین گنا زیادہ طاقتور کرنا ہو گا۔ دوسرے ٹیبلٹ بم کی گولیوں کو سیال شکل دے کر اس کی مدت اور معدے میں جا کر دھماکے سے پھٹنے کے دورانیہ کو چار پانچ منٹ سے بڑھا کر دس پندرہ منٹ کرنا ہو گا"

کریم بھائی بھی میری طرح ہائی ایکسپلوسیوز کا ماہر تھا۔ کہنے لگا۔

"یہ کام بھی جلد ہو جائے گا۔ اس کی تم فکر نہ کرو۔ اگر کسی شے کی ضرورت پڑی تو دوارکا شہر کے ایک بازار میں تیزاب اور قلمی شورہ وغیرہ ہر شے مل جاتی ہے۔"

سہ پہر کے وقت رستم گوہا یا رستم بھائی نے آنے کے لئے کہا ہوا تھا۔ وہ بھی آگیا۔ اس نے آکر اس بات کی تصدیق کر دی کہ ملٹری انٹیلی جنیس کا کیپٹن ہری ناتھ پہلی ہی بار دوارکا کے فورٹ کے اسلحہ کے ذخیرہ کا دورہ کرنے اور سیکورٹی کی چیکنگ کے لئے آرہا ہے۔

اس تصدیق نے میرے کمانڈو مشن کے بلیو پرنٹ کو مکمل کر دیا۔ اب اس پر عمل کرنا ہی باقی تھا۔ رستم نے کیپٹن ہری ناتھ کے جام نگر سے بذریعہ سڑک روزانہ ہونے کی جو تاریخ بتائی تھی اس میں صرف ایک دن باقی رہ گیا تھا۔ اپنے شیڈول کے مطابق وہ دوسرے روز تیسرے پہر دوارکا فورٹ پہنچنے والا تھا۔

کریم بھائی میری سکیم سے پوری طرح واقف تھا۔ اس بڑے اہم مگر خطرناک کمانڈو آپریشن میں اسے میرے ساتھ رہنا تھا۔ رستم بھائی کو ہم نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ اپنے کمانڈو مشن کے لئے ہمیں ایک ملٹری ایم پی جیپ کی بھی ضرورت تھی مگر اس کا انتظام ہونا مشکل تھا۔ میں نے ملٹری جیپ کے بغیر ہی پوری سکیم ذہن میں تیار کر لی تھی۔

اب ہمیں اسپرو ٹیبلٹ قسم کے چھوٹے مگر انتہائی دھماکہ خیز آتشیں بم تیار کرنے تھے۔ جیسا کہ میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔ حسن گل نے مجھے کمانڈو ٹریننگ کے دوران ہائی ایکسپلوسویز کی بھی پوری تربیت دی تھی۔ اسپرو ٹیبلٹ بم تو پندرہ کے پندرہ ابھی تک ویسے ہی کریم بھائی کے احمد آباد والے کوارٹر کے تہہ خانے میں پڑے تھے۔ اس کا نسخہ بھی وہیں پڑا تھا۔ لیکن ہمیں طاقتور بم بنانے کا فارمولا آتا تھا۔

ہم نے رستم بھائی کو واپس بھیج دیا اور خود بازار میں کیمیکلز وغیرہ کا ضروری سامان خریدنے چل دیئے۔ میں آپ کو اس کی پوری تفصیل نہیں سناؤں گا۔ بس یوں سمجھ لیں کہ ہم نے آدھا دن اور آدھی رات لگا کر پندرہ انتہائی طاقتور دھماکہ خیز آتش گیر بم تیار کر لئے۔ یہ بم چیونگ گم کی شکل میں تھے اور میں نے اسے کھانسی کی گولیوں والے چوکور پیکٹ میں بند کر کے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ اس وقت دن کا ایک بج رہا تھا۔ کریم بھائی بھی میرے ساتھ سمندری چٹان والی ہائیڈ آوٹ میں ہی تھا۔ تمام متعلقہ سامان ہم وہاں ساتھ لے آئے تھے۔ ٹھیک دو بجے ہم نے کمانڈو آپریشن کی تیاری شروع کر دی۔ میری ڈاڑھی مونچھ جو بڑھی ہوئی تھی انہیں بڑے مناسب اور شائستہ حد تک ترشوا لیا تھا۔ بال جو گردن تک آئے ہوئے تھے ان کی بھی ایسی حجامت بنوا لی تھی جیسی فوجی افسروں کی ہوا کرتی ہے۔ ہم نے ملٹری پولیس کے جوانوں کی وردی پہن لی۔ سر پر ملٹری پولیس کی سرخ

بیرٹ کیپ رکھ لی۔ ہاتھوں میں سفید دستانے پہن لئے۔ بازوؤں کے ساتھ ایم پی M.P کے سرخ بلے لگا لئے۔ ہم دنوں کی بیلٹ کے ساتھ پستول کے ہولسٹر لگے ہوئے تھے۔ میرے ہولسٹر میں نقلی پستول تھا جب کہ کریم بھائی کے ہولسٹر میں اصلی بھرا ہوا پستول تھا۔ یہ ہنگامی صورت حال کے لئے تھا۔ کریم کو میں نے ایک کمانڈو چاقو بھی دے دیا تھا۔

کریم بھی ایک تربیت یافتہ کمانڈو تھا۔ میری پتلون کی جیب میں دو بڑی اہم چیزیں تھیں۔ ایک ڈبی جس میں پندرہ چیونگ گم کی گولیوں کی طرح کے دھماکہ خیز بم تھے اور ایک نائیلون کی مضبوط باریک رسی کا ٹکڑا تھا۔ میں نے اپنے پاس اصلی پستول یا کمانڈو چاقو اس لئے نہیں رکھا تھا کہ مجھے یہ چیزیں اپنے کمانڈو آپریشن میں کم از کم کیپٹن ہری ناتھ پر استعمال نہیں کرنی تھیں۔ ہمارے پاؤں میں فوجی بوٹ تھے جس کے اندر پتلون کے پائنچے دے کر ہم نے تسمے باندھ لئے۔ جب ہم پوری طرح تیار ہو کر ہائیڈ آوٹ سے باہر نکلے تو ہم پورے انڈین ملٹری پولیس کے فوجی جوان لگ رہے تھے۔

ہم ساحلی چٹانوں کے پیچھے سے ہو کر بڑی سڑک پر آ گئے۔ یہاں ہم نے ایک ٹیکسی لی اور دوارکا سے جام نگر جانے والی سڑک کی طرف روانہ ہو گئے۔ سڑک پر آ کر ہم اپنے سپاٹ سے کوئی آدھ فرلانگ پیچھے ہی اتر گئے۔ یہاں سے ہم پیدل چلتے جام نگر دوارکا روڈ پر اس جگہ آ گئے جہاں سے ایک پتلی سڑک نکل کر تاڑ ناریل کے درختوں اور اونچی اونچی جھاڑیوں کی طرف چلی گئی تھی۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں ہمیں کمانڈو ایکشن شروع کرنا تھا۔ جہاں ہمیں اسلام، پاکستان اور کشمیری مجاہدین کے لئے اپنی جان کی بازی لگانی تھی۔ اس وقت ہمیں اگر کوئی فکر یا پریشانی تھی تو صرف اس بات کی تھی کہ کہیں ملٹری انٹیلی جینس کے کیپٹن ہری ناتھ نے اپنا شیڈول نہ تبدیل کر لیا ہو اور وہ نہ آئے۔ میں نے بھی اس کیپٹن کی شکل نہیں دیکھی تھی۔ بس اندازے سے مجھے اس کی شناخت کرنی تھی اور فوجی جیپ دیکھ کر اسے روکنا تھا۔

اس دوران سڑک پر سے ایک فوجی ٹرک گذرا جو جام نگر کی طرف سے آ رہا تھا۔ اس میں بیٹھے ہوئے انڈین فوجیوں نے ہماری طرف دیکھ کر ہاتھ ہلائے۔ ہم نے بھی ہاتھ

ہلا کر جواب دیا۔ وہ ہمیں انڈین ملٹری پولیس کے جوان سمجھ رہے تھے۔ فوجی ٹرک کے ڈرائیور نے ایم پی کے دو جوانوں یعنی ہمیں دیکھ کر ٹرک روکنا چاہا تھا مگر ہم نے اشارہ کیا کہ گذر جاؤ۔ وہ یہی سمجھے تھے کہ ہم چیکنگ کے لئے کھڑے ہیں۔ اسی وقت دن کی روشنی کم ہونا شروع ہو گئی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ کیپٹن ہری ناتھ کی جیپ کو اگر آنا ہے تو وہ شام کا اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے آجائے۔ اندھیرا ہو جانے پر جیپ کی ہیڈ لائٹس روشن ہوں گی اور ان کی روشنی میں فوجی جیپ کی دور سے پہچان مشکل ہو گی۔ ہم سڑک کی ایک جانب کھڑے تھے۔ کریم بھائی خاموش تھا اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد میری طرف دیکھ لیتا تھا۔ ہماری نظریں جام نگر کو جاتی سڑک پر لگی تھیں۔ جام نگر کی طرف سے لاریاں بیل گاڑیاں اور ٹرک وغیرہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے گذر جاتے تھے اس کے بعد سڑک کچھ وقت کے لئے بالکل خالی ہو جاتی تھی۔ کریم کہنے لگا۔

"کہیں کیپٹن نے شیڈول تو نہیں بدل لیا؟"

میں نے دور سڑک پر نگاہیں جما رکھی تھیں۔ میں نے اسی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔ اگر وہ کل یا پرسوں آنے والا ہو گا تو ہم کل یا پرسوں بھی اس جگہ اس کے سواگت کو موجود ہوں گے۔ بس یہ دعا کرو کہ وہ ٹرین یا ہوائی جہاز سے نہ آجائے ایسی صورت میں ہمارا کمانڈو مشن فیل ہو جائے گا۔"

دن کی روشنی مزید کم ہو گئی تھی۔ سورج دوارکا شہر کے پیچھے غروب ہو رہا تھا۔ میں مسلسل سڑک پر دور تک دیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اچانک مجھے دور سڑک پر ایک سیاہ دھبہ سا ابھرتا نظر آیا۔ یہ دھبہ آہستہ آہستہ بڑا ہوتا گیا۔ میں نے کریم بھائی سے کہا۔

"دوست! الرٹ ہو جاؤ"

کریم بھائی سڑک کی دوسری جانب جا کر بالکل میرے متوازی فوجی جوانوں کی طرح اٹن شن کھڑا ہو گیا۔ میری نظریں مسلسل اس دھبے کو دیکھ رہی تھیں جو دور تک سیدھی سڑک پر اب واضح ہو گیا تھا۔ یہ فوجی جیپ تھی۔ میں نے اپنے دستانے والے ہاتھوں کی انگلیوں کو ورزش کے انداز میں دو تین بار حرکت دی اور اٹن شن ہو گیا۔ میں نے کریم

بھائی سے کہا۔

"ٹارگٹ قریب آرہا ہے۔ میں بات کروں گا او کے"

"او کے"

کریم نے جواب میں کہا اور خاموش ہو گیا۔

فوجی جیپ میں ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہوا مجھے ایک فوجی افسر اور پیچھے والی سیٹ پر بیٹھا ہوا دوسرا فوجی صاف نظر آرہا تھا۔ میں جلدی سے سڑک کے درمیان میں آگیا اور ٹریفک سارجنٹ کی طرح بایاں ہاتھ اوپر اٹھا کر دائیں ہاتھ سے چھوٹی سڑک کی طرف اشارہ دیا۔ فوجی جیپ سڑک سے اتر کر اس جگہ کھڑی ہو گئی جہاں سے چھوٹی سڑک بڑی سڑک سے نکل کر ناریل کے جھنڈوں اور اونچی جھاڑیوں کی طرف جاتی تھی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر انڈین فوج کے کیپٹن کی ہری وردی میں ملبوس ایک درمیانے قد کاٹھ کا آدمی بیٹھا تھا۔ اس نے انگریزی میں چلا کر پوچھا۔

"کیا بات ہے جوان؟"

میں کوئیک مارچ کرتا جیپ کے پاس گیا۔ ایڑیاں جوڑ کر بڑے زور سے کیپٹن کو سلیوٹ مارا۔ کریم بھائی بھی میرے پیچھے پیچھے اسی طرح قواعد کرتا آیا اور اس نے بھی زور سے سلیوٹ کیا۔ میں نے کہا۔

"سر! مجھے دوارکا گیریزن کے آفیسر کمانڈنگ صاحب نے آپ کو لینے بھیجا ہے۔ سر آپ کا شبھ نام کیپٹن ہری ناتھ ہے نا؟"

کیپٹن ہری ناتھ نے بیزاری سے کہا۔

"میں کیپٹن ہری ناتھ ہی ہوں مگر ادھر تم جانگلیوں نے ہمیں کس لئے روکا ہے؟"

میں نے ایک بار پھر ایڑیاں جوڑ کر سلیوٹ مارا اور کہا۔

"سر! آگے سڑک پر سمندر کی باڑ کا پانی آگیا ہے۔ سڑک ڈوب گئی ہے۔ میں آپ کو گائیڈ کروں گا سر۔ ہم اس چھوٹی سڑک سے ہو کر جائیں گے سر!"

کیپٹن ہری ناتھ نے سخت بیزاری کے انداز میں سر ہلایا اور پوچھا۔

"تمہاری جیپ کہاں ہے؟"

میں نے فوراً اٹن شن ہو کر جواب دیا۔

"سر! آگے بڑی سڑک پر کھڑی ہے سر"

کیپٹن ہری ناتھ نے اپنے اردلی سے کہا۔

"ایک جوان کو پیچھے بٹھالو۔"

اور میری طرف اشارہ کر کے کہا۔

"تم یہاں آجاؤ۔ جلدی کرو۔ ڈبل سے"

ہم ڈبل سے چلتے جیپ میں آکر بیٹھ گئے۔ کریم بھائی پچھلی سیٹ پر اردلی کے ساتھ بیٹھ گیا۔ میں اگلی سیٹ پر کیپٹن ہری ناتھ کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ میں نے جس زاویے سے اٹیک کرنا تھا وہ زاویہ بنالیا تھا۔ کریم بھائی کی طرف دھیان دینے کا میرے پاس وقت نہیں تھا۔ کیپٹن ہری ناتھ نے سخت بد دلی کے ساتھ انگریزی میں گالی دیتے ہوئے جیپ چھوٹی سڑک پر ڈالی اور اس کا رخ ناریل کے درختوں کی طرف کر دیا۔ میں نے صرف آدھے سیکنڈ کے لئے گردن گھما کر پیچھے دیکھا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ پیچھے بڑی سڑک خالی ہے کہ نہیں۔ بڑی سڑک شام کے دھندلکے میں خالی پڑی تھی۔ میں نے دیکھ لیا تھا کہ کیپٹن ہری ناتھ کا پستول ہولسٹر میں بند اس کی بیلٹ کے ساتھ لگا تھا۔ مجھے جو کچھ کرنا تھا پلک جھپکنے میں کرنا تھا۔ اور کیپٹن ہری ناتھ پلک جھپکنے میں ہولسٹر میں سے پستول نکال کر مجھ پر فائر نہیں کر سکتا تھا۔

میرے مضبوط بازوؤں کی مچھلیاں پھڑپھڑانے لگی تھیں۔ ٹارگٹ میرے پہلو میں بیٹھا تھا۔ سوچنے کا وقت گذر چکا تھا۔ اب ایکشن کا وقت تھا۔ ایک بجلی کو اچانک چمکنا تھا اور کیپٹن ہری ناتھ پر قہر بن کر ٹوٹ پڑنا تھا۔ جیسے ہی کیپٹن ہری ناتھ نے جیپ کو چھوٹی سڑک پر بائیں جانب موڑا ایک خاموش بجلی چمکی۔ اور کیپٹن ہری ناتھ کی گردن میرے فولادی بازو کے شکنجے میں تھی۔ گردن کو شکنجے میں لینے اور زبردست جھٹکے سے گردن کے منکے کو

توڑ دینے کا عمل ایک ہی تھا۔ مجھے گردن کی ہڈی کے ٹوٹنے کی بڑی ہلکی سی آواز سنائی دی تھی۔ جیپ بے قابو ہو کر جھاڑیوں میں گھس گئی۔ میں نے پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ اس دوران کریم بھائی بھی اپنا کام کر چکا تھا۔ کیپٹن ہری ناتھ کا بے جان سر ڈرائیونگ وہیل پر ٹکا تھا۔ اس کے اردلی کا سر کریم بھائی کی گود میں جھکا ہوا تھا۔ میرا خیال تھا شاید اسے کمانڈو چاقو استعمال کرنا پڑے۔ مگر اس نے بھی ایک تجربہ کار تربیت یافتہ کمانڈر کی طرح اردلی کی گردن توڑ کر اسے بے آواز موت مار دیا تھا۔ ہم چھلانگیں لگا کر جیپ سے باہر نکل آئے۔ میں نے کریم سے کہا۔

"لاشوں کو جھاڑیوں میں لے چلو"

ہم کیپٹن ہری ناتھ اور اس کے اردلی کی لاشوں کو گھسیٹ کر جھاڑیوں میں لے گئے۔ میں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنی ملٹری پولیس والی وردی اتار ڈالی۔ اس دوران کریم بھائی نے کیپٹن ہری ناتھ کی وردی اتار دی تھی۔ میں نے جلدی جلدی کیپٹن کی وردی پہن لی۔ اس کی فوجی پتلون مجھے ذرا چھوٹی تھی۔ اس کا حل میں نے یہ نکالا کہ اپنے ملٹری پولیس والے فوجی بوٹ نہ اتارے اس طرح فوجی بوٹوں کا اوپر والا حصہ میرے ٹخنوں کے اوپر پتلون کے چھوٹے پائینچوں تک چلا گیا۔ درختوں میں شام کا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ میں نے کیپٹن کی بش شرٹ کی تلاشی لی۔ ایک بٹوہ نکلا۔ اس میں اس کی پاس بک اور آئی ڈی کارڈ تھا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ آئی ڈی کارڈ پر اس کی تصویر نہیں لگی ہوئی تھی۔ کچھ انڈین کرنسی تھی۔ ہندی میں لکھا لفافے سمیت ایک خط تھا جس کو پڑھنے کی مجھے فرصت نہیں تھی۔ جب میں پورا کیپٹن ہری ناتھ بن گیا تو میں نے اپنی پہلی وردی کی جیب میں سے چیونگ گم دھماکہ خیز بموں کی ڈبی نکال کر پتلون کی پچھلی جیب میں سنبھال کر رکھی اور کریم بھائی سے کہا۔

"ان لاشوں اور جیپ کا اس جگہ رہنا ٹھیک نہیں۔ صبح لوگ انہیں دیکھ سکتے ہیں"

کریم بھائی نے ایک طرف اندھیرے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"انہیں لے کر ادھر چلتے ہیں۔ وہاں ایک جگہ ہے"

ہم نے دونوں لاشوں کو جیپ کی پچھلی سیٹ پر ڈالا اور جیپ سٹارٹ کر کے اس طرف جھاڑیوں میں چلے جدھر کریم بھائی نے چلنے کے لئے کہا تھا۔ کچھ دور چلنے کے بعد جھاڑیاں ختم ہو گئیں اور شام کے بڑھتے ہوئے اندھیرے میں ایک تالاب سا آ گیا جس کی سطح پر چوڑے چوڑے پتوں والی بیلیں پھیلی ہوئی تھیں۔ کریم بھائی نے وہیں جیپ رکوائی اور کہا۔

"یہ دلدلی تالاب ہے۔ اس میں پھینکی ہوئی لاشوں کی ہڈیاں بھی قیامت تک باہر نہ آ سکیں گی"

ہم نے کیپٹن ہری ناتھ اور اس کے اردلی کی لاشوں کو دلدلی تالاب میں پھینک دیا اور وہاں کھڑے انہیں دیکھنے لگے۔ لاشیں آہستہ آہستہ بیلوں کے پتوں میں اترنے لگیں۔ اور دونوں لاشوں کو تالاب کی دلدل نے نگل لیا۔ ہم جیپ میں بیٹھ گئے۔ میں خود جیپ ڈرائیو کر رہا تھا۔ کریم بھائی ملٹری پولیس کے سنتری کی وردی میں پچھلی سیٹ پر بیٹھا تھا۔ جیپ بڑی سڑک پر آ کر دوارکا شہر کی طرف روانہ ہوئی تو میں نے کریم بھائی سے کہا۔

"تم اب واپس اپنے ہائیڈ آؤٹ میں جا کر یہ وردی بدل کر دوبارہ سادھوؤں والا بھیس اختیار کرو گے۔ آگے جو بھی کرنا ہے مجھے خود ہی کرنا ہو گا۔ تم مجھ سے رابطہ قائم نہیں کرو گے۔ مجھے کچھ نہیں پتہ قلعے کے اندر جانے کے بعد کس قسم کے حالات پیدا ہوتے ہیں۔ وہاں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ میں نے جس ہندو کیپٹن ہری ناتھ کو قتل کرنے کے بعد اس کی وردی پہنی ہوئی ہے اس کے آگے پیچھے کے بارے میں مجھے کچھ بھی علم نہیں ہے۔ مجھے صرف اتنا معلوم ہے کہ میں انٹیلی جینس کا کیپٹن ہری ناتھ ہوں۔ جام نگر ہیڈ کوارٹر سے دوارکا فورٹ میں جہاز سے لائے ہوئے فوجی ساز سامان اور گولا بارود کی چیکنگ کرنے آیا ہوں۔ اس سے پہلے میرا تعلق راجپوت رائفلز کی سگنل کور سے تھا۔ میں شادی شدہ ہوں یا نہیں میرے ماں باپ بہن بھائی کون ہیں؟ میں کس شہر کا رہنے والا ہوں؟ ان باتوں کا مجھے کوئی علم نہیں ہے۔ اگرچہ میں ان تمام باتوں سے بچ کر چلوں گا مگر کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ ذرا سی بھول میرا بھانڈا پھوڑ سکتی ہے۔ اس لئے تم میری فکر نہ کرنا۔ اگر میں اپنے مشن میں کامیاب ہو گیا اور زندہ رہا تو تمیں تمہارے ہائیڈ آؤٹ میں آ کر ہی ملوں گا۔ اگر مر گیا تو پھر اگلے جہان خدا کے دربار میں ملاقات ہو گی۔۔۔۔"

میں جان بوجھ کر جیپ آہستہ آہستہ چلا رہا تھا تاکہ دوارکا کے فوجی اڈے پر اس وقت پہنچوں جب رات کا اندھیرا ہو گیا ہو۔ میں ساتھ ساتھ کریم بھائی سے باتیں بھی کرتا جا رہا تھا۔ میں نے کہا۔

"ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ دوارکا فورٹ میں جو فوجی یونٹ ہے اس کے کسی سپاہی یا افسر نے اصلی کیپٹن ہری ناتھ کو دیکھ رکھا ہو۔ ایسی صورت میں بہت ممکن ہے کہ میں قلعے میں داخل ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی گرفتار کر لیا جاؤں۔ میرا جرم صرف یہی نہیں ہو گا کہ میں وہاں بھارتی فوج کی جاسوسی کرنے آیا تھا بلکہ مجھ پر انڈین فوج کے ایک افسر کا قتل بھی ثابت ہو جائے گا خواہ اس افسر کی لاش ملے یا نہ ملے۔ میں جانتا ہوں مجھے شدید ٹارچر کے اذیت ناک مرحلوں سے گزرنا پڑے گا۔ میں ان کے ٹارچر سے نہیں ڈرتا ٹارچر تو میں جب تک برداشت کر سکا تم لوگوں کا نام زبان پر لائے بغیر برداشت کر لوں گا۔ جب برداشت نہ کر سکا تو اپنی جان اپنے مالک کے حوالے کر دوں گا۔ لیکن اس بات کا افسوس اپنے ساتھ لے کر جاؤں گا کہ میں اپنے مشن میں کامیاب نہ ہو سکا۔ لیکن مجھے پورا یقین ہے کہ ایسا نہیں ہو گا۔ خواہ مجھے ہزار بار اپنی جان قربان کرنی پڑے میں اپنے ٹارگٹ کو مار کر ہی جان دوں گا"

ہماری فوجی جیپ اب شہر میں داخل ہو گئی تھی۔ شہر میں بتیاں روشن تھیں۔ میں نے کریم بھائی سے کہا۔

"تم دوارکا قلعے تک میری راہ نمائی کرو گے۔ اس کے بعد تم چلے جاؤ

گے۔ او کے؟"

مجھے دن کے وقت اس نے دوار کا فورٹ ایک بار دکھایا تھا۔ اس اندازے سے میں فوجی جیپ کو شہر کے سب سے بڑے بازار سے نکال کر لے گیا۔ تالاب والے مندر کے پاس پہنچ کر میں نے اس سے پوچھا کہ اب کدھر جانا ہے۔ کریم بھائی نے مجھے بائیں طرف مڑنے کو کہا۔ میں نے اس طرف جیپ کو موڑ لیا۔ یہاں سمندر کی طرف سے ہوا آ رہی تھی۔ شہر کی روشنیاں پیچھے رہ گئی تھیں اور دور دوار کا قلعے کی روشنیاں نظر آنے لگی تھیں۔ ان روشنیوں کی طرف اشارہ کر کے کریم بھائی نے کہا۔

"یہ سڑک سیدھی دوار کا فورٹ کو جاتی ہے"

میں نے وہیں ایک جانب جیپ روک لی کریم بھائی جیپ سے اتر پڑا۔ میں بھی جیپ سے اتر آیا۔ یہاں روشنی نہیں تھی۔ صرف فوجی جیپ کی ہیڈ لائیٹس کی ہی روشنی تھی۔ کریم بھائی نے آگے بڑھ کر مجھے گلے لگا لیا اور بولا۔

"تمہیں اللہ کے سپرد کیا"

میں نے مسکراتے ہوئے گرم جوشی سے اس سے ہاتھ ملایا۔ کریم بھائی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے ایڑیاں جوڑ کر مجھے سلیوٹ کیا۔ میں نے بھی اسی طرح اس کے فوجی سلیوٹ کا جواب دیا۔ جیپ میں بیٹھا اور اسے تیزی سے نکال کر آگے لے گیا۔ دوار کا قلعے کی روشنیاں قریب آ رہی تھیں۔ میرے لئے ایک نئے ڈرامے کی سٹیج پر پردہ اٹھنے والا تھا۔ مجھے اس ڈرامے میں اپنے نئے کردار کو اس طرح نبھانا تھا کہ میرا کردار اصلی معلوم ہو۔ ڈرامہ دیکھنے والوں کو ایک لمحے کے لئے بھی شک نہ پڑے کہ میں اداکاری کر رہا ہوں۔ ڈرامہ نقلی تھا۔ میرا کردار نقلی تھا۔ مگر سٹیج اصلی تھا۔ ڈرامہ دیکھنے والے اصلی تھے۔ اگر ذرا سی بھی بھول چوک ہو گئی تو دیکھنے والے مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ پھر میری موت' میرے مشن کی موت یقینی تھی۔ جیپ دوار کا قلعے کے اور قریب ہو گئی تھی۔ قلعے کی پرانی دیوار اور بڑے گیٹ پر لگی ہوئی روشنیاں اب صاف نظر آنے لگی تھیں۔

میں نے کلمہ شریف پڑھ کر اپنے سینے پر پھونک ماری اور جیپ کی رفتار تیز کر دی۔

چند لمحوں کے بعد میری فوجی جیپ قلعے کے دروازے پر تھی۔ قلعے کا پرانا دروازہ تھا۔ صرف بیریئر لگا ہوا تھا۔ دونوں جانب ملٹری پولیس کے چاق و چوبند فوجی جوان کھڑے تھے۔ اوپر والی فلڈ لائیٹ کی تیز روشنی میں انہوں نے فوجی جیپ کو دیکھا تو ان میں سے ایک جوان مارچ کرتا میری جیپ کے پاس آیا۔ اس نے میری وردی اور کاندھے پر لگے ہوئے کپتانی کے نشان کو دیکھ کر سلیوٹ مارا۔ میں نے بٹوے میں سے اپنا آئی ڈی کارڈ نکال کر تیز فوجی لہجے میں کہا۔

"کیپٹن ہری ناتھ شرما۔ ملٹری انٹیلی جینس"

فوجی جوان نے میرے کارڈ کو بالکل چیک نہ کیا۔ دوڑ کر بیریئر اٹھا دیا۔ میری جیپ ان کے قریب سے گذر کر قلعے میں داخل ہوئی تو دونوں نے صرف ایڑیاں بجا کر میری تعظیم کی۔ ملٹری گارڈ نے اندر کوارٹر گارڈ والوں کو فون پر میری آمد کی اطلاع کر دی تھی۔ جب میری جیپ کوارٹر گارڈ کے قریب آئی جہاں رجمنٹ کے فلیگ سٹے ساتھ ہی بھارت کا قومی پرچم لہرا رہا تھا اور تیز روشنیاں ہو رہی تھیں تو دو فوجی تیز تیز قدم اٹھاتے کوارٹر گارڈ سے نکل کر میری طرف بڑھے۔ میں نے جیپ روک لی۔ ان میں سے ایک میجر رینک کا اور دوسرا کیپٹن رینک کا افسر تھا۔

میں بڑے اطمینان کے ساتھ جیپ میں سے اتر کر ان کی طرف بڑھا۔ میرے ڈرامے کا پہلا سین شروع ہو گیا تھا۔ صرف ایک انتہائی نازل اور انتہائی خطرناک پردہ حائل تھا کہ ان میں سے کسی نے اصلی کیپٹن ہری ناتھ کو دیکھا ہوا نہ ہو۔ مگر ایسی بات نہیں تھی۔ ہم تینوں نے ایک دوسرے کو سلیوٹ کیا۔ میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے میجر سے انگریزی میں کہا

"میں کیپٹن ہری ناتھ ہوں۔"

میجر اور دوسرے کیپٹن نے باری باری مجھ سے فوجی انداز میں زوردار مصافحہ کیا اور کہا۔

"میں میجر ڈیو پٹیل ہوں اور یہ کیپٹن شوپرشاد ہے"

ہم انگریزی میں ہی باتیں کرتے کوارٹر گارڈ کے کمرے کی طرف بڑھے۔ میجر پٹیل کہہ رہا تھا۔

"ہمیں جام نگر سے جو اطلاع ملی تھی اس کے مطابق ہمیں سہ پہر سے تمہارا انتظار تھا کیا راستے میں کوئی ٹریفک جام تھا کیپٹن؟"

میں نے بے نیازی سے کہا۔

"نہیں ایسی بات نہیں تھی۔ میں جام نگر ہی سے لیٹ چلا تھا۔"

میجر پٹیل اور کیپٹن پرشاد کا رویہ میرے ساتھ انتہائی نرم اور بڑے گرم جوش میزبانوں والا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ملٹری انٹیلی جنیس کا کیپٹن تھا اور ان کے سنٹر کی چیکنگ کے لئے آیا تھا۔ فوجی ایمونیشن ڈپوؤں میں کسی قسم کی ہیرا پھیری نہیں ہوا کرتی۔ سیکورٹی کے معاملے میں یا کہیں فوجی ڈسپلن کے معاملے میں کوئی خامی پکڑی جا سکتی ہے اور فوجی اعتبار سے یہ ناقابل معافی جرم ہوتا ہے اور افسروں اور فوجی عہدیداروں کی ترقیاں رک جاتی ہیں۔

کوارٹر گارڈ میں میرے لئے ٹھنڈے مشروب کا خاطر خواہ انتظام کیا گیا تھا۔ دو فوجی جوان خدمت پر مامور تھے۔ ہم کوارٹر گارڈ کے عقبی لان میں بیٹھ گئے۔ میز پر شمپین وہسکی اور بیئر کی بوتلیں رکھی تھیں۔ میجر پٹیل نے انگریزی میں ہی کہا۔

"سر اردلی تمہارے ساتھ کیوں نہیں آیا؟"

میں نے کہا۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ وہ تو آنے کو تیار تھا مگر میں نے خود ہی اسے روک دیا۔ کہا کہ اتنا لمبا سفر نہیں ہے جام نگر سے دوارکا تک ہی جانا ہے"

میجر پٹیل نے شراب کی بوتلوں والی ٹرالی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے مجھ سے پوچھا۔

"کیپٹن! بیئر شوق کرو گے یا وسکی چلے گی"

میں نے معذرت پیش کرتے ہوئے کہا۔

"سوری میجر! میں ڈرنک نہیں کرتا"

وہ ہنسنے لگا اور انگریزی میں ہی بولا۔

"مجھے حیرت ہوئی ہے"

میں نے بھی انگریزی میں ہی مگر ذرا سخت لہجے میں کہا۔

"اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں ہونی چاہئے۔ ہمارے مہان نیتا مہاتما گاندھی جی بھی ڈرنک نہیں کرتے تھے۔"

میجر پٹیل شرمندہ سا ہو کر سر کھجانے لگا۔ پھر اس نے اپنے لئے اور کیپٹن پرشاد کے لئے گلاس میں برف اور وسکی ڈال کر سوڈا ڈالا اور بولا۔

"آئی ایم سوری کیپٹن! ہم صرف رات کو تھوڑا سا شوق کر لیتے ہیں۔"

میں نے انہیں سخت لہجے میں یاد دلایا تھا کہ میں یہاں ان کے جونیر عہدیدار کی حیثیت سے نہیں آیا بلکہ ان کی کارکردگی' ان کے ڈسپلن اور وہاں کی سیکورٹی کا جائزہ لینے آیا ہوں اور میری رپورٹ پر ان کی ترقیاں رک سکتی ہیں ویسے بھی ملٹری انٹیلی جنیس والوں سے دوسری رجمنٹوں کے افسر لوگ ذرا گھبراتے ہیں اور ان کے سامنے محتاط ہو جاتے ہیں۔ میرے لہجے کی سختی کو ان دونوں نے بھی محسوس کیا تھا اور اب ان کا رویہ خوشامدانہ ہو گیا تھا۔

کیپٹن پرشاد نے میرے لئے لیمن جوس کا گلاس بنا کر مجھے پیش کیا اور کہا۔

"سر! آپ ایمونیشن وغیرہ کی چیکنگ ابھی کرنا پسند کریں گے یا۔۔۔"

میں نے کہا۔

"ایسی کوئی جلدی نہیں ہے۔ یہ کام صبح بھی ہو سکتا ہے"

میجر پٹیل نے کھسیانی ہنسی کے ساتھ کہا۔

"سر! آپ رات کو کھانے پر کیا پسند کریں گے۔ ڈنر پر آپ کو دوسرے افسروں سے بھی ملانا ہے۔ ہم سب آپ کا بے تابی سے انتظار کر رہے تھے"

معلوم ہوا کہ میجر ڈیو پٹیل اس فوجی سنٹر کا کمانڈنگ آفیسر ہے اور وہاں بھاری تعداد میں فوج کی نفری موجود ہے۔ ڈنر پر میرا دوسرے فوجی افسروں سے تعارف کرایا گیا۔ ان میں دو تین میجر تھے باقی کیپٹن اور لفٹیننٹ تھے۔ کسی فوجی افسر کی فیملی ان کے ساتھ نہیں تھی۔ ڈنر پر میں بڑا سنجیدہ بنا رہا اور کسی سے زیادہ بات نہ کی۔ اس بات کو دیکھ کر مجھے بڑی تسلی ہو گئی تھی کہ یہاں اصلی کیپٹن ہری ناتھ کو پہلے کسی نے بھی نہیں دیکھا ہوا تھا۔ اس کے باوجود خطرے کی تلوار جبکہ تلواریں میرے سر پر لٹک رہی تھیں۔ سب سے بڑی تلوار اصلی کیپٹن ہری ناتھ کے گھر والوں کی تھی۔ اگر جام نگر میں اس کی بیوی موجود تھی تو خطرہ تھا کہ وہ اپنے خاوند کے خیریت سے دوارکا پہنچ جانے کی بابت معلوم کرنے جام نگر سے ٹیلی فون کر دے۔ یا اس کے گھر میں سے کوئی اس کی خیریت معلوم کرنے کے لئے فون نہ کر دے۔ بہر حال میں نے اس بارے میں پہلے سے ذہن میں سوچ لیا ہوا تھا کہ ایسی صورت میں مجھے کیا کرنا ہو گا۔ لیکن ایک بات واضح تھی کہ مجھے وہاں جو کچھ بھی کرنا تھا جلدی کرنا چاہئے تھا۔ میں وہاں زیادہ دیر تک رکے رہنے اور ڈرامہ کرتے رہنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ کیونکہ میرا بھانڈا کسی وقت بھی کسی بھی بات پر پھوٹ سکتا تھا۔

آفیسر کمانڈنگ میجر پٹیل نے میرے لئے رہائش کا بھی بڑا اعلیٰ بندوبست کر رکھا تھا۔ آفیسر میس کے رہائشی کوارٹرز کا سب سے خوبصورت کوارٹر میرے لئے پہلے سے تیار کر رکھا تھا۔ دو کمرے تھے۔ بیڈ روم۔ ڈرائینگ روم۔ باتھ روم ساتھ ہی تھا۔ سفید چادریں بیڈ پر بچھی تھیں۔ اردلی میری خدمت کو موجود تھا۔ میجر پٹیل مجھے ساتھ لے کر بیڈ روم دکھانے آیا تو کہنے لگا۔

"کیپٹن! تم اپنا سامان بھی ساتھ نہیں لائے میرا خیال ہے جلدی سے گھر پر ہی بھول گئے ہو گے"

اور وہ ہنسنے لگا۔ میں اسی طرح سنجیدہ بنا رہا۔ یہ بات اس کی بڑی اہمیت کی حامل تھی۔ میرے ساتھ کم از کم ایک چھوٹا سا بریف کیس ہی ہوتا۔ یہ خامی مجھ سے اور کریم بھائی سے رہ گئی تھی۔ تب مجھے یاد آیا کہ جس وقت ہم نے کیپٹن ہری ناتھ اور اس کے اردلی

کی لاشوں کو دلدلی تالاب میں پھینکا تھا تو ایک چھوٹا اٹیچی کیس بھی ان کے ساتھ ہی پھینک دیا تھا۔ اس وقت یہ خیال ہی نہ آیا کہ یہ اٹیچی کیس مجھے اپنے پاس رکھ لینا چاہئے تھا۔ ہو سکتا تھا اس میں کیپٹن کا سلیپنگ سوٹ اور کچھ دفتری فائلیں ہی ہوتیں۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے پاس کوئی ایک فائیل بھی نہیں تھی جو کہ اصولی طور پر ہونی چاہئے تھی۔ میں نے مسکراتے ہوئے تھوڑی بے تکلفی کا اظہار کرتے ہوئے میجر پٹیل سے کہا۔

"مجھے دو ایک دن سے زیادہ تو یہاں رہنا نہیں اور پھر مجھے معلوم تھا کہ تم لوگ رات کو کم از کم مجھے ایک سلیپنگ سوٹ ضرور دے دو گے۔"

میرے بے تکلفانہ رویے پر میجر بہت خوش ہوا۔ کہنے لگا

"ہم تو آپ کی ہر خدمت کرنے کو تیار ہیں۔ نو پرابلم سر! نو پرابلم!"

میں نے اسے کہا کہ میں صبح آٹھ بجے اس گوڈاون کے آرسنل کی چیکنگ کرنا چاہوں گا جہاں ٹرانسپورٹ شپ سے پچھلے دنوں دوسرے اسلحہ کے ساتھ میڈیم فیلڈ گنیں اور کوبرا گن شپ ہیلی کاپٹر لا کر سٹاک کئے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ اسلحہ دو ایک روز میں ہمیں کشمیری کے محاذ پر سپلائی کرنا ہے۔ میجر پٹیل نے اپنا ہاتھ سیلوٹ کے انداز میں ماتھے پر لے جاتے ہوئے کہا۔

"یس سر۔ میں اور کیپٹن پرشاد صبح آٹھ بجے گوڈاون نمبر ون کے گیٹ پر موجود ہوں گے۔"

اس کے بعد میں نے یہ کہکر اسے بھیج دیا کہ میں اب آرام کرنا چاہتا ہوں۔ نیند کوسوں دور تھی۔ بستر پر لیٹا پہلو بدلتا رہا۔ یہی سوچ رہا تھا کہ کسی طرح رات گذر جائے اور صبح گوڈاون میں جا کر اسلحہ کی پوزیشن کا جائزہ لوں اور پندرہ کے پندرہ چیونگ گم والے بم وہاں اہم جگہوں پر لگا دوں۔ چیونگ گم کی ان چوکور گولیوں کے اندر دھماکہ خیز آتش گیر مادے کو پھاڑنے کے لئے ایک باریک سی بہت ہی باریک نلکی لگائی گئی تھی۔ ٹیبلٹ کو ایک طرف سے دبانے پر یہ نلکی ٹوٹ جاتی تھی اور اس کے اندر بھرا ہوا تیزاب آہستہ آہستہ نلکی کے دو چکروں میں سے ہوتا ہوا کوئی ایک گھنٹے میں بارود تک پہنچتا تھا۔ اس کے

بعد آتش گیر دھماکہ ہوتا تھا اور اردگرد کی ہر شے کے پرخچے اڑ جاتے تھے۔ ان ٹیبلٹ بموں کا دورانیہ ایک گھنٹہ تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ بم لگانے کے ایک گھنٹے کے اندر اندر مجھے وہاں سے نکل جانا تھا۔

کبھی سوتے کبھی جاگتے رات کسی نہ کسی طرح گذر گئی۔ صبح اٹھ کر میں نے غسل کیا۔ وردی پہنی اور تیار ہو کر ڈرائینگ روم میں بیٹھ گیا۔ اردلی ناشتہ لے کر آگیا۔ میں نے اسے رات ہی کو ہدایت کر دی تھی کہ میں ناشتہ ڈرائینگ روم میں ہی کروں گا۔ میس MESS میں نہیں کروں گا۔ ناشتہ کرتے کرتے آٹھ بج گئے میں سیدھا گوڈاؤن نمبرون کے گیٹ پر پہنچ گیا۔ وہاں میجر پٹیل اور کیپٹن پرشاد میرے استقبال کے لئے پہلے سے موجود تھے۔ گوڈاون کا چھوٹا سا دروازہ کھلا تھا جہاں ایک اسلحہ بردار سنتری گارڈ ڈیوٹی پر چاق وچوبند کھڑا تھا۔

میجر اور کیپٹن نے آگے بڑھ کر میرا خیر مقدم کیا۔ ان کے ہاتھوں میں ایک ایک فائل تھی۔ میجر نے مجھے اپنی فائیل دیتے ہوئے کہا۔

"اس میں آرسنل کی پوری ڈیٹیل درج ہے"

ہم گوڈاون میں داخل ہو گئے۔ میرے خدا! گودام کے اندر اسلحہ کا انبار لگا تھا۔ اونچی چھت والے اس ہال کمرے میں دیوار کے ساتھ اسلحہ کے کریٹ لگے تھے۔ درمیان میں قطاروں کی صورت میں ہر قسم کے اسلحہ کے ڈھیر بڑی ترتیب سے میزوں پر سجے ہوئے تھے۔ میں نے یونہی فائیل کو دیکھ دیکھ کر چیکنگ شروع کر دی۔ میں نے میجر پٹیل سے گن شپ کوبرا ہیلی کاپٹروں اور میڈیم فیلڈ گنوں کے بارے میں پوچھا کہ انہیں کہاں رکھا گیا ہے۔ میجر پٹیل مجھے دوسری طرف لے گیا۔ جہاں بہت بڑے بڑے کریٹ ایک دوسرے کے ساتھ لگے دوسری دیوار تک چلے گئے تھے۔ اس نے کہا۔

"ہیلی کاپٹروں اور فیلڈ گنوں کا مرچنڈائیز ہے سر۔"

میں بڑے غور سے کریٹوں کو ٹھونک بجا کر دیکھنے لگا۔ کیپٹن پرشاد نے پوچھا۔

"سر! اس دفعہ ہم یہ اسلحہ اور دوسرا سامان ٹرین کے ذریعے نہیں بلکہ

الگ الگ سویلین ٹرکوں میں ایک ایک دن کا وقفہ ڈال کر جموں بھیج رہے ہیں"

میں نے آہستہ سے سرہلا کر کہا۔

"میں جانتا ہوں۔ یہ مشورہ ہماری انٹیلی جینس کور نے ہی ہائی کمانڈ کو دیا تھا۔ کشمیری کمانڈوز دیولالی سے جموں تک پھیلے ہوئے ہیں۔ مڈگھاٹ کے واقعے سے ہم نے کافی سبق حاصل کیا ہے۔"

ہم ایک میز کے قریب آئے تو یہاں ڈائنامائیٹ کی سٹکوں والے میڈیم سائیز کے جدید ترین ٹائم بم بڑے قرینے سے چار قطاروں میں رکھے ہوئے تھے۔ میں وہاں رک گیا۔ یہ چیز میرے کام کی تھی اور میرے کام آسکتی تھی۔ یہ میگنٹ بم تھے۔ میں نے ایک ٹائم بم کو اٹھا کر الٹ پلٹ کر دیکھا۔ مجھے اس نتیجے پر پہنچنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی کہ ان ٹائم بموں کا دورانیہ بھی دو گھنٹے ہی تھا۔ ان کے فیوز الگ کئے ہوئے تھے۔ میں نے ٹائم بم میز پر رکھ دیا اور وہاں کی سیکورٹی کے بارے میں میجر پٹیل کو ضروری ہدایات دیتا اس دیوار کی جانب آگیا جہاں میڈیم کے علاوہ ہیوی فیلڈ گنوں کے گولوں کی لاتعداد کریٹ ساتھ ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ میری چیکنگ کے واسطے کریٹوں کے اوپر کے حصے کھول دیئے گئے تھے۔ یہ گولے کشمیر کے محاذ پر فائر کرنے کے لئے باہر سے منگوائے گئے تھے۔

میں آدھا گھنٹہ گوڈاون میں رہا اور میں نے چیکنگ اور سیکورٹی کے بارے میں انتہائی یک سوئی ظاہر کی جیسے مجھے اس اسلحہ کی سیکورٹی کا بے حد خیال لگا ہوا ہو۔ اس کے بعد میں فائل ہاتھ میں لئے اس چھوٹے سے کمرے میں آگیا جو مجھے دے دیا گیا تھا۔ یہاں فون بھی لگا تھا۔ میں نے میجر پٹیل سے کہا کہ میں اکیلا بیٹھ کر رپورٹ تیار کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔ میجر اور کیپٹن اپنے اپنے آفس رومز کی طرف چلے گئے جو کواٹر گارڈ کے سامنے ہی تھے۔ اس دن صبح ہی سے دوارکا کے آسمان پر کالے کالے بادل جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ جس چھوٹے سے کمرے میں میرے لئے میز کرسی لگا دی گئی اس کی کھڑکی میں سے ٹھنڈی ہوا آ رہی تھی۔ میں فائل سامنے کھولے بیٹھا تھا۔ مجھے اب

صرف ایک کام کرنا تھا کہ گوڈاون نمبرون میں جاکر موزوں جگہ پر اپنے ٹیبلٹ بموں کے علاوہ وہاں جو میگنٹ ٹائم بم پڑے تھے ان کو بھی لگا کر ان کے فیوز اون کر کے بٹن دبا کر کلاک کی ڈیجیٹل الٹی گنتی کو شروع کر دیتا تھا۔ یہ کام کوئی اتنا وقت طلب یا دشوار نہیں رہا تھا۔ میں بلا روک ٹوک گوڈاون میں داخل ہو کر یہ کام سرانجام دے سکتا تھا۔ میں صرف ایک بت کا انتظار کر رہا تھا۔ میجر پٹیل نے مجھے بتایا تھا کہ اسرائیل کی کسی بندرگاہ سے اسلحے کی ایک اور کھیپ لے کر مرچنٹ نیوی کا بحری جہاز روانہ ہونے والا ہے۔ مجھے اس جہاز کی روانگی کی تاریخ اور وقت معلوم کرنا تھا جس کے بارے میں میجر پٹیل نے بتایا تھا کہ دوپہر کے بعد ہمیں حیفہ کی بندرگاہ سے جہاز کی روانگی کا سگنل مل جائے گا۔

اتنے میں ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے میجر پٹیل کی آواز آئی۔

"سر! جام نگر سے آپ کی کال ہے"

اور اس کے ساتھ ہی ایک عورت کی آواز آئی۔

ہیلو ناتھ جی! میں پرابتا بول رہی ہوں۔ آپ نے تو کہا تھا میں دوارکا پہنچتے ہی فون کر دوں گا۔ آپ نے کوئی فون نہیں کیا۔ آپ کو اتنا بھی خیال نہیں آیا کہ آپ کی پتنی پیچھے پریشان ہو گی۔"

یہ اصلی کیپٹن ہری ناتھ کی بیوی بول رہی تھی جس کا نام پرابتا تھا۔ ایک بار تو میرے بدن میں سرد لہر دوڑ گئی۔ میں نے جلدی سے اپنے آپ کو سنبھالا۔ کیونکہ یہ بڑا نازک مقام تھا۔ یہاں میری ذرا سی بے احتیاطی سارے کئے کرائے پر پانی پھیر سکتی تھی اور مجھے فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کر سکتی تھی۔ میں نے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہ میرا گلا خراب ہو گیا ہے کھانس کر کہا۔

"آئی ایم سوری پرابتا! آئی ایم سوری"

اور آہستہ آہستہ کھانسنے لگا۔ دوسری طرف سے پرابتا نے تشویش کے ساتھ پوچھا۔

"ناتھ جی! آپ کی آواز کو کیا ہو گیا ہے آپ کھانس کیوں رہے ہیں؟"

میں نے کہا۔

"میرا گلا خراب ہو گیا ہے۔ رات کو لیمن جوس کچھ زیادہ پی لیا تھا۔

اچھا۔ ابھی میں میٹنگ میں ہوں۔ میں تھوڑی دیر بعد تمہیں خود فون کرتا ہوں۔ او کے بائی بائی"

اور میں نے فون بند کر دیا۔ اس وقت میرے دل کی دھڑکن تھوڑی تیز ہو گئی تھی۔ کہیں اصلی کیپٹن ہری ناتھ کی بیوی کو شک تو نہیں پڑ گیا کہ اس کے خاوند کی جگہ کوئی دوسرا آدمی بول رہا تھا۔ بہر حال خطرے کی گھنٹی بج اٹھی تھی۔ مجھے اب دیر نہیں کرنی چاہئے تھی۔ خطرہ قریب آئے جا رہا تھا۔ اب کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

میں اسی وقت فائل ہاتھ میں لے کر اٹھا اور دفتر سے نکل کر سیدھا اسلحہ کے گوڈاون نمبرون کی طرف چل پڑا۔ یہ گوڈاون چند قدموں کے فاصلے پر تھا۔ گوڈاون کا دروازہ بند تھا اور اسے لاک لگا ہوا تھا۔ باہر ڈیوٹی پر گارڈ سنتری کھڑا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر صرف ایڑیاں بجا کر میری تعظیم کی میں نے کہا۔

"جوان دروازہ کھولو۔ مجھے ضروری چیکنگ کرنی ہے"

سنتری مجھے جانتا تھا کہ میں انٹیلی جینس کا کیپٹن ہری ناتھ ہوں اور ہیڈ کوارٹر سے فوجی ساز و سامان اور سیکورٹی کی چیکنگ کے لئے آیا ہوں۔ اس مجھے اپنے جی او سی GOC کے ساتھ صبح چیکنگ کے لئے اندر جاتے بھی دیکھا تھا۔ اس نے فوجی انداز میں کہا۔

"سر! کیپٹن پرشاد ڈپو لاک کر کے چابی اپنے ساتھ لے گئے ہیں"

میں وہیں سے اپنے آفس میں آگیا۔ وہاں سے انٹر کام پر کیپٹن پرشاد کو فون کیا۔ گھنٹی بجتی رہی۔ وہ اپنی سیٹ پر نہیں تھا میں نے میجر پٹیل کو فون کیا اور کیپٹن پرشاد کا پوچھا۔ وہ کہنے لگا۔

"سر! وہ تو نیول ہیڈ کوارٹر گیا ہوا ہے۔ کوئی خاص بات ہو تو فرمائیں"

میں نے کہا۔

"مجھے سٹور میں کچھ آئٹمیں چیک کرنی تھیں۔ وہ گوڈاون لاک کر گیا

ہے۔ اس کی ڈپلیکیٹ چابی تمہارے پاس ہے تو مجھے بھجوا دو"
میجر پٹیل نے جواب دیا۔

"سر! سیکورٹی کے معاملے میں وہ کسی پر بھروسہ نہیں کرتا۔ ڈپلیکیٹ چابی بھی اسی کے پاس ہوتی ہے۔ فکر نہ کریں۔ وہ تھوڑی دیر میں آجائے گا۔"
میں نے کہا۔

"کوئی بات نہیں۔"
میں فون بند کرنے لگا تو میجر پٹیل بولا۔

"سر! آپ کی مسز آپ کے لئے پریشان تھیں۔ آپ نے ان سے بات کرتے ہوئے فون اچانک بند کر دیا تو وہ مجھ سے آپ کی صحت کے بارے میں پوچھنے لگیں کہ آپ کا گلا کیوں خراب ہو گیا ہے۔"
میں نے ذرا سا کھانس کر کہا۔

"گلے میں معمولی سی خراش ہے۔ خطرے کی کوئی بات نہیں ہے"
میجر پٹیل بولا۔

"سر! اپنی مسز کو دوبارا فون ضرور کر لیجئے۔ وہ تو کہہ رہی تھیں کہ میں خود آکر آپ کی خیرت معلوم کرتی ہوں"
میں نے جلدی سے کہا۔

"وہ تو خوامخواہ پریشان ہو جاتی ہے ٹھیک ہے۔ میں اسے ابھی فون کرتا ہوں"

میں نے ریسیور رکھ دیا اور سوچنے لگا کہ کہیں واقعی اصلی کیپٹن ہری ناتھ کی بیوی یہاں پہنچ ہی نہ جائے۔ جام نگر سے دوارکا کا فاصلہ اتنا زیادہ بھی نہیں ہے۔ سارا دن بسیں اور لاریاں چلتی رہتی ہیں۔ میں پریشان سا ہو کر کرسی سے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔

اس وقت باہر ہلکی ہلکی بوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔

میرے لئے عجیب مشکل پیدا ہو گئی تھی۔ میں ٹارگٹ پر پہنچ کر بے بس ہو گیا تھا۔ اگر فرض کر لیا اصلی کیپٹن ہری ناتھ کی بیوی پر اتیما اچانک آجاتی ہے تو پھر کیا ہو گا؟ وہ

اپنے خاوند کی جگہ ایک اجنبی کو دیکھ کر حیران رہ جائے گی اور پھر میرا سارا راز فاش ہو جائے گا۔ اور عین ٹارگٹ پر پہنچ کر میرا کمانڈو آپریشن ناکام ہو جائے گا اور عین ممکن ہے کہ مجھے رات ہونے سے پہلے پہلے فائرنگ سکواڈ کے سامنے کھڑا کر کے گولی سے اڑا دیا جائے۔

میں میجر پٹیل سے زیادہ پوچھنا بھی نہیں چاہتا تھا کہ کیپٹن پرشاد کب واپس آئے گا۔ اس خیال سے کہ اسے شک نہ پڑ جائے کہ آخر مجھے کیا جلدی ہے اور میں بار بار کیوں پوچھ رہا ہوں۔ بغیر پوچھے مجھ سے رہا بھی نہیں جا رہا تھا۔ میں نے دو تین بار فون کی طرف ہاتھ بھی بڑھایا اور پھر کچھ سوچ کر رک گیا۔ اسلحہ کے گوڈاون میں داخل ہونے کا دوسرا کوئی دروازہ بھی نہیں تھا۔ ایسی کوئی بظاہر ایمرجینسی بھی نہیں تھی کہ جس کا بہانہ بنا کر میں میجر پٹیل سے کہتا کہ گوڈاون کا تالا توڑ دیا جائے۔ اگر فرض کر لیا میں تالا تڑوا بھی دیتا ہوں تو اس صورت میں میجر پٹیل میرے پاس ہی کھڑا ہو گا اور جب میں آئیٹمیں چیک کرنے کے بہانے سٹور میں جاؤں گا تو وہ بھی میرے ساتھ ہی آجائے گا اور میں اسے روک نہیں سکوں گا۔

میں عجیب وغریب الجھن میں مبتلا ہو گیا تھا۔ صورت حال بڑی پریشان کن شکل اختیار کر گئی تھی۔ میں ایک خطرناک دوراہے پر آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ نہ آگے بڑھ سکتا تھا نہ پیچھے مڑ سکتا تھا۔ میں نے سوچا میجر پیٹل کو فون کر کے پوچھتا ہوں کہ نیول ہیڈ کوارٹرز میں کیپٹن پرشاد کس نمبر پر مل سکتا ہے تاکہ اسے فون کر کے فوراً واپس بلاؤں جیسے ہی میں نے ٹیلی فون کی طرف ہاتھ بڑھایا اس کی گھنٹی بجنے لگی۔ میں نے ریسیور اٹھایا۔ دوسری طرف سے میرج پٹیل کی آواز آئی۔

"سر! ابھی ابھی کیپٹن پرشاد کا فون آیا تھا۔۔"
میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"مجھے اس کا فون نمبر دو۔ میں خود اس سے بات کروں گا"
میجر پٹیل نے کہا۔

"سر! اس نے اپنا نمبر نہیں دیا۔ وہ دوارکا نیول بیس (BASE) کے ایئر

کموڈور گائیگواڈ کے آفس میں بیٹھا ہے جو ایمونیشن کی نئی شپ منٹ آرہی
ہے اس کے بارے میں ضروری ڈس کشن کر رہا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ میں
ایئر کموڈور کے ساتھ میٹنگ پر جا رہا ہوں۔ ایک گھنٹے تک واپس آجاؤں گا"

میں نے فون بند کر دیا۔ میں سوچنے لگا کہ گوڈوان کا تالا توڑ دینا چاہئے۔ پھر خیال آیا
کہ تالا میجر پٹیل کے سامنے توڑا جائے گا۔ لازمی بات ہے کہ وہ آئیٹمیں چیک کروانے
میرے ساتھ ہی اندر آئے گا۔ میں اسے کس طرح روکوں گا۔ اس بات کا خطرہ ہے کہ
میرے اکیلا ایمونیشن سٹور میں جانے سے اسے شک پڑ جائے۔ میں نے سوچا کہ جو ہو گا
دیکھا جائے گا۔ میں اسے اندر جانے سے روک دوں گا اور کہہ دوں گا کہ بعض آئیٹمیں
میں اکیلا ہی چیک کرنی چاہتا ہوں۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد میں نے میجر پٹیل کو دوبارہ فون
کیا اور کہا کہ بعض آئٹموں کی چیکنگ ضروری ہے۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم گوڈاون کا
تالا توڑ دیں؟ میجر پٹیل نے کسی قدر حیرانی کا اظہار کیا اور بولا۔

سر! ایسی کوئی ایمرجنسی والی بات نہیں ہے۔ تالا توڑنے کی کیا ضرورت
ہے۔ اور پھر ہم سوائے اس حالت میں کہ سٹور میں آگ لگنے کا خطرہ ہو گوڈ
اون کا تالا نہیں توڑ سکتے۔ سر! آپ تو ملٹری کے بائی لاز سے واقف ہی ہیں۔
سر! یہ ڈسپلن کا معاملہ ہے۔ آپ تھوڑی دیر انتظار کر لیں آپ تو ابھی ہمارے
پاس ہی ہیں۔"

اس نے بات بالکل صحیح کی تھی۔ میں نے فوراً کہا۔

"ٹھیک ہے میجر ایسی کوئی ایمرجنسی نہیں ہے۔ کیپٹن پر ئے گا تو
چیکنگ ہو جائے گی۔"

میجر پٹیل بولا۔

"سر! تالا توڑنے کے لئے بھی ہمیں جام نگر میں آپ کے انٹیلی جنس
والوں کو اطلاع دینی پڑے گی۔ ان کو اطلاع دینے کے بعد ہی ہم ایمونیشن
سٹور کا تالا توڑ سکیں گے۔"

اب تو تالا توڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے ہلکا سا بناوٹی قہقہہ لگاتے

ہوئے کہا۔

"ارے نہیں میجر نہیں۔ فارگٹ اٹ۔ ہاں جیسے ہی کیپٹن پرشاد آئے
اسے میرے پاس بھجوا دیجئے گا۔"

"اوکے سر"

میں نے بوجھل دل کے ساتھ ٹیلی فون ریسیور رکھ دیا۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی اپنی
آپ بیتی سناتے ہوئے آپ کو بتایا تھا کہ کبھی کبھی ایسا بھی ہو جاتا ہے کہ کمانڈوز ایک ایک
انچ کی پیمائش کروا لینے اور پوری پوری جانچ پڑتال کرنے اور ہر پہلو پر کئی کئی دن غور و فکر
کرنے کے بعد ایک پلان تیار کرتے ہیں لیکن ٹارگٹ پر پہنچنے کے بعد ایسے حالات پیدا ہو
جاتے ہیں کہ صورت حال ہی بدل جاتی ہے۔ اس مقام پر پھر کمانڈو کی ذاتی عقل و دانش'
فراست موقع شناسی اور اعصاب کی مضبوطی کام آتی ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسی ہی
صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ سارے کا سارا پلان بالکل ٹھیک چلتے چلتے عین نشانے پر پہنچ
کر اچانک نئی شکل اختیار کر گیا تھا۔ چنانچہ اب مجھے بھی ذاتی عقل اور اعصاب کی مضبوطی
کا مظاہرہ کرنا تھا۔ جو میں کر رہا تھا۔ اس کے باوجود قدرتی بات تھی کہ میں سخت بے چین
تھا۔

میرے کمرے کی کھڑکی سے باہر بدستور بوندا باندی ہو رہی تھی۔ بارش موسلا دھار
میں تھی۔ ہلکی ہلکی برکھا کی جھڑی سی لگی ہوئی تھی۔ میں کچھ دیر کھڑکی کے پاس کھڑا سوچتا
رہا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ حقیقت یہ ہے کہ میں کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا سوائے کیپٹن
پرشاد کے انتظار کرنے کے اور اس کے آنے میں ابھی ایک گھنٹہ باقی تھا۔ یہ وقت مجھ سے
گذارا نہیں جا رہا تھا۔ کچھ دیر میز پر رکھی فائل کھول کر اس پر درج ملٹری ایمونیشن کی
آئیٹم دیکھتا رہا۔ پھر اسے بند کر کے اٹھا۔ اپنے آفس روم سے نکل کر ہلکی بوندا باندی میں
احاطے کی سڑک پار کر کے سامنے میجر پٹیل کے آفس میں آگیا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا۔

"سر! کیپٹن تھوڑی دیر میں آجائے گا۔ وہاں کوئی ایمرجنسی پڑ گئی ہو گی۔
آپ میرے پاس بیٹھیں۔ میں کافی منگواتا ہوں"

میں بیٹھ گیا۔ اسنے اصلی کیپٹن ہری ناتھ کی بیوی پراتیا کی باتیں شروع کر دیں۔ کہ

لگا۔

"سر! آپ اپنی مسز کو فون ضرور کریں۔ میرا خیال ہے آپ نے فون کر دیا ہوگا۔ وہ بڑی پریشان تھیں۔ آپ کا گلا خراب ہے اور آپ نے ہمیں بتایا ہی نہیں میں ابھی سٹور سے آپ کے لئے ٹیبلٹ منگواتا ہوں"

میں نے کہا۔

"نہیں نہیں میجر۔ اس کی ضرورت نہیں۔ اب میں بالکل ٹھیک ہوں"

اور میں تھوڑا سا کھانس کر خاموش ہو گیا۔ میں نے اسے یونہی کہہ دیا کہ ہاں میں نے اپنی مسز کو فون پر تسلی دے دی تھی۔ اتنے میں اردلی کافی لے آیا۔ ہم کافی پینے لگے۔ میجر مجھ سے فورٹ کی سیکورٹی کے بارے میں پوچھنے لگا۔

"سر! ہم نے تو یہاں سیکورٹی بڑی سخت رکھی ہوئی ہے"

پھر خود ہی ہنس کر بولا۔

"اب ہمیں معلوم نہیں آپ کی انٹیلی جنیس کو ہماری سیکورٹی کے بارے میں کیا رپورٹ پہنچتی ہے"

میں نے بے دلی سے کہا۔

"ڈونٹ وری میجر! ہمیں جو رپورٹ پہنچی ہے وہ غلط نہیں ہوتی۔ ویسے میں نے یہاں سیکورٹی کا انتظام تسلی بخش پایا ہے۔"

ہم انگریزی میں باتیں کر رہے تھے۔ میجر پٹیل بڑا خوش ہوا۔

"تھینک یو سر! تھینک یو"

وہاں بیٹھے باتیں کرتے اور کافی پیتے آدھا گھنٹہ گذر گیا۔ اب باقی کا آدھا گھنٹہ مجھے وہاں گذارنا دشوار معلوم ہو رہا تھا۔ میں نے کرسی سے اٹھتے ہوئے میجر پٹیل سے کہا۔

"میں کچھ دیر آرام کرنے اپنے کوارٹر میں جاتا ہوں۔ کیپٹن پرشاد آئے تو مجھے اطلاع کر دینا"

"اوکے سر۔ میں اسی وقت فون کر دوں گا"

میجر پٹیل مجھے چھوڑنے برآمدے تک آیا۔ حالانکہ اس کا رینک مجھ سے بڑا تھا مگر میں

وہاں ملٹری انٹیلی جنیس کی طرف سے سیکورٹی کی چیکنگ کے لئے آیا تھا اس لئے وہ میری زیادہ سے زیادہ خوشامد میں لگا ہوا تھا۔

باہر بونداباندی دیکھ کر بولا۔

"میں چھاتہ منگواتا ہوں"

میں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

"نو نو میجر۔ اس کی ضرورت نہیں۔ اٹ از اوکے۔ اوکے۔

اور میں بونداباندی میں ہی اپنے رہائشی کوارٹر کی طرف چل پڑا۔ میری اس وقت کی کیفیت ایسی تھی کہ جیسے کوئی شخص تنی ہوئی رسی پر چلتے چلتے اچانک رک گیا ہو۔ یا اسے کسی مجبوری کی وجہ سے روک دیا گیا ہو۔ میں کیپٹن ہری ناتھ کی وردی میں تھا۔ سر پر بیرٹ کیپ تھی۔ مجھے بونداباندی کا بالکل احساس نہیں ہو رہا تھا۔ میں اپنے خیالوں میں الجھا ہوا تھا۔ مجھے یہ بھی ڈر تھا کہ کہیں اصلی کیپٹن ہری ناتھ کی بیوی اچانک دوارکا گریژن میں نہ آجائے۔ اس کے آنے سے نہ صرف میرا مشن ناکام ہوتا تھا بلکہ میرا گرفتار ہونا بھی یقینی تھا۔

میں اپنے کوارٹر میں آکر ڈرائینگ روم میں بیٹھ گیا۔ پندرہ کے پندرہ دھماکہ خیز ٹیبلٹ بم میری پتلون کی جیب میں تھے۔ کم بخت کیپٹن پرشاد کو بھی آج ہی نیول ہیڈ کوارٹر جانا تھا۔ میں دل میں اسے گالیاں دیتا ہوا اٹھا اور باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھونے لگا۔ ٹھنڈے پانی کے چھینٹوں سے مجھے تھوڑی سی تسکین ملی۔ میں بالوں میں کنگھی پھیر رہا تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں جلدی سے باتھ روم سے نکال اور ریسیور اٹھا کر ہیلو کہا۔ دوسری طرف میجر پٹیل بول رہا تھا۔ اس نے پر مسرت لہجے میں کہا۔

"سر! کیپٹن پرشاد آگیا ہے۔ میں اسے آپ کی طرف بھیج رہا ہوں۔ گوڈاون نمبرون کی دونوں چابیاں اس کے پاس ہی ہیں۔۔"

میرے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"تھینک گاڈ۔۔۔"

میجر پٹیل نے شرارت بھری آواز میں کہا۔

"سر! اس کے ساتھ آپ کے واسطے ایک سرپرائز بھی ہے۔"

"سرپرائز؟"

میں نے پوچھا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا؟"

میجر پٹیل کی ہنسی کی آواز آئی۔ کہنے لگا۔

"سر! آپ کو تھوڑی دیر بعد خود ہی معلوم ہو جائے گا۔ بڑا خوشگوار سرپرائز ہے سر!"

اور اس نے ہنستے ہوئے ٹیلی فون بند کر دیا۔ میں سوچنے لگا کہ خوشگوار سرپرائز کیا ہو سکتا ہے۔ پھر مجھے خیال آیا کہ میجر نے میرے لئے کوئی تحفہ نہ بھیجا ہو گا۔ وہ مجھے زیادہ سے زیادہ خوش کرنا چاہتا ہے۔ وہ تو یہی سمجھ رہا تھا کہ میں اصلی کیپٹن ہوں اور مجھے اس کی کارکردگی کی رپورٹ اوپر بھجوانی ہے۔ بہرحال میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ کیپٹن پرشاد گوڈاون کی چابی لے کر آگیا تھا۔ اتنے میں مجھے ڈرائینگ روم کے برآمدے میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ پھر ڈرائینگ روم کا پردہ ہٹا اور کیپٹن پرشاد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"سر! جام نگر سے ہماری بھابی اور آپ کی مسز آئی ہیں۔"

میں اپنی جگہ پر ایک لمحے کے لئے سن ہو کر رہ گیا۔ اتنے میں ایک عام شکل صورت کی ساڑھی والی عورت ڈرائینگ روم میں داخل ہوئی۔ کیپٹن پرشاد نے کہا۔

"لیجئے بھابی جان سنبھالئے اپنے پتی دیو کو"

وہ عورت میری طرف حیران پریشان نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کیپٹن پرشاد کی طرف دیکھ کر کہا۔

"مگر یہ تو میرا خاوند ہری ناتھ نہیں ہے۔"

اس کے بعد کیا ہوا، بھارت کے فرعون حصہ سوئم

"ایکشن دوارکا" میں پڑھیئے